90 دروس میں

سیرتِ طیبہ

نقشے • تصاویر • عبرتیں

تالیف

مولانا الطاف الرحمٰن عباسی

القرطبۃ للنشر والتوزیع، کراتشی (پاکستان)

تعارف مصنف

نام: مولانا الطاف الرحمٰن عباسی ولد مولانا فضل سبحان عباسی

تاریخ پیدائش: ۱۹۷۵ء، بمقام، ہزارہ ڈویژن، ضلع طورغر، علاقہ جدباء، گاؤں گنبد

سلسلہ خاندان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ

آغاز تعلیم: والد محترم مولانا فضل سبحان عباسی صاحب رحمہ اللہ سے

سلسلہ تعلیم: حفظ قرآن کریم، آغاز جامعہ حمادیہ، کراچی/اختتام، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

درس نظامی، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی

علم میراث، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب، عرف میراثی بابا کوئٹہ

معقولات، حضرت مولانا قاضی حمید اللہ صاحب، گوجرانوالہ/مولانا تاج محمد صاحب، لکی مروت

علم تفسیر، حضرت الشیخ مولانا سرفراز صفدر صاحب، جامعہ نصرت العلوم، گوجرانوالہ

علم تفسیر، حضرت الشیخ ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

علم تفسیر، حضرت الشیخ مولانا محمد یوسف صاحب دارالعلوم عثمانیہ، رحیم یار خان

تقابل ادیان و فرق، حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب، جامعہ خیر المدارس، ملتان

جغرافیہ و فلکیات، پروفیسر عبداللطیف صاحب (ماہر فلکیات و نقشہ جات اوقات نماز) ناظم آباد، کراچی

تنظیم الحیات، جناب سلیمان احمد صاحب، ٹائم لیڈر کمپنی، کراچی

انگریزی، جناب نور خان صاحب، ریٹائرڈ آفیسر، کے پی ٹی، کراچی

سلسلہ تدریس: درس نظامی مکمل، میراث، تفسیر، سیرت و تاریخ، تنظیم الحیات

عوامی دروس: سیرت و تاریخ، تفسیر، فقہ

دیگر ذمہ داریاں: ناظم تعلیم جامعہ قرطبہ، کراچی/جامعۃ الصدیق، کراچی/مدرسۃ الخیر للبنات، کراچی/قرطبہ سیکنڈری اسکول، کراچی

خطیب جامع مسجد قرطبہ، مفتی دارالافتاء جامعہ قرطبہ

اصلاحی تعلق: حضرت الشیخ قاری ابراہیم صاحب رحمہ اللہ، جمشید روڈ، کراچی/حضرت الشیخ مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ

حضرت الشیخ مولانا محمود صاحب عرف صندل بابا رحمہ اللہ/حضرت الشیخ حافظ ناصر الدین خاکوانی صاحب مدظلہ العالی

سلسلہ تصنیف: تفسیر قرآن، مضامین قرآن، سیرت طیبہ، تاریخ اسلام، فتاوی، میراث، درس نظامی و دیگر اصلاحی و فکری موضوعات

دعا ہے اللہ تعالیٰ مصنف کے علمی، عملی اور اصلاحی سلسلوں کو مزید ترقی اور اخلاص نصیب فرمائے اور ان کو اسلام کا مینارۂ نور اور اپنے بزرگوں کے لئے صدقہ جاریہ اور مقبولہ بنادے۔ آمین

عباد الرحمٰن العباسی

مدیر، جامعۃ الصدیق، کلفٹن، کراچی

90 دروس میں

سیرتِ طیبہ

• نقشے • تصاویر • عبرتیں

تالیف

مولانا الطاف الرحمٰن عباسی

القرطبة للنشر والتوزيع، كراتشي (باكستان)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : سیرتِ طیبہ

تالیف : مولانا الطاف الرحمٰن عباسی

ڈیزائننگ : قمر الرحمٰن

صفحات : ۲۶۰

طباعت : ایڈیشن دوم، ۲۰۱۴ء

ناشر : القرطبہ للنشر والتوزیع

رابطہ کے لئے

القرطبہ للنشر والتوزیع

جامعہ قرطبہ، کلفٹن بلاک ۱، کراچی، پاکستان

+92333-2488096

Email: alqurtubant@gmail.com

فہرست

درس	عنوان	صفحہ
	پس منظر	
	مقدمہ	
۱	تکمیل انسانیت	۱۳
۲	معیاری نمونہ حیات تاریخیت، کاملیت، جامعیت، عملیت	۱۵
۳	کاملیت، جامعیت، عملیت	۱۸
۴	سیرت طیبہ کے اہداف سیرت طیبہ اور دو مکتب فکر	۲۱
۵	مصادر سیرت	۲۲
۶	رسول اللہ ﷺ کے حقوق ایمان و تصدیق، محبت و عقیدت، ادب و عظمت اطاعت و اتباع، صلوٰۃ و سلام، صحابہ کرام کا احترام	۲۳
۷	محبت و عقیدت، ادب و عظمت	۲۵
۸	اطاعت و اتباع اور صلوٰۃ و سلام	۲۸
۹	صحابہ کرام کا احترام	۲۹

درس	عنوان	صفحہ
	پہلا حصہ: ولادت تا بعثت	
۱۰	عہد جاہلیت کی عمومی حالت عرب کے حالات، عالمی حالات	۳۳
۱۱	عالمی حالات	۳۴
۱۲	جزیرۃ العرب محل وقوع، طبعی جغرافیہ، آبادی	۳۶
۱۳	خاندان نبوت شجرہ نسب، بعض ناموں کا تعارف	۴۰
۱۴	ولادت عام الفیل، تاریخ پیدائش	۴۵
۱۵	بچپن رضاعت، شق صدر	۴۸
۱۶	کفالت والدہ ماجدہ، عبد المطلب، ابو طالب بکریاں چرانا، شام کا پہلا سفر	۵۰

درس	عنوان	صفحہ
۱۷	**جوانی** حرب الفجار، حلف الفضول	۵۵
۱۸	**شام کا دوسرا سفر** حضرت خدیجہ سے نکاح	۵۷
۱۹	**کعبہ کی تعمیر**	۵۹
	دوسرا حصہ: بعثت تا ہجرت	
۲۰	**جغرافیہ مکہ مکرمہ** طبعی جغرافیہ، آبادی، معاشی، اخلاقی، دینی حالت	۶۵
۲۱	**مکی دور کا اجمالی خاکہ** مراحل، موضوع، انداز، نتیجہ	۶۶
۲۲	**دعوت کی مخالفت اور اور حمایت** مخالفت اور اُس کے طریقے حمایت اور اُس کے طریقے	۶۸
۲۳	**بعثت مبارکہ** خلوت نشینی، سچے خواب	۷۳
۲۴	**آغاز وحی** پہلی وحی، فترت وحی، دوسری وحی	۷۴
	پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت (اندرون مکہ)	
۲۵	**خفیہ دعوت (اندرون مکہ)** مدت، مرکز، انداز، نصاب	۷۹
	دوسرا مرحلہ: علانیہ دعوت (اندرون مکہ)	
۲۶	**علانیہ دعوت (اندرون مکہ)** مدت، انداز، خاندان کو دعوت، قریش کو دعوت عرب کو دعوت، راہِ خدا کا پہلا شہید	۸۵
۲۷	**وفود قریش** ذہنی اذیت کا راستہ، تشدد کا راستہ	۸۹
۲۸	**ہجرت حبشہ** پہلی ہجرت، حضرت عمر اور حضرت حمزہ کا قبول اسلام	۹۰
۲۹	**مہاجرین کی واپسی** دوسری ہجرت حبشہ	۹۲
۳۰	**اسلام کے خلاف منصوبے** تیسرا وفد، عتبہ کی پیش کش، ایک خطرناک سازش مذاکرات کی ایک اور کوشش	۹۵
۳۱	**معاشرتی بائیکاٹ** معجزات	۹۸
۳۲	**معاہدے کا خاتمہ** بائیکاٹ دروس وعبر کی روشنی میں عام الحزن، حضرت سودا سے نکاح	۱۰۱

درس	عنوان	صفحہ
۵۴	احکامات وواقعات تحویل قبلہ فرضیت صوم، عیدین کا حکم حضرت عائشہ کی رخصتی، حضرت فاطمہ کی رخصتی	۱۵۶
	۳ھ	
۵۵	سریہ محمد بن مسلمہ غزوہ غطفان، غزوہ بنو سلیم، سریہ زید بن حارثہ	۱۵۸
۵۶	غزوہ احد معرکے سے پہلے	۱۶۰
۵۷	حالات معرکہ پہلا مرحلہ	۱۶۲
۵۸	دوسرا مرحلہ	۱۶۴
۵۹	غزوہ حمراء الاسد	۱۶۸
۶۰	احکامات وواقعات حضرت حفصہ، ام کلثوم، زینب بنت خزیمہ کا نکاح	۱۷۰
	۴ھ	
۶۱	سرایا وغزوات رجیع کا حادثہ، بیر معونہ کا حادثہ	۱۷۱
۶۲	غزوہ بنو نضیر حضرت ام سلمہ کا نکاح، غزوہ دومۃ الجندل	۱۷۳

درس	عنوان	صفحہ
	۵ھ	
۶۳	غزوہ خندق معرکے سے پہلے	۱۷۵
۶۴	معرکے کے حالات	۱۷۹
۶۵	غزوہ بنو قریظہ	۱۸۱
۶۶	احکامات وواقعات حضرت زینب بنت جحش کا نکاح، حکم حجاب	۱۸۳
	سن ٦ھ	
۶۷	سرایا وغزوات سریہ محمد بن مسلمہ، غزوہ غابہ	۱۸۴
۶۸	غزوہ بنو مصطلق حضرت جویریہ کا نکاح	۱۸۶
۶۹	واقعہ افک صلح حدیبیہ	۱۸۸
۷۰	صلح کی تمہید	۱۹۱
۷۱	صلح اور اس کی دفعات	۱۹۳

درس	عنوان	صفحہ
	دوسرا مرحلہ: صلح	
۷۲	سلاطین کے نام مکتوبات نبوی	۲۰۱
	سنہ ۷ھ	
۷۳	یہود کی سازشوں کا خاتمہ غزوہ خیبر	۲۰۴
۷۴	عرب کی شرارتوں کا سدباب سریہ ابان بن سعید، غزوہ ذات الرقاع	۲۰۷
۷۵	عمرۃ القضاء، حضرت میمونہ سے نکاح	۲۰۸
	سنہ ۸ھ	
۷۶	واقعات مکہ کے جگر گوشوں کا قبول اسلام	۲۱۰
۷۷	غزوات غزوہ موتہ سریہ ذات السلاسل	۲۱۱
۷۸	فتح مکہ مدینہ منورہ سے روانگی	۲۱۴
۷۹	مرالظہران میں پڑاؤ	۲۱۶
۸۰	مکہ مکرمہ میں داخلہ	۲۱۸
۸۱	فتح کے بعد	۲۲۱

درس	عنوان	صفحہ
	تیسرا مرحلہ: فتح	
۸۲	غزوہ حنین فتح اوطاس، محاصرہ طائف، تقسیم غنائم، عمرہ جعرانہ	۲۲۷
	سنہ ۹ھ	
۸۳	غزوہ تبوک دومۃ الجندل کی مہم، مسجد ضرار تبوک نہ جانے والوں کا معاملہ	۲۳۱
۸۴	عام الوفود	۲۳۶
۸۵	پہلا حج	۲۳۹
	سنہ ۱۰ھ	
۸۶	حجۃ الوداع مدینہ منورہ سے روانگی	۲۴۰
۸۷	حج کی ادائیگی	۲۴۲
	سن ۱۱ھ	
۸۸	سفر آخرت بیماری کی ابتداء اور شدت	۲۴۵
۸۹	آخری امامت اور وفات	۲۴۸
۹۰	وفات کے بعد	۲۵۰

حضرت الشیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

مہتمم جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

صدر اتحاد تنظیمات مدارس، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ!

روحی الفداء لمن اخلاقه شهدت　　بانه خیر مولود من البشر

عمت فضائله کل البلاد کما　　عم البرية ضوء الشمس والقمر

لو لم یکن فیه آیات مبینة　　کانت بدیهته تکفی عن الخبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا موضوع اپنے اندر اتنی جاذبیت اور کشش رکھتا ہے کہ ہر صاحب ایمان آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا نام نامی سنتے ہی اپنے قلب میں عجیب فرحت اور انبساط محسوس کرتا ہے۔ اس خصوصیت میں نیک و بد یا بے عمل و باعمل کی کوئی قید نہیں۔ لکھنے والوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ایک ایک پہلو پر بہت ہی بسط اور تفصیل سے لکھا ہے کہ ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد و امجاد اور اصحاب و احباب سے لے کر متعلق و وابستہ اشیاء خواہ ان کی حیثیت ظاہری طور پر اہم نظر نہ آتی ہوں، پر بھی بھرپور انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ عربی تو خیر عربی ہی ہے، اردو زبان کا دامن بھی نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانفزاء اور دل نواز تذکروں سے معمور ہے۔ بادی النظر میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کس جہت اور پہلو سے قلم اٹھایا جائے۔ اس امر کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی شمار کرنا چاہیے کہ ڈیڑھ ہزار سال سے سیرتِ نبوی اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھا جا رہا ہے لیکن تشنگی اور طلب کا مسلسل تقاضا ہے: مدح باقی ہے۔ اور یہ کمال بھی صاحب سیرت (فداہ امی وابی) کا ہی ہے کہ ان کی سیرت کسی لکھنے والے کو مایوس نہیں کرتی اور ہر لکھنے والا اپنی استعداد اور اپنے ظرف کے مطابق اس میں سے حصہ پا کر اپنے لیے منفرد جہت تلاش کرنے میں کامیاب ہو ہی جاتا ہے۔

حال ہی میں مولانا الطاف الرحمٰن عباسی حفظہ اللہ نے سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر اپنی تالیف "۹۰ دروس میں سیرت طیبہ" ارسال فرمائی۔ اس موضوع پر اردو کا دامن کشادہ ہونے کے باوجود ایک ایسے عام فہم مستند درسی مجموعے کا تقاضا باقی تھا جسے عوام الناس گھروں میں اور علماء اپنے حلقوں میں بطور درس شامل کر سکیں۔

احقر نے شدید مصروفیت اور علالت کے باوجود اس کتاب کا بصد شوق مکمل مطالعہ کیا اور اسے مفید پایا۔ کتاب میں جامعیت اور اختصار دونوں پہلو ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ مختلف مقامات کی تصاویر سے تفہیم میں آسانی ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو نافع اور مثمر بنائے اور اس کے مطالعے سے لوگوں کی زندگیاں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلتی چلی جائیں۔ اور بروزِ قیامت یہ کتاب مؤلف اور قارئین کے لیے واسطۂ شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنے۔ آمین!

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ / ۳ نومبر ۲۰۱۵ء

مہتمم جامعہ فاروقیہ، کراچی

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

صدر اتحاد تنظیمات مدارس، پاکستان

حضرت الشیخ شیر علی شاہ المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

متخصص جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد،

محترم ومکرم حضرت مولانا **الطاف الرحمٰن عباسی** صاحب (حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ) کی زرین وقیع تالیف

"سیرت طیبہ"

کے مطالعہ سے دل ودماغ منور معطر ہوئے، اس جاذبِ فکر ونظر گلدستۂ سیرت کو ضعفِ سرانہ سالی کی وجہ سے کئی وقفوں میں اول سے آخر تک درساً درساً پورے ذوق وشوق وجد وکیف کے عالم میں پڑھنے کی سعادت حاصل کرتا رہا،

سیرت سید الکائنات، زبدۂ مخلوقات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر دور میں، ہر زبان میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است،

ماشاء اللہ، محترم عباسی صاحب نے سیرت کے ناپیدا کنار سمندر کو پوری جامعیت کے ساتھ نوے (۹۰) دروس کے دلنشین شاندار منفرد تنسیق کے پیرایہ میں شستہ شگفتہ عام فہم اردو زبان میں سمجھا کر سیرت مطہرہ کو عسلِ مصفّٰی بنا دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ بھذہ الخدمۃ العطرۃ احسن ما یجازی عبادہ المحسنین

سیرت طیبہ کی گرانقدر کتاب میرے میز پر جلوہ افروز ہے، جب بھی طبیعت میں بسط وانشراح کی کیفیات موجزن ہوتی ہیں تو پانچ چھ دروس کے بالاستیعاب مطالعہ سے سیرت کی روحانی غذا سے قلب وجگر کو سکون وراحت کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔ مدارس وجامعات میں طلبہ کو یہ کتاب درساً درساً پڑھانی چاہئے۔ عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ وہ قدوۃ السالکین، عمدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا عبد الغفور عباسی المدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے مبارک خاندان کو علم ودانش، رشد وہدایت کے انوار وبرکات سے تا قیام قیامت منور معطر رکھے اور ان کے علمی، دینی، مذہبی، تصنیفی خدمات کو قبولیت تامہ عامہ عطا فرمادے، وللہ الحمد اولاً وآخراً وصلی اللہ تعالیٰ علی اشرف رسلہ وخاتم انبیائہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین،

کتبہ خادم اھل العلم شیر علی شاہ کان اللہ لہ

۱۴۳۵/۷/۱ھ

حضرت الشیخ حافظ مولانا ناصر الدین خاکوانی مدظلہ

نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم اور سیرت طیبہ دو ایسے موضوع ہیں کہ ان کے ذریعے امت کے ہر طبقے کی تربیت نہایت آسان ہے، زمین بنی ہوئی ہے، بنی محنت اور زمین بنانے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف بیج ڈالنے کی دیر ہے۔

اس حوالے سے ماشاء اللہ علماء امت نے مختلف پہلوؤں سے مختلف پیرایوں اور اسالیب میں کام کیا ہے، جسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کرنے کا کوئی پہلو اور اسلوب باقی نہیں رہا لیکن "کم ترك الاول للاخر"

میرے عزیز مولانا الطاف الرحمن عباسی حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے "سیرت طیبہ" کا ذوق اور مختلف طبقات میں اس کے پڑھانے کا موقع عنایت فرمایا چنانچہ وہ اپنے تعلیمی اداروں جامعہ قرطبہ اور مسجد الصدیق گلشن کراچی میں سالوں سے اس کے دروس دیتے چلے آرہے ہیں۔

۱۴۳۴ھ میں عزیزی "خانقاہ دار السلام" میں اعتکاف کے لئے آئے اور داخل سلسلہ ہوئے، اس دوران مسکین کی خواہش پر دس مجالس میں مکمل سیرت بیان کی، پھر ۱۴۳۶ھ میں دوبارہ اعتکاف کے لئے آئے اور پانچ مجالس میں سیرت کی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت کے موضوع پر دروس دیئے۔

یہ دروس عام فہم ہونے کی بنیاد پر مجمع کی سمجھ میں آئے اور مجمع نے بڑے شوق و عقیدت سے سنا اور اس کی افادیت کو بیان کیا۔

آپ کے سامنے جو کتاب ہے یہ عزیز القدر کے دروس سیرت کی تحریری شکل ہے، جس کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ پوری سیرت کو ۹۰ دروس میں منضبط کیا گیا ہے۔

۲۔ پوری سیرت کو تین حصوں میں ادوار کے حساب سے تقسیم کیا گیا ہے۔

۳۔ متعلقہ واقعات کے نقشوں اور تاریخی مقامات کی رنگین تصاویر نے اسے مزید عام فہم بنادیا ہے۔

۴۔ واقعات سے نکلنے والے دروس و عبر بھی ایک عمدہ اضافہ ہے۔

اس مسکین کی ہفتہ وار مجالس میں "سیرت طیبہ" کو شرکاء کے سامنے پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، اس کو ہر اعتبار سے نافع، مفید اور عام فہم پایا، اس لئے اپنے متعلقین کو بھی اس کے پڑھنے کی تلقین کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے لئے نافع بنائے، میرے اور میرے عزیز کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنادے

آمین

العبد المسکین ناصر الدین کان اللہ لہ۔

خانقاہ مقیم کراچی

۲۷ / ۱ / ۱۴۳۷ھ

حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کتاب مستطاب "سیرت طیبہ" مؤلفہ مولانا الطاف الرحمٰن عباسی سیرت کے موضوع پر یہ کتاب نئی نسل کے لئے نہایت عمدہ، مفید اور عام فہم ہے۔

آپ ﷺ کے اخلاق، احوال، مناقب اور غزوات وسراپا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سعادتِ دنیویہ واخرویہ کا ذخیرہ اور حرزِ جان بنانے کے قابل ہے۔

درحقیقت یہ کتاب آئینہ کمالات حضرت سید الانس والجن صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ ہے جس کے مطالعے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کو مطالعے میں رکھنا نہایت مفید رہیگا۔

بندہ کی دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ موصوف کی اس کوشش کو اور دیگر مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائیں۔

آمین۔

بندہ فقیر مغفور اللہ۔

(شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پس منظر

قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ستون ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کے سرچشمے ہیں، ایک علم کا سرچشمہ اور دوسرا عمل کا سرچشمہ ان دونوں سرچشموں سے وابستگی زندگی کو تروتازہ رکھنے کا سبب ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ان دونوں سے وابستہ ہوئے تو سب کچھ بن گئے، لوگوں کے رہبر و رہنما بن گئے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ ان دو سرچشموں سے مضبوط تعلق قائم کر کے بگڑی کو بنایا جائے اور ڈوبتی کو سہارا دیا جائے۔ جب تک امت کا تعلق ان دو سہاروں سے رہا امت جمی رہی، بڑھتی رہی اور انسانیت کی قیادت کرتی رہی لیکن جب سے ان دو سہاروں اور ستونوں سے تعلق کمزور ہوا تنزل شروع ہوا۔ انسانیت کی ذمہ دار امت خود تذبذب کا شکار ہوئی، پریشان ہوئی، پوری انسانیت راستہ بھٹک گئی اور قیادت غلط ہاتھوں میں چلی گئی جہاں انسانیت کو اپنے مفادات اور اغراض کے لئے جانوروں کی طرح استعمال کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ جب سے تعلیمی اور تدریسی میدان میں قدم رکھا اساتذہ اور والدین کی تربیت کا نتیجہ رہا کہ ہمیشہ یہ بات ذہن میں رہی کہ ان ہی دو سلسلوں کی اشاعت اور امت کو ان سے جوڑنے میں اپنی صلاحیتیں لگائی جائیں۔ الحمدللہ مختلف طبقات میں تدریس کا موقع ملا، طلبہ کے سامنے درس نظامی تقریباً سارا زیر تدریس رہا، خاص طور پر عوامی حلقوں میں اور خود طلبہ کے حلقوں میں تفسیر اور سیرت طیبہ پڑھانے کا بار بار موقع ملا۔

تفسیر میں سورتوں کے مضامین اور خلاصوں کی طرف خاص توجہ رہی جس سے خود کو بھی اور شرکاء کو بھی خاصہ فائدہ پہنچا، سیرت کی تدریس میں ہمیشہ یہ مشکل رہی کہ واقعہ پڑھ لینے کے بعد وہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، نظریاتی طور پر قصہ پڑھ تو لیا جو کچھ دیر تک تو یاد رہا لیکن پھر ذہن سے نکل گیا، کبھی اس قصے کے بیان میں بھی غلطی ہو گئی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ واقعے کا جغرافیہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کہاں پیش آیا تھا، زمینی حقائق کیا تھے، کبھی کبھار واقعے کو سمجھنے کے لئے خود اپنی طرف سے ایک نقشہ بنایا اور اس کے ذریعے واقعے کو ذہن میں اُتارنے کی کوشش کی گئی، سلسلہ اسی طرح چلتا رہا وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مزید ذہن کھولا، جدید آلات کمپیوٹر اور پروجیکٹر کی طرف ذہن گیا، شروع میں چونکہ ان آلات سے ناواقفیت تھی اس لئے بہت محنت کی ضرورت پڑی اور بہت وقت اس پر صرف ہوا لیکن الحمدللہ بالآخر کام آسان ہو گیا، کمپیوٹر کی مدد سے سیرت کی کلاسیں تیار کی گئیں اور پروجیکٹر کے ذریعے مجمع کے سامنے ان کو پیش کیا گیا، خود ذاتی طور پر بندے کو بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں اور شرکاء میں ایسی کیفیات محسوس کی گئیں بلکہ انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اس ترتیب سے جہاں بات ان کو سمجھ میں آئی وہاں ان کے ذہنوں میں بیٹھ بھی گئی۔ سلسلے کو مزید وسعت دینے کے لئے اور حاضرین کے علاوہ غائبین تک پہنچانے کے لئے ان بیانات کو

مناظر کے ساتھ محفوظ کرلیا گیا،سی ڈیز تیار ہوئیں اور ان کے ذریعے سے بھی الحمدللہ مختلف طبقات کو فائدہ پہنچا۔

اللہ عزوجل نے مزید برکت دی اور ان بیانات کو تحریر کی شکل دی گئی۔سیرت طیبہ کے نام سے کتاب چھپ کر منظر عام پر آ گئی۔الحمدللہ مختلف مقامات پر اس کی تعلیم اور تدریس کا سلسلہ جاری ہے،خصوصاً بندے کے شیخ حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ ومتعنا اللہ بطول حیاتہ نے اس کو بہت ترویج دی۔

کتاب میں تین باتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے:

۱)...واقعات کے دوران جن مقامات کا تذکرہ آیا نقشے کی مدد سے اُن کی نشادہی کی گئی ہے اور اُن کی تصاویر قدیم یا آج کی موجودہ بھی واقعات کے ساتھ لگا دی گئی ہیں۔

۲)...واقعات سے جو دروس اور عبرتیں علماء نے اخذ کی ہیں وہ بھی ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

۳)...مکمل سیرت کو دروس کی شکل میں تقسیم کر دیا گیا ہے،کل ۹۰ دروس ہیں،اگر کوئی درس کی شکل میں سیرتِ طیبہ کو بیان کرنا چاہے تو یہ دروس تیار ہیں،اگر روزانہ ایک درس ہو تو ہفتہ وار چھٹیوں کے ساتھ تقریباً چار ماہ میں پوری سیرت ختم ہو سکتی ہے۔

اب مزید اور اضافے کے طور پر بندہ سے محبت کرنے والے مولانا ضیاء الرحمٰن ستی صاحب حفظ اللہ نے اس کو کمپیوٹر سافٹ ویئر کی شکل دیدی ہے اور اب بہت آسانی کے ساتھ آپ سیرت میں اپنے مطلوبہ مقام اور مواد تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس پورے عمل میں جن جن حضرات نے میرے ساتھ کسی بھی حوالے سے مدد کی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف سے بھرپور بدلہ عطا فرمائے،اس کتاب سے کسی کو فائدہ ہو تو اس سے یہ درخواست ہے کہ میرے لئے میرے والدین کے لئے،میرے اساتذہ ومشائخ کے لئے اور جنہوں نے میری تعلیم وتربیت میں حصہ ڈالا ہے ان سب کے لئے مغفرت کی دعاء کر دے۔

اے میرے اللہ!میں عجز وقصور کا مجموعہ ہوں،آپ کی خدمت میں آپ کی رحمت اور فضل کی بھیک مانگتے ہوئے آپ کے حبیب ﷺ کی سیرت طیبہ پر اپنی ٹوٹی پھوٹی محنت پیش کر رہا ہوں،میرے مولیٰ!مجھے خالی ہاتھ واپس نہ فرما،اس کاوش کو قبول فرما،اس کے ذریعے اپنی مخلوق اور اپنے حبیب کی امت کو فائدہ پہنچا دے،میرے مولیٰ!اس کے بدلے مجھے اپنی رضا اور اپنے حبیب ﷺ کی شفاعت ورفاقت نصیب فرما،آمین۔

والسلام

الطاف الرحمٰن عباسی

جامعہ قرطبہ کلفٹن بلاک ۱ کراچی

۲۸/۶/۱۴۳۴ھ

مقدمه

- تکمیل انسانیت کا ذریعہ صرف سیرتِ انبیاء علیہم السلام
- معیاری نمونۂ حیات کی شرائط
- سیرتِ طیبہ کے اہداف
- سیرت طیبہ اور دو مکتب فکر
- مصادرِ سیرت
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقوق

[درس نمبر: ۱]

تکمیل انسانیت

اس گوناگوں اور رنگارنگ دنیا میں مختلف مخلوقات اپنی مختلف صفات اور خواص کے ساتھ آباد ہیں، ان مخلوقات میں غور و فکر کرنے سے ایک قانونِ قدرت واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ ان مخلوقات میں طبعی طور پر جیسے جیسے ترقی آتی چلی گئی ہے، اسی حساب سے ان کی ذمہ داری بھی بڑھتی چلی گئی ہے۔

چنانچہ جمادات ہر قسم کے احساس وحرکت سے خالی ہیں، جبکہ نباتات ان سے بڑھ کر ہیں ان میں حرکت کی صفت رکھی گئی ہے، حیوانات میں حرکت کے ساتھ ساتھ احساس اور شعور کی صفت بھی ڈالی گئی اور انسان، جو ان سب میں برتر ہے، اس کو حرکت اور شعور کے ساتھ "سمجھ اور علم" کے جوہر سے بھی نوازا گیا۔

اب قانونِ قدرت کو دیکھئے کہ جمادات ہر قسم کی ذمہ داریوں سے فارغ ہیں، نباتات میں ایک گونہ زندگی کی بنا پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں، پھر حیوانات میں نباتات کی نسبت ذمہ داریاں کچھ بڑھ جاتی ہیں اور انسان کی زندگی تو فرائض اور ذمہ داریوں کی ایک کتاب ہے، پھر انسان کے مختلف افراد پر نظر ڈالئے تو وہی افراد ذمہ دار ہیں جو "علم وعقل" کی دولت سے مالامال ہیں اور جو اس سے عاری اور محروم ہیں وہ فرائض کی پابندیوں سے بھی آزاد ہیں۔ "علم وعقل" کی بنیاد پر ڈالی جانے والی اس ذمہ داری کا نام "تکلیف" اور "امانت" ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱)

"اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف (ذمہ دار) نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے مطابق"

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾(۲)

"ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر (ذمہ داری کی) امانت کو پیش کیا لیکن انہوں نے (صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے) اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اٹھالیا، بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے"

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ ذمہ دار یہ "انسان" اپنی طبیعت اور فطرت میں دو ایسی قوتیں اور صلاحتیں رکھتا ہے جن میں درستگی اور اعتدال کے ذریعے یہ اپنی ذمہ داری میں کامیاب ہو سکتا ہے وہ "علم اور عدل" ہیں، ان میں سے پہلی قوت علمی اور دوسری عملی ہے، ان کے مقابلے میں دو ایسی باتیں ہیں جو اس ذمہ داری میں ناکامی کا سبب بنتی ہیں وہ "ظلم" اور "جہل" ہیں، پہلی دونوں قوتوں کو قرآنِ کریم میں "ایمان" اور "عمل صالح" کہا گیا ہے:

(۱) البقرۃ: ۲۸۶ (۲) الاحزاب: ۷۲

{وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ} (۱)

"زمانے کی قسم! تمام انسان خسارے میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان اور عمل صالح کی قوتوں سے مالا مال ہوئے اور دوسروں کو بھی اسی حق اور اس پر صبر کی وصیت کی"

زمانے کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کے حامل افراد ہر دور میں کامیاب رہے ہیں، جبکہ ایمان اور عمل صالح سے محروم افراد ہمیشہ گھاٹے اور خسارے میں رہے ہیں۔

جب ہم تاریخ کے صفحات پر اقوام کی کامیابی اور ناکامی کی داستان دیکھتے ہیں، دنیا کے اسٹیج پر ہزاروں نمونے نظر آتے ہیں، ایک طرف شاہانِ عالم کے شان و شوکت سے بھرے دربار ہیں، تو دوسری طرف جنگی سپہ سالاروں کے جنگی دستے ہیں، ایک طرف حکماء اور فلاسفہ کی دقیق مباحث کی مجلس بندی ہے، تو دوسری طرف فاتحین عالم کی پُر جلال صف بندی ہے، ایک طرف شُعراء کی رنگین بزمیں ہیں، تو دوسری طرف دولتمندوں کے نرم بچھونے اور تجوریاں ہیں، ان میں ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، لیکن ان مختلف اصناف میں ایک بھی نوعِ انسانی کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی ضامن، کفیل اور اس کے لیے قابلِ تقلید نمونہ نہیں۔

تاریخِ انسانی کے اس جائزہ اور پھر اس سے پیدا ہونے والی مایوسی سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ پھر انسان زندگی کی شاہراہ پر کامیابی کا سفر کس طرح کرے اور ناکامی کی پُر خطر گھاٹیوں سے کس طرح بچے؟ یہی وہ بنیادی سوال ہے، جس کا جواب ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔

ان مذکورہ طبقات میں سے ایک بھی شخص اپنے خاص دائرے اور ماحول سے باہر کوئی قابلِ تقلید زندگی نہیں رکھتا، زندگی کے اس خاص منظر کے سوا ان لوگوں کی زندگی کے دوسرے حصے شاید نقل کرنے کے قابل بھی نہ ہوں بلکہ نفرت کا باعث ہوں۔ دنیا کے منظر پر چھا جانے والے کئی نامور لوگ چند ہی دنوں میں مٹی کے ڈھیر تلے دفن ہو گئے اور ان کے رعب و دبدبے کی یادیں افسانہ بن کر عبرت و حسرت کا نمونہ بن گئیں، سعادت و فلاح کی راہ دکھانے والے، دنیا میں نیکی کی روشنی اور اچھائی کا نور پھیلانے والے صرف وہی بزرگ ہیں جنہیں دنیا "انبیائے کرام" کے نام سے جانتی ہے، اس وقت دنیا میں جہاں بھی یہ اجالا ہے، اس کے پیچھے اسی مقدس جماعت کی محنت کارفرما ہے۔

مگر انبیائے کرام علیہم السلام اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد والوں کے لیے بھی چلنے کا راستہ بنا کر چھوڑ گئے، جن کی تعلیم اور عمل کے سرچشمے سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب اور جاہل و عالم سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔

---

(۱) العصر ا۔۳

اگر دنیا ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتی تو کبھی اپنی تکمیل تک نہ پہنچ سکتی۔ اس لیے انسانوں پر ان مقدس ہستیوں کے بہت سے احسانات ہیں اور ہر ایک پر ان کی شکر گزاری کا اظہار واجب ہے۔ اسی شکر گزاری کا نام شریعت کی زبان میں "صلوٰۃ و سلام" ہے جبکہ تحریری و روایتی عکسوں اور تصویروں کا نام "تاریخ اور سیرت" ہے۔

اسی مقدس جماعت کی آخری کڑی خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جن کی زندگی عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے۔ ان کی زندگی سے ہر ایک، ہر وقت اور ہر جگہ اپنی سعادت و فلاح کی راہ معلوم کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کامل اور معیاری نمونہ حیات ہے۔

درس نمبر: ۲

معیاری نمونہ حیات

"معیاری نمونہ حیات" وہ ہوتا ہے جس میں مندرجہ ذیل چار صفات پائی جائیں:

۱۔ تاریخیت ۲۔ کاملیت ۳۔ جامعیت ۴۔ عملیت

تاریخیت: جو سوانح اور حالات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں۔

کاملیت: صحیفۂ زندگی کے تمام گوشے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں، کوئی واقعہ پردۂ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔

جامعیت: مختلف طبقات بلکہ ایک انسان کو اپنی زندگی کے مختلف حصوں اور تعلقات میں جن مثالوں اور نمونوں کی ضرورت ہے وہ سب اس کی زندگی میں دستیاب ہوں۔ (۱)

عملیت: وہ شخصیت جن تعلیمات کو پیش کر رہی ہو خود اس کے عمل نے ان کو قابل عمل ثابت کیا ہو، محض خوش کن نظریے اور فلسفے نہ ہوں۔ (۲)

ان صفات کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت کو کا جائزہ لیتے ہیں۔

تاریخیت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت نہایت مستند اور معتمد واسطوں سے ہم تک پہنچی ہے اور اسے بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، سنت اور احادیث کو تین ادوار میں محفوظ کیا گیا:

۱...... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر تابعین کا دور:

وہ دور جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور شخصی معلومات جمع ہوئیں، ہر آدمی اپنے طور پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے

(۱) خطبات مدراس: ۴۲ (۲) خطبات مدراس: ۴۶

متعلق معلومات جمع کرتا رہا۔

۲..... تبع تابعین کا دور:

جس میں شہری اور علاقائی معلومات کو جمع کیا گیا۔

۳..... ائمہ محدثین کا دور:

جس میں پورے عالم اسلام میں جہاں جہاں آپ ﷺ کی احادیث موجود تھیں ان کو جمع کیا گیا۔

گویا امت کی ہر نسل اور ہر طبقے نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو محفوظ کرنے اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کیا، اس جیسا اہتمام تاریخ میں کسی شخصیت کے بارے میں نہیں ملتا۔

خیر القرون میں اہتمام:

جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، پھر وہ جو اُن سے ملے ہوئے ہیں یعنی تابعین کا زمانہ، پھر وہ جو اُن سے ملے ہوئے ہیں یعنی تبع تابعین کا زمانہ"(۱)

اس لیے جب ہم دین کی حقیقت پر بات کریں گے اور کسی چیز کے بارے میں یہ جاننا چاہیں گے کہ آیا یہ عمل دین میں ہے یا نہیں؟ تو ان تین ادوار کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا، کیونکہ یہ وہ زمانے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور آپ کے صحبت یافتہ لوگ موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی ان کے سامنے تھی۔

دورِ صحابہ:

ہجرت نبوی کے بعد ایک سو دس سال تک حضرات صحابہ کرام کا دور رہا، جس میں چالیس سال تک تو اکابر صحابہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم موجود تھے، پھر بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم ۷۰ سال تک موجود تھے، اور دوسری صدی کے پہلے عشرے کے اختتام تک سب کا انتقال ہوگیا۔

دورِ تابعین:

تابعی وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بحالت اسلام ملاقات ہوئی ہے، مگر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی، بعض ان میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے لیکن کسی وجہ سے ملاقات نہیں کر سکے اور بعض رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے، تابعین، صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، ان کا دور ۱۵۰ہجری تک رہا۔

دورِ تبع تابعین:

یہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کی تابعین سے بحالت اسلام ملاقات ہوئی ہے، مگر صحابہ سے ملاقات نہیں ہوئی، یہ تابعین

(۱) بخاری باب فضائل اصحاب النبی ﷺ

کے شاگرد ہیں، جن کا زمانہ ۲۲۰ھ ہجری تک رہا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ۲۱۰ سال تک یہ لوگ تھے کیونکہ دس سال رسول اللہ ﷺ خود ہجرت کے بعد زندہ رہے۔

عہد	سن اختتام
صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۱۰ ہجری
تابعین رحمہم اللہ	۱۵۰ ہجری
تبع تابعین رحمہم اللہ	۲۲۰ ہجری

ان تمام ادوار میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے متعلق روایات کو نہایت اہتمام سے محفوظ کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں احادیث اور نبی کریم ﷺ کی زندگی کو تین طریقوں سے محفوظ کیا گیا:

۱...... بذریعہ حافظہ:

چونکہ عربوں کا قوت حافظہ بہت مضبوط ہوتا تھا اور انہیں ایک ہی مجلس میں سو سو اشعار یاد ہو جاتے تھے اس لئے حضرات صحابہ نے آپ ﷺ کی زندگی کو بحسن وخوبی یاد رکھا اور آنے والوں تک پہنچایا۔

۲...... بذریعہ کتابت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زبانی یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی باتیں لکھتے بھی تھے، مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جب خطبے سے فارغ ہوئے تو ایک صحابی جنکا نام ابوشاہ رضی اللہ عنہ تھا، نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیجئے! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اُکْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٍ" کہ ابوشاہ کو لکھ کر دیدو! (۱)

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کے بارے میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صحابہ میں ان کے علاوہ مجھ سے زیادہ احادیث کو محفوظ کرنے والا کوئی نہ تھا، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتیں لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ایک رسالہ تھا جس کا نام "صَحِیْفَه صَادِقَه" تھا (۲)

۳...... بذریعہ عمل:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ذوق اتباع اور خود کو آپ ﷺ کے رنگ میں رنگنے کے بے پناہ جذبے نے آپ ﷺ کے واقعات، حالات اور ارشادات وفرمودات کو محفوظ کرنے پر حریص بنا دیا تھا، بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ:

"صحابہ کرام احادیث کے زندہ نسخے تھے" پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابہ کرام کی عملی زندگی تھی۔ (۳)

جب رسول اللہ ﷺ کچھ کر رہے ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً اس کو عمل میں لے آتے حتیٰ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی

(۱) صحیح بخاری کتاب الدیات (۲) بخاری کتاب العلم (۳) تدوین الحدیث: ۴۲

اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کرتے تو جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا ہوتا۔ آپ وہاں قیام فرماتے، ایک جگہ قضائے حاجت کے لیے بیٹھ گئے (باوجودیکہ آپ رضی اللہ عنہ کو قضائے حاجت کی ضرورت نہ تھی) اور فرمایا: اس بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ یہاں قضائے حاجت کے لیے بیٹھے تھے تو میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں یہاں بیٹھ گیا۔
خلاصہ یہ کہ ہر صحابی رسول ﷺ کی زندگی کا چلتا پھرتا نسخہ اور زندہ جاوید کتاب تھی۔

درس نمبر:۳

کاملیت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا کوئی بھی پہلو امت سے چھپا ہوا نہیں بلکہ آپ ﷺ کی مکمل زندگی اس امت کے پاس محفوظ ہے، خواہ وہ آپ کی ذاتی زندگی ہو، ازدواجی تعلقات ہوں، عام معاملات ہوں، آپ کی مجالس ہوں یا عبادات و اخلاق ہوں، سب مکمل طور پر محفوظ ہیں اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی ہر بات اور ہر عمل کو نقل کرنے کی اجازت تھی، کسی بات یا عمل کے اظہار پر پابندی نہیں تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ قابل عمل و لائق اتباع ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو اپنے عقیدت مندوں کے ہاں تو بڑا مقام رکھتے ہیں لیکن اگر ان کی ذاتی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو شاید ان سے نفرت پیدا ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھتے تھے اور اس کاپی کا نام "صَحِيفَه صَادِقَه" رکھا تھا، دوسرے صحابہ نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کبھی غصے میں بھی ہوتے ہیں (جس حالت میں کہی گئی بات بعض اوقات لکھنے کے قابل نہیں ہوتی) یہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے ان لوگوں کی بات نقل کی، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں! تم میری ہر بات لکھا کرو! کیونکہ اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (۱)

ایک یہودی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا اور کہا (کہ تمہارا دین کیسا ہے کہ) تمہیں تمہارا پیغمبر استنجاء کا طریقہ بھی سکھاتا ہے؟ تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "کیوں نہیں! وہ ہمیں قضائے حاجت کا طریقہ اسی طرح (اہتمام سے) سکھاتے ہیں، جیسے قرآن کی کوئی (نئی نازل ہونے والی) سورت سکھاتے ہیں" (۲)

گویا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو قابل تنقید ہونے کی بجائے قابل تحسین گردانا کہ یہی تو کمال ہے، کیونکہ دین صرف چند باتوں اور گنے چنے اعمال کا نام نہیں بلکہ یہ تو ہماری زندگی کے ہر ہر لمحہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، اپنی سوچ سے کوئی طریقہ نکالنے کی بجائے یہ بہتر نہیں کہ دین کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کیا جائے۔

(۱) ابن سعد ۲/ ۳۷۳ سنن دارمی ۱/ ۱۰۵ (۲) سنن ابوداود کتاب الطہارۃ

اپنوں کے درمیان:

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اللہ ﷺ کی ہر بات محفوظ کرتی تھیں، پھر ایک مستقل ایسی جماعت تھی جس نے مسجد نبوی میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر رہتے تھے، ان کو "اَصْحَابِ صُفَّہ" کہا جاتا ہے اسی طرح مدینہ منورہ کی عام آبادی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

مخالفین کے درمیان:

بعثت سے قبل رسول اللہ ﷺ کفار کے درمیان چالیس سال رہے اور پھر نبوت ملنے کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رہے، کفارِ مکہ شدید مخالفت اور دشمنی کے باوجود اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ آپ نہایت سچے اور امانتدار ہیں، آپ کے عیوب کے درپے ہونے کے باوجود ان کو کوئی بات ایسی نہ ملی جس کو بنیاد بنا کر وہ رسول اللہ ﷺ کی کردارکشی کرتے۔

جامعیت

کاملیت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہر اعتبار سے جامع بھی ہے اور اس میں ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے تعلیمات وہدایات بھی موجود ہیں، ایسا نہیں کہ آپ کی زندگی کسی خاص طبقے تک محدود ہو اور صرف اسی طبقے کے لئے اس میں رہنمائی ہو بلکہ اس میں تمام طبقاتِ زندگی مرد وعورت، والدین واولاد، حکمران ورعایا، استاد وشاگرد وغیرہ، سب کے لیے بدرجہ اتم تعلیمات موجود ہیں۔

پھر ایک انسان کی زندگی میں اس پر مختلف حالات آتے ہیں، خوشی، غم، صحت، مرض، ان تمام حالات میں آپ کی زندگی امت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

سیرت طیبہ رنگ ونسل، وطن اور زبان کی قیود سے آزاد ہے، رسول اللہ ﷺ کی صف میں حبشہ کا غلام بلال رضی اللہ عنہ بھی نظر آتا ہے، روم کا صہیب رضی اللہ عنہ بھی، فارس کا سلمان رضی اللہ عنہ بھی اور مکہ کے قریش بھی نظر آتے ہیں، آپ ﷺ کی جماعت مختلف رنگوں، مختلف قوموں اور مختلف علاقوں کے لوگوں پر مشتمل تھی، یہی وجہ ہے کہ آج اسلام دنیا کے چاروں اطراف میں ہر رنگ وقوم میں نظر آتا ہے۔

آپ کی خدمت میں امیر وغریب، رعایا وحکمران سب کو دعوت عام تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں بہت سی ایسی تنظیمیں ہیں جو ایک خاص طبقے کے لوگوں کو اپنے ساتھ لیتی ہیں اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور شامل ہونا چاہے تو اس کو اجازت نہیں دی جاتی، رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں ایسا نہیں، ایک طرف حضرت بلال اور عمار وخباب رضی اللہ عنہم جیسے کس مپرس افراد کو اسلام کی طرف دعوت دی جارہی ہے تو دوسری جانب روم وفارس کے بادشاہوں کو خطوط لکھے جارہے ہیں۔

درسگاہِ محمدی کے فضلاء:

رسول اللہ ﷺ کے فضلاء اور تربیت یافتہ لوگوں میں حکمران اور جہاں بان بھی نظر آتے ہیں، سپہ سالار اور فاتحین بھی، فقہاء و فقیہان، دعاۃ و مصلحین، سفارتکار و سیاستدان بھی موجود ہیں، گویا رسول اللہ ﷺ کی تربیت اتنی کامل ہے کہ جو آتا ہے وہ تربیت حاصل کر کے کامل بن جاتا ہے۔ ایسی جماعت آپ ﷺ نے تیار کی جو انسانیت کے لئے ہر طبقے میں رہبر و رہنما بن گئے۔

آپ کی سیرت کا ایک خاص رنگ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے چند خاص بندوں کو منتخب نہیں کیا بلکہ ہر بار ایک نیا نام سامنے آتا ہے، اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے خاص کام ایسے ہوتے ہیں جو چند مخصوص افراد ہی کر رہے ہوتے ہیں اور جب بھی اس خاص کام کو کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہی پرانے لوگ سامنے آتے ہیں، آپ ﷺ کی زندگی میں ایسا نہیں ہے، بلکہ کبھی ایک سے کام لیا جا رہا ہے تو کبھی دوسرے سے۔

عملیت

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات جہاں کامل اور جامع ہیں وہیں ان پر عمل کرنا بھی آسان ہے، ایسا نہیں کہ تقریر تو بہت اچھی مگر عمل کرنا مشکل، رسول اللہ ﷺ جو بات کر رہے ہوتے تو خود اس پر عمل کرنے میں بھی سب سے آگے ہیں، رسول اللہ ﷺ اگر لوگوں کو نماز کی پابندی کا حکم کرتے ہیں اور اس کی اقامت کی ترغیب دیتے ہیں تو خود اقامت صلوۃ میں سب سے پیش پیش ہیں، لوگ پانچ فرض پڑھ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کی پابندی فرماتے ہیں، عام لوگوں سے تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی لیکن آپ ﷺ اس کیفیت سے تہجد کی نماز پڑھتے تھے کہ اس کے حسن اور طول کے بارے میں پوچھیے مت! حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک میں طول قیام کی وجہ سے ورم آجاتا۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو روزہ کا حکم فرمایا تو مسلمانوں پر صرف رمضان کے روزے فرض ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ ہر مہینے اور ہر ہفتے روزہ رکھتے تھے، کوئی مہینہ بلکہ کوئی ہفتہ روزے سے خالی نہ ہوتا تھا، مسلمانوں کو صوم وصال سے منع فرمایا اور خود صوم وصال رکھتے تھے۔

اگر مسلمانوں کو خرچ کا حکم کیا تو وہ ایک خاص مقدار میں، باقی مال اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی، جبکہ خود سب کچھ خرچ کر دیا کرتے، نہ آپ ﷺ نے خود اور نہ ہی آپ ﷺ کے گھر والوں نے دنیا کی عیش وعشرت کا سامان جمع کرنے کا ماحول بنایا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ ہم میں سب سے زیادہ سخی تھے، کسی مقروض شخص کا انتقال ہو جاتا تو اس کا قرض اپنے ذمے لے لیتے" (۱)

(۱) خطبات مدراس، خطبہ نمبر ۲، مجلس نشریات اسلام کراچی

درس نمبر:۴

سیرتِ طیبہ کے اہداف

۱..... اسلام دین کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر پیش کرتا ہے اور قرآن سے اس کو علمی طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں اس کو عملی طور پر سمجھ لینا چاہیے! گویا سیرتِ طیبہ سے واقفیت "علمیت" سے "عملیت" کی جانب ایک سفر ہے۔ بالفاظ دیگر سیرتِ طیبہ زندگی کے مختلف گوشوں کو "مجسم انداز" میں پیش کرنے کا نام ہے۔

۲..... فہمِ قرآن کے لیے فہمِ سیرت کلیدی اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بہت سے واقعات اور اسبابِ نزول کا تعلق سیرتِ طیبہ سے ہے اور تفسیرِ قرآن کا ایک بنیادی ماخذ سیرت اور سنت ہے۔(۱)

۳..... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے واقفیت جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دین کی نشر و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ ہر قسم کی قربانیاں پیش کیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو سچا ثابت کر دکھایا۔

۴..... اِقْرَأْ سے شروع ہو کر تمام جزیرۃ العرب پر اس دینِ حق کے غالب ہونے کی تاریخ و روئیداد "سیرتِ طیبہ" کے مطالعہ سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔(۲)

سیرتِ طیبہ اور دو مکتبِ فکر

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اگر ایک طرف مسلمان عقیدت اور عمل کے جذبے سے پڑھتے ہیں تو دوسری طرف یہود و نصاریٰ تنقید کی نیت سے ریسرچ اور تحقیق کے نام پر پڑھتے ہیں۔ پہلی فکر صحیح اور اسلامی نظریہ ہے جبکہ دوسری فکر جدید اور استشراقی فکر ہے۔ ان دونوں فکروں میں کیا فرق ہے؟ اور ان کے نتائج کس طرح جدا جدا ہیں؟

ذیل میں اس کا ایک تجزیہ پیش ہے:

۱.....اسلامی مکتبِ فکر:

اس مکتبِ فکر کی دو بنیادی خصوصیتیں ہیں: ایک تو یہ ہے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں لیتے ہیں اور اس سے عبرت و نصیحت کا پہلو حاصل کرتے ہیں۔ دوسری بات جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رسول اور نبی کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور آپ کے معجزات کو پورے اعتماد کے ساتھ بغیر کسی تاویل کے مان لیا جائے۔

(۱) فقرا نیہ واز شیخ سعید رمضان البوطی۔ المقدمات (۲) فقرا نیہ واز شیخ منیر محمد غضبان۔ المقدمہ

۲..... استشراقی مکتبِ فکر:

اس فکر کے حامِلین اپنے انداز کو علمی اور سائنٹفک کہتے ہیں، اس میں نقلِ صحیح کے بجائے عقل کو تحقیق کا مدار بنایا گیا ہے لہٰذا جس واقعے کو عقل تسلیم کرے اسے مان لیا جائے ورنہ انکار کر دیا جائے۔ اگر چہ اس کیلئے قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ میں بے جا تاویل یا بالکل انکار ہی کرنا پڑے۔ جبکہ اس فکر کی دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایک نبی و رسول کی بجائے ایک عبقری شخصیت اور کامیاب لیڈر و قائد کے طور پر پیش کرتے ہیں اور معجزات یعنی دلائل نبوت کا انکار کرتے ہیں (۱)

درس نمبر: ۵

مصادرِ سیرت

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی حیثیت محض ایک تاریخی شخصیت کی نہیں، جس کی زندگی کو بیان کرنے اور اس کے مختلف گوشوں کو جمع کرنے کے لئے صرف تاریخی روایات اور تاریخ نگاروں کے اٹکل اور اندازوں کو من وعن قبول کرلیا جائے بلکہ آپ کی حیثیت تو پوری انسانیت کے لئے ایک کامل معیار اور نمونے کی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر سیرت کو مستند شواہد اور ٹھوس حوالوں سے لینا ضروری ہے وہ حوالے مصادر کہلاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱..... قرآن کریم:

قرآنِ کریم کی مکی و مدنی سورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مختلف گوشوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۲..... احادیث صحیحہ:

احادیث طیبہ کا تو موضوع ہی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے، زندگی کے مختلف مواقع میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور آپ کی زندگی کے واقعات احادیث میں مذکور ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ اکثر کتابوں میں سیرت کا مستقل عنوان بھی باندھا گیا ہے۔

۳..... سیر وتراجم:

احادیث کے ناقلین اور دیگر اہم شخصیات کے حالات وواقعات پر لکھی گئی کتابوں میں بھی جا بجا رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حالات ذکر کئے گئے ہیں۔

۴..... شمائل، معجزات اور خصائص:

جن کتب میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، آپ کے شمائل، معجزات اور خصائص پر کام ہوا ہے ان میں بھی آپ کی زندگی کے حالات آگئے ہیں۔

(۱) فقہ السیرۃ از شیخ سعید رمضان البوطی، المقدمات

۵......تاریخ:

اسلامی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں سیرتِ طیبہ مستقل حصے کے طور پر مذکور ہے، بلکہ مسلمانوں کی تاریخ کا تو آغاز ہی سیرتِ طیبہ سے ہوا ہے۔ (۱)

درس نمبر:۶

رسول اللہ ﷺ کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کے احسانات اور حقوق اس امت پر تو بہت زیادہ ہیں لیکن ضبط اور عمل کی آسانی کے لئے ان حقوق کو چھ عنوانات میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ایمان وتصدیق ۲۔محبت وعقیدت ۳۔ ادب وعظمت ۴۔اطاعت واتباع

۵۔صلوٰۃ وسلام ۶۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام

ایمان وتصدیق

آپ ﷺ پر ایمان کے تین حصے ہیں:

۱......عقیدۂ رسالت:

آپ کی رسالت پر یقین رکھنا کہ آپ نے جو بات بھی کی اللہ کی طرف سے کی:

{وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ} (۲)

"وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے ہر بات اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔"

کلمہ توحید کے دو جزء ہیں: اول میں توحید کا بیان ہے اور ثانی میں رسالت کی تصدیق ہے۔

۲......عقیدۂ ختم نبوت:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کا جو سلسلہ آدم علیہ السلام سے چلایا وہ نبی کریم ﷺ پر ختم ہوگیا، اب آپ ﷺ کے بعد کسی بھی طرح کا کوئی نبی نہیں آئے گا، خواہ اس کو کسی بھی نام سے یاد کیا جائے، جیسے: ظلی، بروزی، غیر تشریعی وغیرہ۔

قرآن میں ہے:

{مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} (۳)

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

(۱) فقہ السیرۃ از شیخ منیر محمد غضبان، ص: ۱۷تا۱۹ (۲) النجم: ۳۔۴ (۳) احزاب: ۴۰

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"میں آخری پیغمبر ہوں! میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" (۱)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور انتقال کے بعد بھی کچھ لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے۔ جیسے مسیلمہ کذاب اسود عنسی طلیحہ اسدی اور سجاح تغلبیہ نامی عورت۔ ان میں پہلے دو کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، جبکہ آخری دو اپنے جھوٹ اور دجل سے توبہ تائب ہو کر پھر سے مسلمان ہوئے اور آخر تک اسلام سے ان کا تعلق استوار رہا اور اسلام ہی کی حالت پر ان کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد مختار بن عبید ثقفی دورِ تابعین میں کھڑا ہوا لیکن اس کا حشر بھی پہلوں جیسا ہوا یعنی قتل کر دیا گیا۔ درمیان کے عرصوں میں بھی مختلف لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے لیکن امت کا اجماعی اور اتفاقی موقف "کذاب کیلئے توبہ یا قتل" بغیر کسی لچک کے اپنی جگہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان پر برطانوی استعمار نے اپنے پنجے گاڑھنے کے بعد اپنے تسلط کو جمانے اور لوگوں کو مستقل اپنا غلام بنائے رکھنے کیلئے پنجاب میں گورداس پور کے علاقے قادیان میں "مرزا غلام احمد" نامی ایک شخص کو کھڑا کیا۔ اس نے پہلے اپنے آپ کو مہدی کہا، پھر مسیح بنا اور آخر میں نبوت کا دعویٰ کر لیا اور کچھ لوگوں نے اس کو نبی تسلیم بھی کر لیا۔ ان تمام مراحل میں اس کو برطانوی استعمار کی سرپرستی حاصل رہی۔ امت مسلمہ نے حسبِ سابق اس خطرناک تاریخی فتنہ کا مقابلہ کیا۔ قربانیوں کی داستانیں رقم ہوئیں، حتیٰ کہ یہ قربانیاں رنگ لائیں اور پاکستان کی تاریخ کا خوبصورت ترین دن ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں اس موذی اور خطرناک فرقے اور فتنے کو قانون میں کافر لکھ دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان کے ساتھ ختمِ نبوت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ جیسے عیسائیوں کا ایمان باللہ عقیدۂ توحید کے بغیر معتبر نہیں، اسی طرح مرزائیوں کا ایمان اور کلمہ کا اقرار عقیدۂ ختمِ نبوت کے بغیر معتبر نہیں۔

۳۔ عقیدۂ عصمتِ انبیاء:

یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم ہیں ان سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا، ورنہ وہ لوگوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے۔ اسی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام پر تنقید کی کسی کو اجازت نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلَوْلَآ أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ (۲)

"اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کفار کے مطالبات کی طرف کچھ تھوڑے سے مائل ہو جاتے۔"

(لیکن چونکہ اللہ نے ثابت قدم رکھا اس لیے تھوڑے سے بھی مائل نہ ہوئے اور یہی ثابت رکھنا "عصمتِ انبیاء" ہے)۔

یہ آیت عقیدۂ عصمتِ انبیاء میں بالکل صریح ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

(۱) ابوداؤد، باب ذکر الفتن ودلائلہا، ترمذی، باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتیٰ یخرج کذابون (۲) بنی اسرائیل: ۷۴

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّأٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ (۱)

"اس خاتون نے گناہ کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام بھی گناہ کا ارادہ کر لیتے۔ اگر اللہ کی دلیل نہ دیکھتے۔"

یعنی اللہ کی دلیل اور برہان وہی "عصمت انبیاء" ہے۔ اس لیے گناہ تو درکنار، گناہ کا ارادہ بھی نہیں کیا۔

"درس نمبر: ۷"

محبت وعقیدت

محبت اور عقیدت کے حوالے سے کچھ ضروری اور اہم باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

۱...... محبت کے معنی:

پہلی بات یہ کہ محبت کہتے کسے ہیں؟ محبت دل کے میلان کا نام ہے، آپ کا دل کسی طرف مائل ہو جائے یا راغب ہو جائے اور آپ کے دل میں اس کے لیے جگہ بن جائے تو اس کو "محبت" کہتے ہیں۔ تو معنی یہ ہوا کہ ہمارے دل آپ ﷺ کی طرف مائل ہو جائیں اور ہمارے دلوں میں آپ ﷺ کے لیے جگہ بن جائے تو کہا جائے گا کہ ہمیں آپ ﷺ سے محبت ہے۔

محبت چونکہ دل کی عقیدت کا نام ہے، تو اس کے لیے ظاہر میں کچھ نشانیاں ہوتی ہیں، جیسے اگر ہمیں کسی سے محبت وعقیدت ہے تو جب وہ آئے گا تو ہم اٹھ کر مصافحہ کریں گے اور ادب کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

۲...... محبت کی نشانی:

آپ ﷺ سے محبت کی کیا نشانیاں ہیں؟ تو وہ یہ کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے، آپ ﷺ کی سنتوں سے ہمیں محبت ہو جائے اور ہر کام کرتے وقت ہم یہ سوچیں کہ یہ کام ہمارے محبوب ﷺ نے کیا ہے یا نہیں؟ اور ہم اپنی زندگی کو انکی زندگی سے ملائیں اور موازنہ کریں، اگر ایسا ہے تو محبت واقعی ہے ورنہ زبانی باتیں ہیں اور دل کی محبت کمزور ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ   إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيعٌ

"اگر تو محبت میں سچا ہوتا تو تابعدار رہتا، اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا مطیع اور فرمانبردار رہتا ہے"

۳...... سلف اور محبت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں آپ ﷺ کی محبت سب سے زیادہ تھی کہ ادھر آپ نے اشارہ فرمایا، ادھر وہ عمل کے میدان میں کود پڑے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ابتدائی زمانے میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو بیت اللہ

(۱) یوسف: ۲۴

میں موجود لوگوں نے آپ کو اتنا مارا کہ سارا چہرہ خون خون ہوگیا اور بے ہوش ہو گئے، اُٹھا کر گھر لے جائے گئے، پورا دن بے ہوش رہے، یہاں تک کہ گھر والے مایوس ہو گئے اور اس بارے میں مشورہ ہونے لگا کہ اس میں کون کون شامل تھا کہ خون کا بدلہ لیا جائے، شام کے وقت ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ محمد ﷺ کیسے ہیں؟ جب کھانا پیش کیا گیا تو کہا کہ مجھ پر کھانا حرام ہے جب تک میں آپ ﷺ کو نہ دیکھ لوں اور اسی حالت میں سہارا دے کر آپ کو لایا گیا۔

ہجرت کے موقع پر غار میں پہلے خود داخل ہوتے ہیں، صفائی کرتے ہیں اور ایک جگہ جہاں سے کسی موذی جانور کے نکلنے کا خدشہ تھا وہاں اپنی ایڑی رکھ دیتے ہیں۔ اتفاق سے وہاں سے ایک بچھو نے ڈسا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس لئے برداشت کیا کہ آپ ﷺ نے گود میں سر رکھا ہے اور سو رہے ہیں، کہیں بیدار نہ ہو جائیں، آنکھوں سے آنسو نکلا جو آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر گرا، جس سے آپ ﷺ بیدار ہوئے۔ (۱)

غزوۂ اُحد میں ایک خاتون جو بنو دینار کی تھی (اس کا شوہر، بیٹا، اور والد شہید ہو گئے تھے) مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ شہید ہو گئے تو یہ خاتون احد کی طرف دوڑ پڑی، راستے میں کچھ مسلمان ملے تو ان سے پوچھا کہ آپ ﷺ کیسے ہیں؟ کہا: "وہ تو ٹھیک ہیں مگر آپ کے شوہر شہید ہو گئے" تو اس پر اس نے کہا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" آگے گئیں تو اسے بتایا گیا کہ آپ کا والد شہید ہو گیا اور بیٹا بھی شہید ہو گیا، جب اس کی نظر آپ ﷺ پر پڑی اور آپ کو سلامت دیکھا تو کہا: "اللہ کے رسول! آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔" (۲)

اُحد کے میدان میں آپ ﷺ گھیرے میں آ گئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے لیے ڈھال بن گئے، تیر آتے اور ان کی کمر میں پیوست ہو جاتے، یوں پوری کمر چھلنی ہو گئی، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ سر اٹھایا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول! سر نیچے کر لیں کہیں تیر آپ کو نہ لگ جائے۔" پھر آپ ﷺ نیچے گر گئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو کندھے پر اٹھا لیا اور ایک اونچی جگہ پر لے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "آج طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر دی ہے۔" (۳)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کا نمائندہ عُروہ بن مسعود آیا تو اس نے دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو سب دوڑ پڑتے ہیں کہ پانی ہمیں مل جائے تو جب وہ واپس گیا تو اس نے اہل مکہ سے کہا: "میں نے روم و ایران کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو محبت آپ سے آپ کے ساتھیوں کی ہے وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی۔" (۴)

جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کا چپہ چپہ روشن ہو گیا تھا جبکہ مدینہ کی تاریخ میں غم کا وہ سب سے بڑا دن تھا، جس دن آپ ﷺ کا وصال ہوا، اس دن مدینہ کا چپہ چپہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور رو رہا تھا۔" (۵)

(۱) شرح العلامہ زرقانی فی باب ہجرۃ المصطفیٰ و اصحابہ الی المدینہ ص: ۱۲۱ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت (۲) دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۳۰۲ (۳) سیرت ابن ہشام ۳/ ۴۲
(۴) سیرت ابن ہشام ۳/ ۱۳۱۵ (۵) ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ﷺ

ادب وعظمت

۱.....حیات طیبہ میں:

آپ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام اتنی توجہ اور ادب سے بیٹھتے تھے کہ روایات میں آتا ہے: كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرَ (۱) "گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں"۔ قرآن نے ادب سکھایا ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (۲) "پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز اونچی مت کرو!" جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابی ہیں شماس بن قیس، ان کی آواز فطرتاً اونچی تھی، تو انہوں نے مجلس نبوی میں آنا چھوڑ دیا، کئی دن گزر گئے۔ ایک دن آپ ﷺ نے دریافت کیا، شماس نظر نہیں آتا؟ کہاں ہے؟ صحابہ کرام تلاش کے لئے نکلے تو وہ گھر میں ملے، پوچھا کہ مجلس میں کیوں نہیں آتے؟ آپ ﷺ پوچھ رہے ہیں، تو شماس نے کہا: میرے اعمال برباد ہو چکے ہیں اور میں اہل نار سے ہو چکا ہوں! صحابی نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ! شماس سے کہو، تو اہل نار سے نہیں بلکہ اہلِ جنت سے ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شماس بن قیس رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان چلتے پھرتے اور ہم ان کے بارے میں یہ جان رہے ہوتے تھے کہ یہ جنتی آدمی ہے، یمامہ کی جنگ میں خوشبو لگائی اور معرکہ میں گھس گئے اور شہید ہو گئے۔ (۳)

۲.....رحلت کے بعد:

جب آپ ﷺ کے روضے پر حاضری ہو تو وہاں بھی ادب کے ساتھ سلام پڑھنا چاہیے، شور شرابا نہیں کرنا چاہیے، اسی طرح آپ ﷺ کے تعلق والی جتنی چیزیں ہیں، جیسے آپ کی سنتیں اور آپ ﷺ کی تعلیمات بتلانے والے لوگ، ان کا بھی ادب کرنا چاہیے۔

۳.....حدود محبت:

جس طرح ہر کام کے لیے کچھ حدود اور قیود ہوتی ہیں، اسی طرح محبت اور ادب کے لئے بھی آپ ﷺ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں، آپ ﷺ نے اپنی مرض الوفات میں فرمایا: "اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔" (۴)

(۱) سنن ابی داؤد باب فی الرجل یتداوی (۲) الحجرات: ۲ (۳) تفسیر ابن کثیر ۷/۳۷۲ طبع دار الحدیث القاہرہ (۴) بخاری باب مرض النبی ووفاتہ ﷺ

درس نمبر:۸

اطاعت واتباع

قرآنِ کریم میں ہے: { اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ } اگر اللہ کی محبت کا کوئی دعویٰ کرتا ہے تو رسول اللہ کی اطاعت کرے اور جو رسول اللہ کی اطاعت کرے گا اللہ کی محبت اس کو نصیب ہو جائے گی، اور جو رسول اللہ کی اطاعت کرے گا ہدایت پائے گا۔

۱.....سلف کا اتباعِ سنت:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے "اَلْقَصْدُ فِي السُّنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الْاِجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ" سنت میں میانہ روی سے چلنا یہ بہتر ہے اس کوشش سے جو بدعت میں کی جائے۔ "اُمِرْنَا بِالْاِتِّبَاعِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْاِبْتِدَاعِ" "ہمیں اتباع کا حکم ہے اپنی طرف سے بات کرنے کی اجازت نہیں۔"

۲.....سنت اور بدعت کا فرق:

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو طریقہ ثابت ہے وہ سنت ہے اور جو ان سے ثابت نہیں، اس کو دین کے نام سے ثواب سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

صلوٰۃ وسلام

آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے { اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا } علماء کرام نے لکھا ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور بعض نے ہر مجلس میں واجب کہا ہے۔ (۱) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جو ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے اس پر اللہ کی دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس گناہ معاف کیے جاتے ہیں، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ (۲)

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ...... : قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ؟ فَقَالَ: مَا شِئْتَ. قَالَ: قُلْتُ: الرُّبُعَ. قَالَ: مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قُلْتُ: النِّصْفَ. قَالَ: مَا شِئْتَ. فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قَالَ: قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ. قَالَ: مَا شِئْتَ. فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ. قُلْتُ: اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ: اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ. وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ (۳)

"حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں

(۱) روح المعانی ۲۲/ ۲۵۰ بیروت (۲) نسائی کتاب السہو باب الفضل فی الصلوۃ علی النبی ﷺ ۱۲۷۲ دارالسلام (۳) رواہ الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع باب فی الترغیب فی ذکر اللہ وذکر الموت فصل اکثار الصلوۃ علی النبی ص ۵۹۹ دارالسلام

(یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں! اب آپ بتلا دیجئے!) اپنے لیے دعاء کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود بھیجنے کے لیے مخصوص کردوں؟ آپ نے فرمایا: "جس قدر تمہارا جی چاہے!" میں نے عرض کیا "کیا چوتھائی (وقت مقرر کردوں؟)" فرمایا: "جتنا تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے" میں نے عرض کیا "تو پھر دو تہائی مقرر کردوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جتنا تمہارا جی چاہے اگر زیادہ مقرر کرو تو بہتر ہے" میں نے عرض کیا: میں اپنی دعاء کا کل وقت آپ پر درود کے لیے مقرر کردوں گا۔ تو آپ نے فرمایا "یہ تمہیں کفایت کرے گا، تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

درود کے الفاظ میں سب سے افضل درود ابراہیمی ہے اور سب سے مختصر "صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ہے

درس نمبر: ۹

صحابہ کرام کا احترام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں اللہ کا فرمان ہے:

{فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا} (۱)

"اگر لوگ ایسا ایمان لائیں جیسا صحابہ کرام ایمان لائے تو انہوں نے ہدایت پائی"

{وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ} (۲)

"جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ! جس طرح صحابہ کرام ایمان لائے"۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو معیار بنایا اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت اور طریقہ اختیار کرو!" (۳)

صحابہ کرام کی عدالت:

حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "رسول خدا ﷺ کی صحبت بڑی چیز ہے۔ اس میں صحابہ کرام کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جس کو رسولِ خدا ﷺ کی صحبت حاصل ہوگئی، بعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا (۴)

حضرت لکھنوی مزید لکھتے ہیں:

صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار سے بدگمانی رکھنا، ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت النبیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ (۵)

صحابہ کرام سب کے سب عادل ہیں، پارسا ثقہ اور معتبر ہیں اور انکی بات ہمارے لئے قابل قبول ہے ہمیں کوئی

(۱) بقرہ: ۱۳۷ (۲) بقرہ: ۱۳ (۳) سنن ابی داؤد، باب فی لزوم السنۃ (۴) خلفائے راشدین ص ۹ طبع میزان (۵) خلفائے راشدین ص ۱۴

اعتراض نہیں۔

روافض یعنی شیعہ کے نظریات صحابہ کرام کے بارے میں بہت غلط ہیں، حالانکہ قرآن کریم نے صحابہ کرام کی عدالت بیان کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (۱)

ان آیات کی روشنی میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض، نفرت اور عداوت رکھتا ہو تو وہ اس آیت کی رو سے کافر ہے۔" (۲)

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (۳)

﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ (۴)

نصوصِ قطعیہ کے مقابلے میں کمزور تاریخی واقعات کو دلیل بنانا، اہلِ باطل اور اہلِ زیغ کا طریقہ ہے۔

بہر حال! صحابہ کرام ہمارے لیے معیارِ حق ہیں اور ان کی عدالت پر یقین رکھنا یہ بھی آپ ﷺ کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔

(۱) سورۃ الفتح: ۲۹ (۲) تفسیر قرطبی سورۃ الفتح (۳) الحجرات: ۳ (۴) الحجرات: ۷

پہلا حصہ

وِلادت تا بعثت

- تمہید
- ولادت اور بچپن
- لڑکپن اور جوانی

درس نمبر: ۱۰

تمہید

عہدِ جاہلیت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کا دور عہد جاہلیت کہلاتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں وحی کی تعلیمات تقریباً مٹ گئی تھیں اور دین حق کی اصل صورت ایسی مسخ ہوگئی تھی کہ اگر کوئی اس پر عمل کرنا بھی چاہتا تو اس کی کوئی صورت نہیں تھی، عہد جاہلیت کو سیرت میں سمجھنا بہت اہم ہے کیونکہ اسی سے رسول اللہ ﷺ کی محنت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے انسانیت کی زندگیوں کا رخ کس طرح موڑا۔ ذیل میں اُسی عہد جاہلیت کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

عرب کے حالات:

جزیرۃ العرب جو خلیج فارس، بحیرۂ عرب، بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ روم سے قریب قریب گھرا ہوا ہے، یہ علاقہ پرانی دنیا کے وسط میں یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقام اتصال پر واقع ہے، اسی لئے اسے پرانے زمانے میں "دنیا کی ناف" کہتے تھے۔

جب بحیرۂ روم اور بحرِ ہند کے درمیان ساری تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی، اس وقت شام، فلسطین، حجاز اور یمن اس بڑی شاہراہ پر واقع تھے جو مغرب سے مشرق کو ملاتی تھی اور یہاں کے لوگوں کو دنیا کے تمام حصوں سے تعلقات پیدا کرنے اور ان پر اثر ڈالنے کے ایسے مواقع حاصل تھے جو دوسری قوموں کو نہ تھے، چنانچہ چھٹی صدی عیسوی میں پیغمبر اسلام ﷺ نے دنیا کو امن و بھائی چارے کی خوش خبری اسی خطہ سے سنائی۔

عرب کی سیاسی اور معاشرتی حالت:

عربوں کا سیاسی اور معاشرتی نظام قبائلی طرز کا تھا، وہ مختلف قبیلوں میں بنے ہوئے تھے اور ہر قبیلہ کا ایک سردار تھا، شمال میں بَکْر، شَیْبَان، لَخْم، تَغْلَبْ، جَذَام، بَنُوْ حَنِیفَه، طَیّ، اَسَدْ، هَوَازِن، اوس، خَزْرَج، ثَقِیف اور قُرَیْش وغیرہ آباد تھے۔ جنوب میں حِمْیَر، اَذْوَاء، اور اَقْیَال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار، جرائم پیشہ قبائل کے گروہ آباد تھے، رہزنی اور غارت گری ان کا ذریعۂ معاش تھا۔ سب سے زیادہ طاقتور یہودی تھے، جو شام اور فلسطین پر رومی مسیحیوں کے تسلط کے بعد وسطی خطہ میں بکھر آئے تھے، ملک کی زیادہ تجارت ان کے قبضے میں تھی، انہوں نے شام سے مدینہ تک قلعے تعمیر کر لئے تھے جو گوداموں کا کام بھی دیتے تھے اور چھاؤنیوں کا بھی۔

عرب قبائل آپس میں مستقل دست و گریباں رہتے۔ معمولی معمولی باتوں پر ان میں جنگ و جدال کا ایسا سلسلہ شروع

ہو جاتا جو برسوں ختم ہونے میں نہیں آتا تھا، ان خانہ جنگیوں کے باعث بہت سے قبیلے مٹ ہی گئے تھے اور جو بچے تھے ان کی بھی حالت تباہ تھی۔

عرب کی معاشی حالت:

رہزنی اور لوٹ مار کو اگر الگ کر دیا جائے تو لوگوں کا ذریعہ معاش تجارت تھی لیکن جہاں بدامنی کا یہ حال تھا وہاں تجارت کیا فروغ پا سکتی تھی؟ تجارتی قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا سخت دشوار تھا، حد یہ تھی کہ حیرہ کے عرب بادشاہ تک کا تجارتی سامان آسانی سے منڈیوں میں نہیں پہنچ پاتا تھا، اکثر طاقتور قبیلے برسوں اپنے مقدس شہروں کا رخ نہ کر پاتے تھے۔

عرب کی مذہبی حالت:

مذہب کے معاملہ میں عام رجحان بت پرستی کی طرف تھا، ارواحِ خبیثہ سے لے کر چاند سورج تک سبھی کی پوجا کی جاتی تھی اور ان کے ناموں پر انسانوں تک کی قربانی کی جاتی تھی، زراعت میں زمین کا بہترین حصہ ان کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا، خود خانہ کعبہ (دنیا کے بت کدوں میں وہ پہلا گھر خدا کا) تین سو ساٹھ دیویوں اور دیوتاؤں کا آستانہ بن گیا تھا، یوں تو عربوں میں ایک مدت سے یہودیت، مجوسیت اور مسیحیت کا چرچا تھا لیکن ان کا کوئی اچھا اثر ان کی عادات و اخلاق پر نہیں پڑ سکا تھا۔

درس نمبر: ۱۱

عالمی حالات

عرب کے باہر کی دنیا کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی، روم و فارس جو اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں تھیں، فارس کی سلطنت عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک پھیلی ہوئی تھی جبکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں پر رومیوں کا غلبہ تھا، ان دونوں سلطنتوں میں برابر جنگیں ہوا کرتی تھیں، جن سے ان کے وسائل برباد ہوتے رہتے تھے اور دنیا کا امن و چین غارت ہو چکا تھا۔

عالمی مذہبی حالات:

روحانی اور اخلاقی طور پر دنیا سچ مچ ایک ظلمت کدہ تھی، یورپ پر "قرونِ وسطیٰ" کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، (۱۸۴ھ، ۸۰۰ء سے ۹۶۸ھ ۱۵۲۱ء تک کا زمانہ "قرونِ وسطیٰ" کا زمانہ کہلاتا ہے اس زمانے کی خصوصیت وہ خانہ جنگی ہے جو پوپ اور شہنشاہ وقت کے درمیان عرصہ دراز تک جاری رہی۔ اس زمانے میں عیسائیت میں پھوٹ پڑ گئی اور کیتھولک سے آرتھوڈوکس کے نام سے الگ فرقہ معبودیت آیا اس زمانے میں صلیبی جنگیں ہوئیں جنہیں عیسائی مورخین کروسیڈ کے نام سے یاد کرتے ہیں سات کروسیڈ لڑے گئے جن میں آخر کار سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو بری طرح شکست دی)۔ (۱)

(۱) بائبل سے قرآن تک ص ۹۴

ایران پر "مزدکیت" (منسوب ہے مزدک نامی شخص کی طرف جو ایران میں اشتراکی نظام معیشت کا بانی تھا) مسلط تھی اور ہندوستان" پر اتنک" عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔

یہودیت:

یہودی صحیفۂ ربانی یعنی توریت سے محروم ہو گئے تھے نسلی تعصب اور چند بے جا رسومات کو دین سمجھتے تھے۔ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا معیار ان کے راہبوں کا فتویٰ تھا جو شرعی فتاویٰ کا کاروبار کرتے تھے۔ انبیاء کی تکذیب، سود خوری، تجارت میں بے ایمانی، عہد شکنی اور منافقت ان کے کردار کا حصہ بن گئی تھی۔

عیسائیت:

اگرچہ مسیحیت بت پرستی کا انسداد کرنے کیلئے آئی تھی مگر خود اس کا شکار ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان کے شاگردوں میں ایسے گہرے اختلافات پیدا ہوئے کہ انہوں نے مذہب کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ ڈالا۔ پولوس اور اس کے بعد اسکے شاگرد رشید پطرس (Patras) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں رومیوں کی بت پرستی اور یونان کا فلسفیانہ رنگ بھر کر توحید کی جگہ عقیدہ تثلیث کو رائج کیا۔ جگہ جگہ مذہبی کونسلیں قائم ہوئیں اور روما، قسطنطنیہ شام اور مصر کے اہلِ کلیسا ایک دوسرے پر گمراہ ہونے کے فتوے صادر کرنے لگے۔ نوبت مناظروں سے گزر کر جنگ و جدال تک پہنچی اور چھٹی صدی عیسوی کی ابتداء میں عیسائیوں میں ایسا تصادم ہوا کہ کم وبیش ایک لاکھ عیسائیوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔

مجوسیت:

اس وقت تیسرا بڑا مذہب مجوسیت (آتش پرستی) تھا جو ایرانیوں میں شروع سے رائج تھا اور ان کی طویل و عریض سلطنت قائم ہو جانے سے دور دور تک پھیل چکا تھا۔ زردشت نے روشنی اور تاریکی کی دو علیحدہ حیثیتوں پر خیر وشر کی جداگانہ حیثیتیں قیاس کر کے۔ ان کے الگ الگ خدا "یزداں اور اہرمن" تصور کر لیے تھے۔ بعثت محمدی ﷺ سے کچھ عرصہ قبل مزدک (ایران میں اشتراکی نظام معیشت کا بانی) نے زن، زر اور زمین کی مشترک ملکیت کا اعلان کیا اور عیش پرست امراء اور عوام دونوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ زر اور زمین کے معاملہ میں تو اس کی تعلیم کچھ زیادہ مقبول نہ ہوئی مگر ہوس رانی اور آوارگی کا بازار خوب گرم ہوا اور ظلم و استبداد کی بھی کوئی حد نہ رہی۔

ہندوستان کی حالت:

اُس وقت ہندوستان بھی بدترین دور سے گزر رہا تھا۔ اونچ نیچ ذات کی تقسیم اور تفریق نے انسانیت کا حلیہ

بگاڑ دیا تھا۔اونچی ذات یعنی برہمنوں نے خود کو تمام قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد سمجھا تھا۔ان کو کسی بھی حالت میں موت کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔جبکہ نیچ ذات یعنی اچھوتوں کے لیے برہمنوں کو چھو لینا بھی سزائے موت کا حکم رکھتا تھا۔برہمن کو گالی دینے والے کی زبان کاٹ دی جاتی تھی۔اونچی ذات کا مرد ہر نچی ذات کی عورت سے ہمبستر ہو سکتا تھا۔امراء کے یہاں ناچ گانے کی محفلیں آراستہ رہتی تھیں اور شاہراہوں پر آوارہ مزاج لوگوں کے ہجوم لگے رہتے تھے۔ایک عورت کے متعدد شوہر ہو سکتے تھے۔عورتوں کو مردوں کا غلام سمجھا جاتا تھا۔اور تو اور عورت جوئے میں ہاری بھی جا سکتی تھی۔مندر کے پجاری عقیدتمندوں کو لوٹتے تھے۔جمادات و نباتات کی پرستش ہوتی تھی۔خبیث روحوں پر خدائی کا عقیدہ رکھا جاتا تھا۔اور خاص طور پر وباؤں کے زمانے میں انہی سے مدد مانگی جاتی تھی۔(۱)

خلاصہ کلام:

حاصل یہ کہ دنیا بڑی تیزی سے خودکشی کے راستے پر اپنے آخری انجام کی جانب گامزن تھی۔اصلاح کا درد رکھنے والے اول تو ختم ہو گئے تھے اور جو کسی شکل میں موجود تھے انہوں نے مایوس ہو کر حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے یا بھٹکی انسانیت سے دور نکل کر غاروں میں گوشہ نشینی کی راہ اپنالی تھی لیکن اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت چلی آ رہی ہے کہ وہ رات کے بطن سے دن اور تاریکی کے بطن سے نور پیدا فرماتے ہیں چنانچہ ایسا ہی کچھ چھٹی صدی کے آخری تہائی میں ہوا جب عرب کے قبیلے قریش کی ہاشمی شاخ کے عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھرانے سے محمد عربی ﷺ کی صورت میں آفتاب رسالت طلوع ہوا۔جس نے انسانیت کی تاریک رات کو روشن دن میں بدل دیا اور بھٹکی انسانیت کو صحیح منزل کی طرف گامزن کر دیا۔انسانیت کے اس ہمدرد اور محسن پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔

درس نمبر:۱۲

جزیرۃ العرب

اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ﷺ زمین کے جس خطے میں پیدا ہوئے اور جہاں سے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پوری دنیا کو پہنچا وہ خطہ "جزیرۃ العرب" کہلاتا ہے۔یہی ارض السیرۃ بھی ہے،اس لئے سیرت کو صحیح سمجھنے کے لئے اس خطے کے جغرافیے کو سمجھنا بہت اہم ہے۔

محل وقوع:

جزیرۃ العرب براعظم ایشیا کا آخری مغربی حصہ ہے۔جس کے تین اطراف پانی اور ایک طرف صحرا ہے۔مشرق میں خلیج عرب،مغرب میں بحر احمر،جنوب میں بحیرہ عرب (محیط ہندی) اور شمال میں بادیۃ الشام ہے،چونکہ چاروں طرف پانی نہیں اس لئے حقیقتاً جزیرہ نہیں بلکہ جزیرہ نما کہلاتا ہے۔جزیرۃ العرب،مشرق میں براعظم ایشیاء،شمال میں براعظم یورپ اور مغرب

(۱) مقالات سیرت:مقالہ دوم

عرب کے مختلف قبائل کا محل وقوع

میں براعظم افریقہ سے ملتا ہے گویا یہاں سے پیغام ساری دنیا کو آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔

طبعی جغرافیہ:

جزیرۃ العرب کا رقبہ ۱۳ لاکھ مربع میل ہے، پورا جزیرہ ریگستانوں اور صحراؤں سے گھرا ہوا ہے، شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک "جبال السرات" نامی پہاڑی سلسلے نے گھیرا ہوا ہے، پہاڑوں اور دریاؤں کی طرف ساحلی علاقہ جبکہ دوسری جانب صحرائی علاقہ ہے چنانچہ جنوب میں "اَلرُّبْعُ الْخَالِیْ" شمال میں "اَلنُّفُوْدُ الْکُبْرٰی"، ان دونوں کو ملانے والی صحرائی پٹی "اَلدَّھْنَاء" ہے اور "النفوذ الکبری" کے شمال میں "بَادِیَۃِ الشَّام" ہے۔

جزیرۃ العرب کو جغرافیہ دانوں نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے: ۱۔تہامہ ۲۔حجاز ۳۔نجد ۴۔یمن ۵۔عروض

اردن اور فلسطین کے جنوب سے پہاڑی علاقے کو یمن جبکہ نجد کے جنوب میں واقع علاقے کو عروض کہتے ہیں لیکن اب جدید جغرافیے میں جزیرۃ العرب کے تین حصے بنائے جاتے ہیں:

۱.....حجاز: حجاز، تہامہ، یمن اور عمان کو شامل ہے۔

جزیرۃ العرب کی قدیم جغرافیائی تقسیم

۲......صحرائی علاقہ: الربع الخالی، الدہناء، النفوذ الکبریٰ اور بادیۃ الشام کو شامل ہے۔

۳......نجد: نجد، احساء، کویت اور بحرین کو شامل ہے۔

جزیرۃ العرب کی آبادی:

جزیرۃ العرب میں تمام تر قبائلی اور خاندانی اختلافات کے باوجود ایک ہی قوم آباد تھی یعنی عرب اور ان کے لہجوں اور علاقائی رسم و رواج اور ذہنیت کے اختلافات کے باوجود اس پورے علاقے کی زبان عربی تھی۔

عرب کی شاخیں:

عرب کی اصلاً دو شاخیں ہیں (۱)...... عَرَبِ بَائِدَہ (۲)...... عَرَبِ بَاقِیَہ

عَرَبِ بَائِدَہ: اس سے مراد عرب کی وہ نسل ہے جن کا صرف نام باقی ہے باقی اب اس نسل کی کوئی باقیات نہیں ہے مثلاً عاد، ثمود، طسم، جدیس۔

جزیرۃ العرب میں واقع عرب قوم کی مختلف شاخیں

ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش اور پھر مختلف علاقوں میں ان کی ہجرت اور اولاد

عَرَبِ بَاقِیَۃ: اس سے مراد وہ عرب ہیں جن کی نسل آج بھی موجود ہے۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں:

(۱)...... قحطانی (۲)...... عدنانی

قحطانی: یہ قحطان کی اولاد ہیں۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں جو آخر کار دو کی طرف لوٹتی ہیں: کَہْلَان، حِمْیَر

عَدْنَانِی: یہ عدنان کی اولاد ہیں۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں جو آخر کار رَبِیْعَہ اور مُضَر کی طرف لوٹتی ہیں

ان میں قحطانی عرب کی شاخ حمیر جزیرۃ العرب کے جنوب یعنی یمن میں آباد تھے جبکہ کہلان جزیرۃ العرب کے مشرق اور شمال کی جانب تھے۔ عدنانی عرب کی شاخ ربیعہ جزیرۃ العرب کے مشرق یعنی بحرین کی جانب تھے جبکہ دوسری شاخ مضر جزیرۃ العرب کے وسط اور مغرب کی جانب آباد تھے۔ عدنانی عرب کی شاخ مضر میں ایک ذیلی شاخ قریش ہے جو مکہ مکرمہ میں آباد تھے۔ اسی قریش کی ایک شاخ بنو ہاشم ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلق رکھتے ہیں۔ (۱)

اس اعتبار سے رسول ﷺ ہاشمی، قریشی، مضری اور عدنانی ہوئے۔

درس نمبر: ۱۳

خاندان نبوت

رسول اللہ ﷺ کا شجرۂ نسب تین حصوں میں بیان ہوتا ہے، پہلا حصہ رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اور تیسرا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک ان میں پہلا حصہ یقینی ہے باقی دو حصے یقینی نہیں ہیں اس لئے یہاں صرف پہلے کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شجرۂ نسب:

مُحَمَّدُ بن عَبْدُاللہ بن عَبْدُالْمُطَّلِبْ بن هَاشِمْ بن عَبْدِ مَنَافْ بن قُصَیْ بن کِلَابْ بن مُرَّہ بن کَعْبْ بن لُؤَیْ بن غَالِبْ بن فِهْرْ بن مَالِكْ بن نَضْرْ بن کِنَانَہْ بن خُزَیْمَہ بن مُدْرِکَہ بن اِلْیَاسْ بن مُضَرْ بن نَزَارْ بن مَعَدْ بن عَدْنَانْ

نبی ﷺ کا شجرۂ نسب

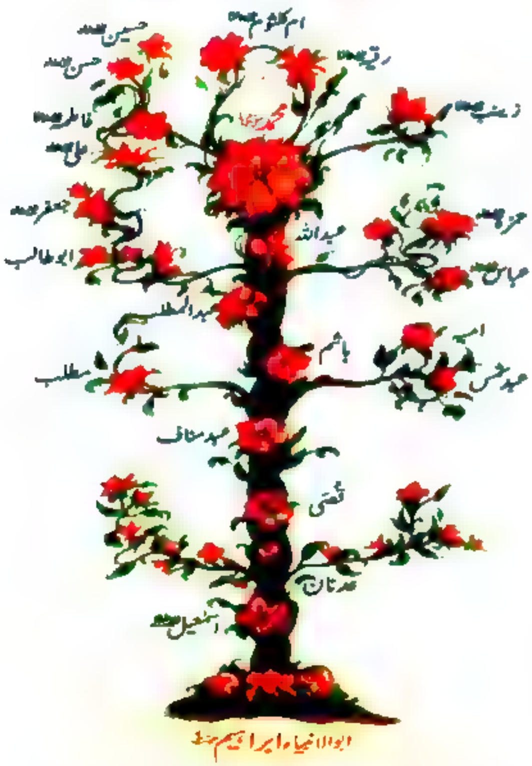

حضرت اسماعیل علیہ السلام تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب

(۱) السیرۃ النبویۃ دروس وعبر للسباعی (أصول العرب ص ۲۰ طبع دار المعرفۃ)

نسب کے بعض ناموں کا تعارف:

رسول اللہ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں تو رسول ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔ رہا یہ سوال کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عراق کے تھے ان کی اولاد مکہ میں کیسے آباد ہوئی؟ اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے حالات سمجھنا ضروری ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش عراق میں "کُوثٰی" کے مقام پر ہوئی، وہاں سے آپ "اَوْر" کے علاقے میں تبلیغ کے لئے گئے، لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ یہیں بتوں کو توڑنے کا واقعہ پیش آیا، جس کے نتیجے میں آپ کو آگ میں ڈالا گیا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نجات دی اور آگ سے محفوظ رکھا تو آپ عراق ہی کے علاقے "بابل" تشریف لے گئے اور وہاں سے شام کے علاقے "حَرَّان" سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچے اور پھر وہاں سے مصر گئے جہاں ان کے ساتھ مشہور واقعہ پیش آیا کہ مصر کے بادشاہ فرعون نے آپ کی اہلیہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی طرف کئی بار غلط ارادے سے ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن ہر بار ناکام ہوا، بادشاہ نے اس بات سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نکاح میں دیدی۔ بعض مفسرین کے نزدیک حضرت ہاجرہ بادشاہ کی بیٹی نہیں بلکہ لونڈی تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں نام "ھَاجَرْ" آتا ہے، عام استعمال میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہی مشہور ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر سے واپسی پر فلسطین میں قیام کیا، اپنی ایک بیوی سارہ کو فلسطین میں چھوڑا اور دوسری بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک نسل یعنی بنی اسرائیل فلسطین میں پھیلی اور دوسری نسل یعنی بنی اسماعیل عرب میں پھیل گئی پھر اسماعیل علیہ السلام مکہ میں جوان ہوئے، وہیں ان کی شادی ہوئی۔ انہی کی نسل میں عدنان پیدا ہوئے اور عدنان کی نسل میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ اس لئے نبی کریم علیہ السلام قریشی، عدنانی، اسماعیلی اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

عدنان کی نسل اور رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں ایک نام "قُصَیّ" کا ہے، قصی بڑا منتظم قسم کا آدمی اور عرب کا سردار تھا، اسی نے قریش کو حرم کی پاسبانی اور تولیت دلوائی تھی۔ قصی کی اولاد میں آگے چل کر "ھَاشِم" کا نام آتا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے پر دادا یعنی دادا کے والد تھے۔ ان کی شادی مدینہ منورہ میں ہوئی۔ بعد میں تجارت کی غرض سے فلسطین گئے وہاں "غَزَّۃ" کے علاقے میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ شوہر کے انتقال کے وقت ان کی بیوی "سَلْمٰی" مدینہ منورہ میں اپنے میکے کے ہاں تھیں۔ وہیں ان کا ایک بیٹا ہوا، جس کے سر کے بال سفید تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام "شَیْبَۃ" (بوڑھا) رکھا گیا، بعد میں یہ "عَبْدُ الْمُطَّلِب" کے نام سے مشہور ہوا، یہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی دادا ہیں، شیبہ کچھ عرصے مدینہ

میں اپنی والدہ کے ساتھ رہا لیکن کچھ عرصے بعد ان کے چچا یعنی ہاشم کے بھائی "مُطّلِب" کو خبر ہوئی کہ ان کے بھائی کا بچہ مدینہ منورہ میں ہے تو وہ مدینہ گیا اور شیبہ کی والدہ سے درخواست کی کہ یہ بچہ ان کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ قوم میں جا کر اپنے والد کی جگہ سنبھال لیں۔ ان کی والدہ پہلے تو نہ مانیں مگر پھر مطلب کے اصرار پر راضی ہوگئیں اور بچہ چچا کے حوالے کر دیا۔ مطلب سواری پر بھتیجے کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچے۔ راستے میں جب لوگوں نے دیکھا کہ مطلب اپنے ساتھ ایک لڑکے کو پیچھے بٹھا کر آ رہا ہے تو یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ مطلب کا غلام ہوگا اسی وجہ سے شیبہ "عبدالمطلب" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

عبدالمطلب کے کئی بیٹے تھے جن میں ایک عبداللہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے والد ہیں۔ عبدالمطلب جب زمزم کے کنوئیں کی کھدائی کر رہے تھے تو قریش کے کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ وہ چونکہ اکیلے تھے اس لئے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے دس بیٹے دیئے تو ایک کو اللہ کے راستے میں قربان کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دس بیٹے دے دیئے تو ان کو اپنی نذر یاد آئی۔ قرعہ اندازی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کا نام نکل آیا۔ عبداللہ کی بہنیں اس نذر کی راہ میں آڑے آئیں مگر والد نذر پورا کرنے پر بضد تھے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ عبداللہ کے بدلے بطور فدیہ اونٹوں کو ذبح کیا جائے۔ چنانچہ ایک پرچی پر "دس اونٹ" لکھا گیا اور دوسری پر عبداللہ کا نام مگر پرچی عبداللہ کے نام کی نکلی۔ پھر دس اونٹ کا مزید اضافہ کر کے ایک پرچی پر "بیس اونٹ" لکھا گیا اور ایک پر عبداللہ کا نام مگر پھر پرچی عبداللہ کے نام نکلی۔ غرض دس بار ایسا کیا گیا اور اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچی۔ اور اب کی بار جب قرعہ اندازی ہوئی تو سو اونٹ والی پرچی نکلی۔ اس طرح ایک انسان کی دیت سو اونٹ مقرر ہوئی۔ جو آج بھی شریعت میں قتل کی دیت ہے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کے والد ذبح ہونے سے بچ گئے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ایک لقب اِبْنُ الذَّبِیْحَیْن (دو ذبیحوں کا بیٹا) ہے کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کو بھی ذبح کے لیے لے جایا گیا تھا اور حضرت عبداللہ کو بھی ذبح کے لئے منتخب کیا گیا۔

عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی شادی بنو زہرہ کے قبیلہ کی ایک لڑکی سے کر دی جس کا نام آمنہ تھا۔ حضرت عبداللہ سے پہلے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے کئی رشتے آئے تھے مگر ان کے والد نے رد کر دیئے تھے۔ شادی کے کچھ عرصے بعد عبداللہ نے شام کا سفر کیا اور مدینہ منورہ واپس پہنچ کر وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ آج کل ان کی قبر مسجد نبوی کی توسیع کے بعد مسجدِ نبوی کے اندر شامل ہوگئی ہے۔ عبداللہ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضرت آمنہ کے بطن سے آپ ﷺ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے پہلے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ میرے پیٹ سے ایک نور نکلا۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اس خواب کی تعبیر بنی۔

وِلادت اور بچپن

- عام الفیل
- ولادت
- رضاعت
- کفالت

درس نمبر:۱۴

ولادت

عام الفیل:

عرب کی تاریخ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا جو تاریخ کا حوالہ بن گیا اور لوگ اس سے اپنی تاریخیں جوڑنے لگے۔ اس کو "واقعہ اصحاب الفیل" اور جس سال یہ وقعہ پیش آیا اس کو "عام الفیل" کہتے ہیں، اسی سال رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے جنوب میں یمن کا ملک ہے۔ اس میں "ذونواس" نامی ایک ظالم بادشاہ تھا، وہ کچھ یہودی اور کچھ مشرک تھا، ذونواس نے اہل حق کو شرک پر مجبور کیا اور جب وہ نہ مانے تو اس نے بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر اور اس میں آگ جلا کر ان سب کو اس میں زندہ جلا دیا (سورہ بروج میں اس کا ذکر ہے) ان عیسائیوں میں سے ایک آدمی بچ کر روم کی جانب بھاگ نکلا اور ان کو مدد کے لئے پکارا، روم کی حکومت نے حبشہ کی حکومت کو ان کی مدد کا حکم دیا، حبشہ کی حکومت نے اَبْرَھَہ اور اَرْیَاط کی قیادت میں ایک لشکر یمن بھیج کر ذونواس کو قتل کر ڈالا اور اس کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر دی، کچھ عرصے بعد ان دونوں کمانڈروں کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور ابرہہ نے دوسرے کمانڈر کو مار کر پورے علاقے میں اپنی حکومت قائم کر لی۔

ابرہہ یمن کا حکمران بننے کے بعد پورے جزیرۃ العرب پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا، اس کے لئے اس نے صنعاء یمن میں "قُلَّیْس" کے نام سے ایک خوبصورت کعبہ بنایا، عرب میں اس کے خلاف غم اور غصے کی لہر دوڑ گئی، ایک شخص نے قلیس میں جا کر گندگی کر دی جبکہ ایک قافلہ نے اس کے قریب آگ جلا کر اس کی تعمیر کو نقصان پہنچایا، ابرہہ عرب پر قبضے کیلئے بہانے کی تلاش میں تھا، چنانچہ اس نے ہاتھیوں کا بڑا لشکر تیار کیا، کیونکہ عرب ہاتھیوں کی جنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس سے مرعوب تھے، اس لیے جب یہ خبر پہنچی تو عرب میں خوف وہراس پھیل گیا، ابرہہ مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا مکہ مکرمہ کے قریب طائف کے پاس "مُغَمَّس" نامی مقام پر پہنچا، یہاں اس نے مکہ والوں کے کچھ اونٹ قبضہ کر لئے، جن میں عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے، عبدالمطلب ایک وفد لیکر ابرہہ کے پاس پہنچا، بات چیت ہوئی تو عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا، ابرہہ نے حیرت سے کہا کہ آپ اونٹوں کی تو بات کرتے ہیں مگر آپ کو خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں! عبدالمطلب نے کہا کہ اونٹوں کا ذمہ دار میں ہوں اس لیے ان کی بات کرتا ہوں اور خانہ کعبہ کا ایک رب ہے، وہ اس کی حفاظت خود کر لے گا، ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوا، عرفات سے ہوتے ہوئے مزدلفہ پہنچا اور مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک وادی میں پہنچا جس کا نام وادیِ "مُحَسِّر" ہے۔

دوسری جانب مکہ مکرمہ میں عبدالمطلب نے تمام لوگوں کو جمع کیا، غلافِ کعبہ سے چمٹ کر دعائیں کیں اور مکہ مکرمہ خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے، ادھر "وادیٔ محسر" میں ساحل کی جانب سے ابرہہ کے لشکر پر چھوٹے چھوٹے پرندے اپنی چونچوں میں کنکریاں لیکر پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے سنگ باری شروع کر دی، جس ہاتھی کو وہ پتھر لگتا اس سے پار ہو جاتا اور ہاتھی ادھر ہی ڈھیر ہو جاتا، کچھ ہی لمحات میں پورا لشکر تباہ ہو گیا، صرف ایک آدمی اور ابرہہ بچ گیا، وہ آدمی یمن پہنچا اور اہل یمن کو اس واقعہ کی خبر دی، ابرہہ ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کہ اس کا بدن پارہ پارہ ہو کر گرتا رہتا آخر کار کلیجہ پھٹ کر دل باہر نکل آیا اور مر گیا، اس واقعے کے پچاس یا پچپن دن بعد آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی۔

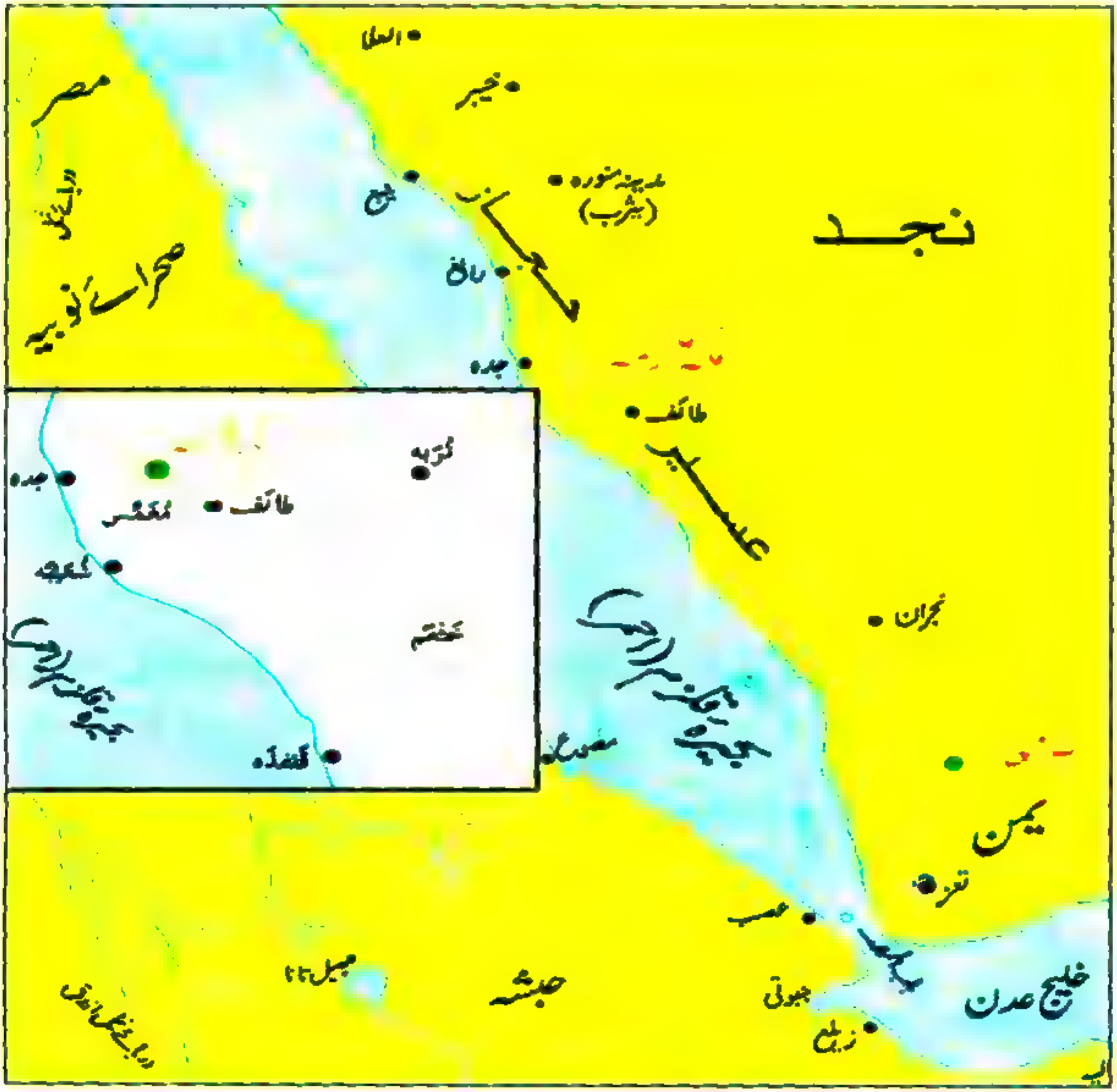

ابرہہ کی لشکر کشی اور تباہی کے راستے اور مقامات کی وضاحت

تاریخ پیدائش:

جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۸ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۰ء کو "سُوقُ اللَّیل" کے علاقے میں پیدا ہوئے۔(۱)

جہاں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی وہ جگہ آج بھی "مَوْلِدُ النَّبِی" (جائے پیدائش) کے نام سے مشہور ہے اور آج کل اس پر ایک لائبریری بنی ہوئی ہے، جس کا نام "مکتبہ مکہ مکرمہ" ہے۔ ساتویں روز آپ کا عقیقہ ہوا اور آپ کا نام "محمد" رکھا گیا۔

سوق اللیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی جگہ چھوٹی تصویر میں موجود عمارت واضح ہے

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۶۵ الطاف اینڈ سنز

درس نمبر:۱۵

بچپن

اس عنوان کے تحت آپ علیہ السلام کی رضاعت اور آپ کی کفالت کے حالات بیان کئے جائیں گے۔

رضاعت:

رضاعت" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو دودھ کس نے پلایا؟

سب سے پہلے ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے چند روز تک آپ کو دودھ پلایا (۱) اس کے بعد چار سال تک آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس رہے۔ یہ آپ کی رضاعی والدہ ہیں اور حضرت آمنہ آپ کی حقیقی والدہ ہیں۔

حلیمہ سعدیہ:

یہ طائف کے علاقہ بنوسعد کی ایک خاتون تھیں، اس علاقے کے لوگوں کی عربی بہت صاف وفصیح تھی، یہ لوگ ہر سال مکہ مکرمہ آتے اور شہر کے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لے جاتے اور اپنی اجرت وصول کرتے، مکہ والے مختلف مقاصد کے لئے اپنے بچوں کی پرورش دیہاتوں میں کراتے تھے، جس کے بہت سے فائدے تھے، مثلاً ایک تو دیہات میں پرورش پاکر وہ مضبوط اور جفاکش ہوتے تھے، دوسرے یہ کہ ان کی زبان بالکل صاف اور اصلی ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کی پیدائش کے سال بنوسعد کی بہت سی خواتین آئیں اور بچے ساتھ لے گئیں، چونکہ وہ لوگ اس کے عوض بچوں کے ذمہ داروں خصوصاً والد سے اچھے معاوضے کی توقع رکھتے تھی اس لئے یتیم بچوں میں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا، آپ ﷺ کے چونکہ والد نہ تھے، آپ تو یتیم تھے، آپ کے دادا آپ کی پرورش کرتے تھے، اس لئے گود لینے والی خواتین نے آپ کی جانب زیادہ رغبت ظاہر نہ کی، حلیمہ سعدیہ کو کوئی بچہ نہ ملا تو مجبوراً یہ بچہ لے لیا کہ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے، اس بچے کو لینا تھا کہ حلیمہ سعدیہ کے حالات بدل گئے، وہ سواری جو آتے وقت سب سے پیچھے تھی جاتے ہوئے سب سے آگے جارہی تھی، قافلے کی عورتوں نے کہا: حلیمہ! یہ وہی سواری ہے؟ حلیمہ نے کہا ہاں! وہی ہے، عورتیں کہنے لگیں: واللہ! اب تو اس کی شان ہی کچھ اور ہے، حلیمہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر میں نے ایک مبارک بچے کو سوار کیا ہے۔ (۲)

پھر جب حلیمہ آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لے گئیں، اس وقت طائف میں قحط تھا اس کے باوجود حلیمہ سعدیہ کی بکریاں دن کو چر کر واپس آتیں تو پیٹ بھری ہوتیں اور دوسرے لوگوں کے جانور خالی پیٹ واپس آتے۔ حلیمہ سعدیہ ابتداءً دو سال کے معاہدے پر آپ ﷺ کو لے گئی تھیں، ان دو سالوں میں حلیمہ نے اپنے گھر میں عجیب برکات دیکھیں، دو سال کی تکمیل پر حلیمہ سعدیہ وعدے کے مطابق بچے کو لے آئیں اور والدہ کے حوالے کر دیا، لیکن پھر بچے کو اپنے ساتھ لے جانے کی

(۱) زرقانی ج ۱ ص ۲۶۷، بحوالہ سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۸۱ (۲) السیرۃ النبویۃ السوفی ج ۱ ص ۷۰

شواست کی مکہ میں چونکہ بیماری پھیلی ہوئی تھی [illegible] بدوقت کے لئے آپ کو ان کے حوالہ کردیا۔ حلیمہ سعدیہ پھر دو سال کے لیے لے گئیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے بچپن کے چار سال طائف کے علاقے بِلَادِبَنُوسَعَد میں گزارے۔ (۱)

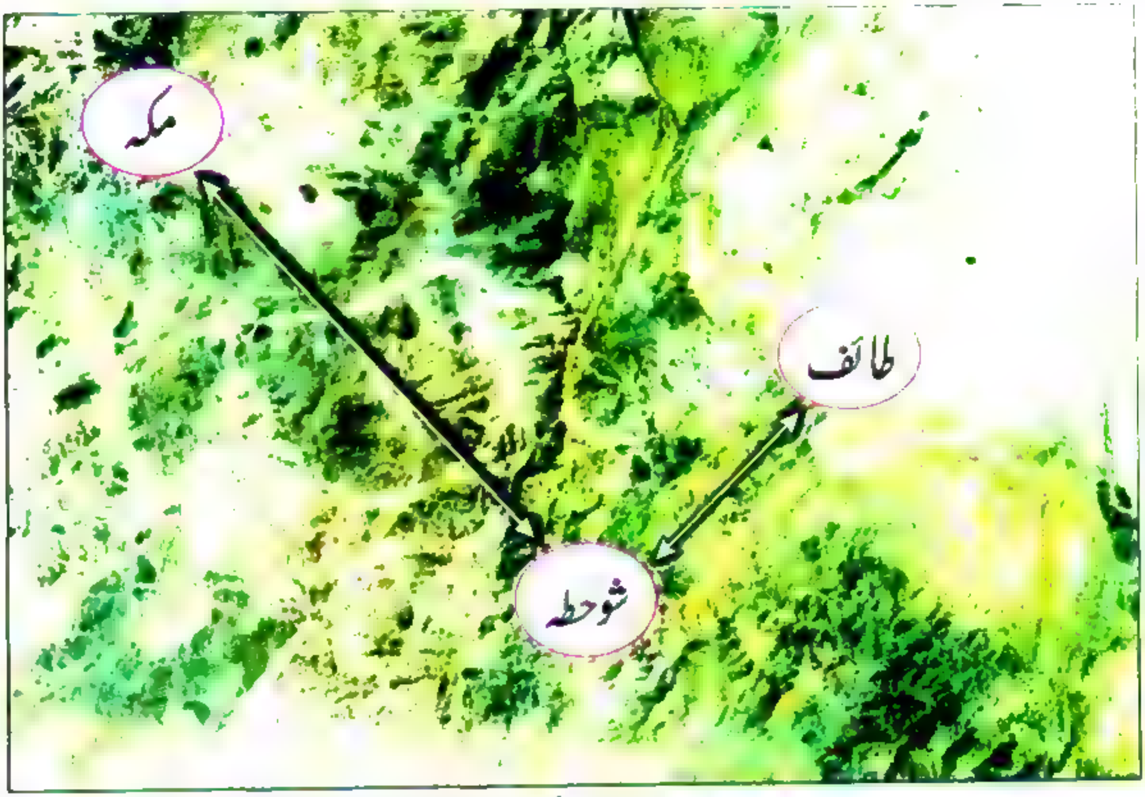

شوحطہ یعنی بلاد بنی سعد کا وہ علاقہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن کے چار سال گزارے، یہیں شق صدر کا واقعہ پیش آیا

واقعہ شق صدر:

دوسری بار جب رسول ﷺ "بلاد بنی سعد" گئے، چار سال تو عام معمول کے مطابق گزر گئے، آپ اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتے تھے اور آپ کی رضاعی والدہ آپ کو دور جانے نہیں دیا کرتی تھیں۔

ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گئے تھے کہ آپ کے رضاعی بھائی دوڑتے گھر آئے اور والدہ سے کہا کہ چراگاہ میں کچھ لوگ آئے ہمارے رضاعی بھائی کو لٹایا اور اس کا سینہ چیر دیا، یہ سن کر آپ کے رضاعی والدین کے اوسان خطا ہو گئے، صورت حال معلوم کرنے کے لیے فوراً چراگاہ کی طرف دوڑے، دیکھا کہ آپ خوف زدہ کھڑے ہیں، پوچھا کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: معلوم نہیں بس کچھ لوگ آئے اور میرا سینہ چاک کیا اور واپس چلے گئے۔ (۲) یہ شق صدر کا پہلا واقعہ تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کے لیے خاتم النبیین، امام اور پیشوا

(۱) سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۹۶ (۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۹۵ بحوالہ سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۹۶

بنانے کی تیاری تھی۔

اس واقعے سے حلیمہ سعدیہ کو اندیشہ ہوا کہ آپ کو اور کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے، اس لئے آپ کو لے کر آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے پاس پہنچی اور پورا واقعہ بیان کر دیا، حضرت آمنہ اس واقعے کو سن کر بالکل نہیں گھبرائیں بلکہ حمل اور ولادت کے زمانے کے انوارات و برکات کو یاد کر کے فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی، اس بابرکت بچے تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے، تم مطمئن رہو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (۱)

درس نمبر:۱۶

کفالت

کفالت سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی پرورش اور دیکھ بھال کس نے کی؟ اس سلسلے میں تین نام آتے ہیں، آپ کی والدہ ماجدہ، آپ کے دادا اور آپ کے چچا۔

آپ کی والدہ ماجدہ:

آپ ﷺ چار سال کی عمر میں والدہ کے پاس آگئے اور مزید دو سال ان کے پاس گذارے، جب آپ کی عمر چھ سال ہوئی تو والدہ ماجدہ آپ کو مدینہ لے گئیں جہاں آپ کے والد حضرت عبداللہ دفن تھے، کیونکہ اُن کا انتقال مدینہ میں ہوا تھا اور وہیں دفن ہوئے تھے، یہاں سے واپسی پر بدر کے قریب "اَبْوَا" نامی مقام پر راستے ہی میں والدہ کا بھی انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئیں۔ (۲)

چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، آپ ﷺ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام ام ایمن تھا، یہ آپ کو والد سے میراث میں ملی تھیں، وہ آپ کو گھر واپس لے آئیں۔

عبدالمطلب:

والدہ کی وفات کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی کفالت سنبھال لی، یہ قوم کے سردار تھے، یہ آپ ﷺ کا بہت خیال رکھتے تھے، خانہ کعبہ کے پاس عبدالمطلب کے لئے چادر بچھائی جاتی تھی جس پر ان کے سوا کسی کو بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی لیکن آپ ﷺ سیدھے جا کر اس چادر پر بیٹھ جاتے تھے، جب کوئی آپ علیہ السلام کو منع کرتا تو عبدالمطلب کہتے کہ میرے اس بچے کو منع نہ کرو! اس بچے کی بڑی شان ہوگی۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کو خانہ کعبہ کے پاس دیکھا کہ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ! میرے اس بچے کو واپس کر دے! میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا عبدالمطلب ہے، اِن کا ایک پوتا اونٹ کی تلاش میں

(۱) زرقانی: ج ۱/ص ۱۹۰ تا ۱۹۳ (۲) سیرت ابن ہشام ج ۱/ص ۱۶۸ بحوالہ الرحیق المختوم ص ۸۷

میں دور نکل گیا ہے جس کی وجہ سے یہ پریشان ہیں۔ (۱)

عبدالمطلب نے آپ کی بہترین کفالت کی لیکن ابھی آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال کی تھی کہ ان کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

ابوطالب:

اس کے بعد آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کا ذمہ لیا، یہ معاشی اعتبار سے کمزور تھے۔ ان کے گھر کے افراد زیادہ تھے، چنانچہ آپ ﷺ جب ذرا بڑے ہوئے تو آپ نے اپنے چچا کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

بکریاں چرانا:

جب رسول اللہ ﷺ کی عمر دس سال ہوئی تو آپ نے اہل مکہ کی بکریاں چرائیں، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: "کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چرائی ہیں۔" (۲)

بکریاں چرانے میں اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمتیں رکھی ہیں مثلاً اس سے انسانی طبیعت میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کو سنبھالنے کا سلیقہ آجاتا ہے، چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا فرض منصبی یہی ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو پوری شفقت اور برداشت کے ساتھ راہ راست پر لائیں، اس لئے ہر پیغمبر نے بکریاں چرائیں۔

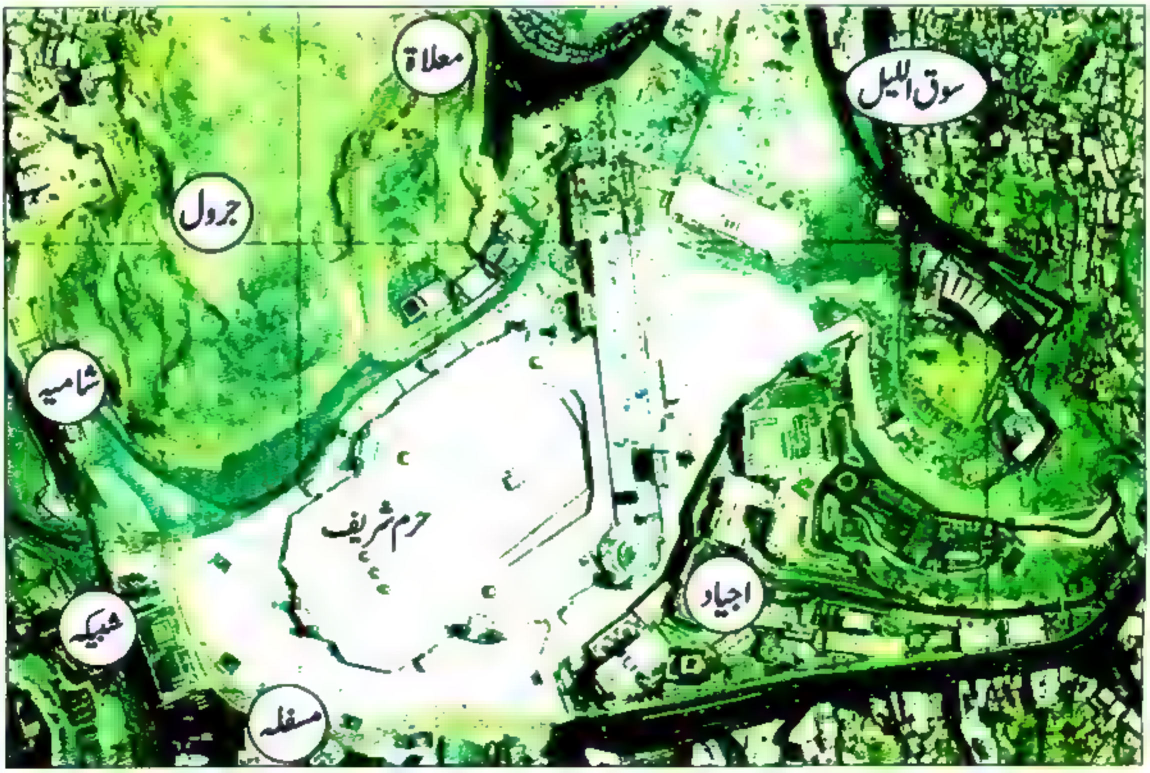

اجیاد، وہ علاقہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں بکریاں چرائیں

(۱) مستدرک ج ۲ ص ۶۰۳ بحوالہ سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۹۹ (۲) بخاری کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم علی قراریط طبع دارالسلام

شام کا پہلا سفر:

جب آپ ﷺ کی عمر ۱۲ سال ہوئی اور آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں تھے، ایک مرتبہ ابو طالب تجارت کے لیے شام کے سفر پر جا رہے تھے، (چونکہ ابو طالب کو آپ علیہ السلام سے بے حد محبت تھی) اس لیے آپ ﷺ ان سے چمٹ گئے کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا، میرا تو کوئی ہے ہی نہیں، کس کے پاس آپ مجھے چھوڑ کر جائیں گے؟ چنانچہ ابو طالب آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے، شام جاتے ہوئے راستے میں بصریٰ نامی مقام (جو اب اُردن میں واقع ہے) پر ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اپنے عبادت خانے میں گوشہ نشین تھا، آنے جانے والوں سے بالکل لاتعلق رہتا تھا لیکن یہ قافلہ جب یہاں سے گزرا تو خلافِ معمول وہ اپنے عبادت خانے سے باہر نکلا اور پوچھا کہ یہ قافلہ کہاں سے آ رہا ہے؟ بتایا گیا کہ مکہ مکرمہ سے تو اس نے سارے قافلہ والوں کی دعوت کی، جب سب آ گئے تو کہنے لگا: تم میں سے ایک شخص نہیں آیا وہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ کو لایا گیا، راہب آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ "یہ وہی آخری پیغمبر ہے جس کا ہماری کتابوں میں ذکر آیا ہے" اس سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے پتا چلا؟ کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ راستے میں آتے ہوئے ہر درخت آپ کے سامنے جھکا جا رہا تھا۔ پھر ابو طالب سے کہنے لگا کہ آپ اسے آگے نہ لے جائیں، کہیں اس کو یہودی نقصان نہ پہنچا دیں۔ یہ سن کر ابو طالب نے آپ کو وہیں سے واپس مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ (۱)

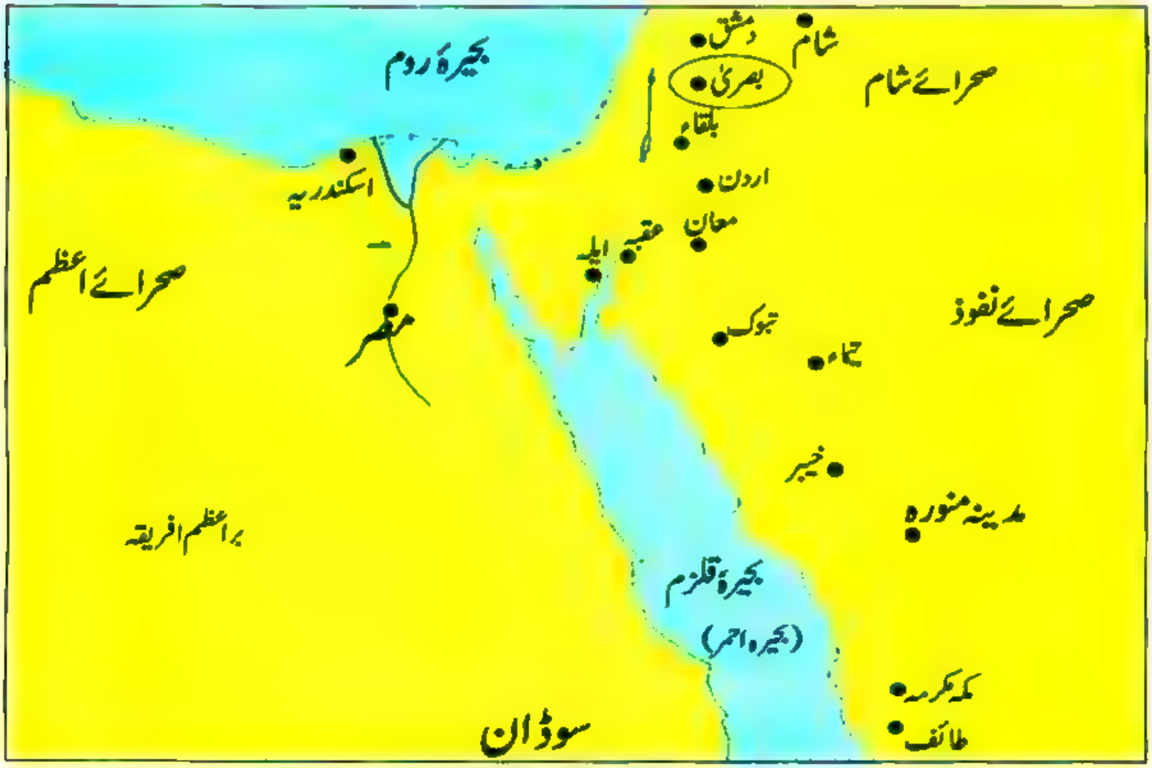

شام کی طرف آپ کا سفر اور بصریٰ کا وہ مقام جہاں راہب سے ملاقات ہوئی اور آپ علیہ السلام واپس مکہ مکرمہ لوٹے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۸۰ تا ۱۸۳

جوانی

- حرب الفجار
- حلف الفضول
- تعمیر کعبہ
- نکاح

درس نمبر: ۱۷

جوانی

رسول اللہ ﷺ کی جوانی کے ابتدائی سالوں کا کوئی تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا، ہاں معاشی اور معاشرتی سرگرمیوں کے حوالے سے جن واقعات کا تذکرہ ملتا ہے ذیل میں وہ واقعات ترتیب وار ذکر کیے جاتے ہیں۔

حرب الفجار:

جب آپ کی عمر چودہ برس ہوئی تو اس زمانے میں عرب قبائل کے درمیان "حَرْبُ الْفِجَارْ" کے نام سے ایک مشہور جنگ ہوئی چونکہ عرب میں قبائلی نظام رائج تھا، جب کبھی دو قبیلوں کے درمیان جنگ کی نوبت پیش آتی تو دونوں مدمقابل اپنے ساتھ اپنے حلیفوں (مددگار اور ساتھی) کو بھی جنگ میں شامل کر لیتے تھے۔ یوں جنگ کا دائرہ وسیع ہو جاتا تھا۔ حج سے ڈیڑھ مہینہ پہلے مکہ مکرمہ کے قریب تین تجارتی میلے لگتے تھے: عُکَاظ، ذُوالْمَجَاز اور مِجَنَّہ۔ ان میلوں میں لوگ کئی دنوں تک خیمہ زن رہتے اور فرصت کے ان اوقات میں وہ اپنے کاروبار کے علاوہ مجلسیں منعقد کر کے اس میں پرانی جنگوں اور اس میں اپنے آباء و اجداد کی بہادری کے قصوں کے تذکرے کیا کرتے تھے۔ جس میں بسا اوقات بڑوں کا ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہونے اور بے عزت ہونے کا تذکرہ بھی آ جاتا، جس سے ان کی جاہلی غیرت بھڑک اُٹھتی اور ان پرانی یادوں کی بنیاد پر آپس میں قتل و قتال کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو کئی کئی سالوں تک چلتا رہتا۔

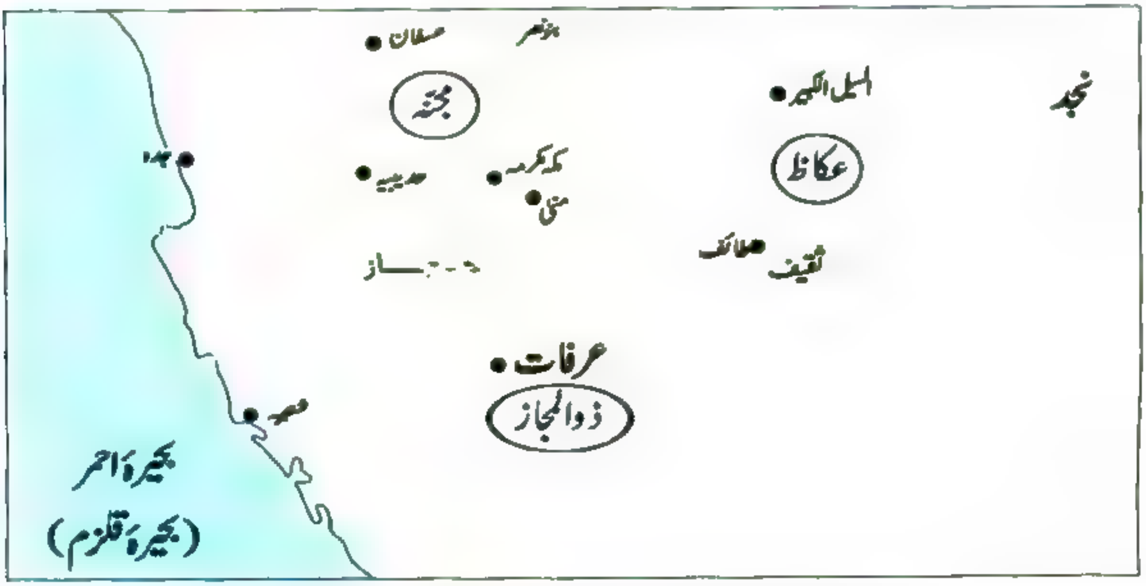

عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کا محل وقوع جن میں گھوم پھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دیتے تھے

انہی میں ایک مشہور لڑائی حرب الفجار بھی ہے چونکہ یہ لڑائی حرم کی حدود میں لڑی گئی اور حرم کی حدود میں لڑنا عرب کے نزدیک بھی حرام تھا۔ اس وجہ سے اس جنگ کا نام حرب الفجار یعنی گناہ کی لڑائی پڑ گیا۔

اس دفعہ جو جنگ ہوئی اس میں رسول اللہ ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوئے یہ "قیس بن عیلان" اور "کنانہ" کے درمیان ہوئی۔ قریش اس میں کنانہ کے تبع کے طور پر شریک ہوئے۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت چودہ سال تھی۔ آپ اگرچہ شریک تو ہوئے لیکن جنگ میں عملی طور پہ حصہ نہیں لیا۔ (۱)

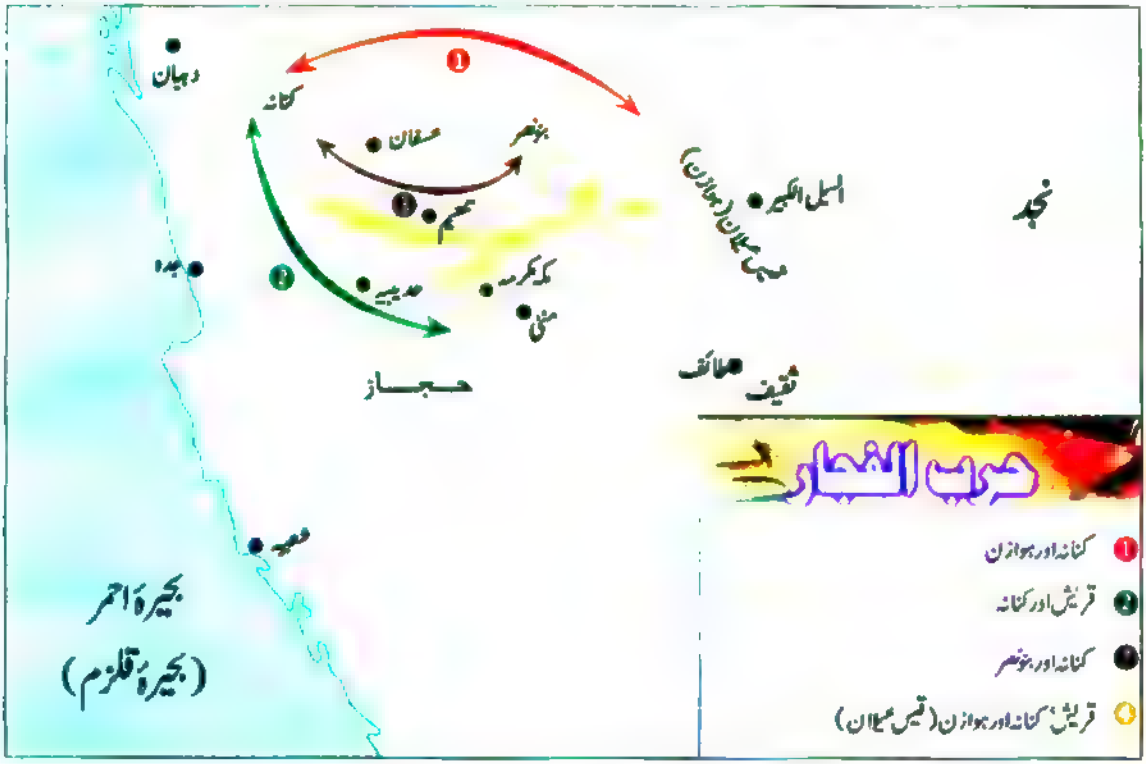

عرب کے جن قبائل کے درمیان حرب الفجار ہوئی نقشہ سے وہ قبائل واضح ہوتے ہیں

حلف الفضول:

حرب الفجار کے کچھ ہی عرصے بعد ایک واقعہ پیش آیا ہوا یوں کہ مکہ مکرمہ میں باہر سے ایک آدمی اپنا سامان فروخت کرنے آیا، مکہ کے ایک آدمی نے اس سے سامان خرید لیا، جب قیمت دینے کا وقت آیا تو اس شخص نے ادائیگی سے انکار کر دیا، یہ مظلوم شخص رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کے پاس آیا اور اپنی فریاد سنائی۔ زبیر بن عبد المطلب نے مکہ کے بااثر لوگوں کو عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع کیا اور ان کے سامنے قتل و قتال اور مظالم کے روک تھام کے لئے کوئی نظام بنانے کی بات پیش کی۔ چونکہ سب ہی اس خودسری کے ماحول سے تنگ تھے اس لئے "ہر ظالم سے بغاوت اور ہر مظلوم

(۱) السیرۃ النبویۃ، ص ۸۵

کی حمایت" کے نکتے پر سب نے اتفاق کر لیا کہ آئندہ ہم مظلوم کوئی بھی ہو اس کا ساتھ دیں گے اور ظالم کوئی بھی اس کے خلاف ایک ہو کر اس کو تنہا کر دیں گے۔ (۱)

اس معاہدے میں، جو لوگ پیش پیش تھے ان میں فضل بن فضالہ، فضل ابن عبید اور فضیل ابن حارث سب سے نمایاں تھے، اس لیے اس معاہدے کا نام حلف الفضول پڑ گیا۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدہ میں چودہ سال کی عمر میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جس معاہدے میں شریک ہوا تھا، وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر اسلام میں بھی کوئی مجھے اس قسم کے معاہدے کے لئے بلائے تو میں اس کی دعوت کو قبول کر لوں گا۔" (۳)

درس نمبر:۱۸

شام کا دوسرا سفر:

۲۵ سال کی عمر میں آپ نے شام کا دوسرا سفر کیا، مکہ میں ایک مالدار خاتون رہتی تھی، جن کا نام خدیجہ تھا، وہ لوگوں کو ہر سال مضاربت پر اپنا مال دیا کرتی تھیں۔ "مضاربت" تجارت کی ایک قسم ہے جس میں سرمایہ ایک شخص کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے شخص کی اور منافع کو آپس میں معاہدے کے تحت تقسیم کیا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ نے جب رسول اللہ ﷺ کی امانت و دیانت داری کی باتیں سنیں تو آپ کو مضاربت کی پیش کش کی، آپ نے یہ پیشکش قبول کر لی، حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنا سرمایہ دیا اور اپنا غلام جس کا نام "مَیْسَرَۃ" تھا ساتھ کر دیا، آپ یہ مال لے کر شام روانہ ہوئے، آپ نے بہت نفع بخش تجارت کی، شام میں "نسطورا" نامی ایک راہب سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی، جس نے آپ کو نشانیوں سے پہچان لیا کہ یہ وہی آخری پیغمبر ہے، جب رسول اللہ ﷺ امانت و دیانت اور نفع کی کامیاب تجارت کر کے مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت حضرت خدیجہ اپنے مکان کی چھت پر کھڑی آپ کو دیکھ رہی تھیں، آپ پر بادل سایہ کیے ہوئے آ رہے تھے، حضرت خدیجہ کچھ تو اس سے متاثر ہوئیں اور مزید آپ کے غلام میسرہ نے تجارتی سفر کے حالات و واقعات بھی بیان کئے جس سے ان کا اعتماد اور عقیدت مزید بڑھ گیا۔ (۴)

حضرت خدیجہ سے نکاح:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چونکہ ان سب حالات کی وجہ سے متاثر ہو چکی تھیں، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا، آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے وکیل بن کر گئے اور بات طے کی۔

(۱) طبقات ابن سعد ج ۱، ۸۲ (۲) انبیاء و النبیین ۲/ ۵۹۳ (۳) طبقات ابن سعد ذکر حلف الفضول ۱/ ۸۶ طبع دار الفکر بیروت (۴) سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۱۱۲ طبع الطاف اینڈ سنز

ابوطالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کے موقع پر یہ الفاظ کہے:

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مُحَمَّدًا مِمَّنْ لَا یُوَازَنُ بِہٖ فَتًی مِنْ قُرَیْشٍ اِلَّا رَجَحَ بِہٖ شَرَفًا وَنُبْلًا وَفَضْلًا وَعَقْلًا وَاِنْ کَانَ فِی الْمَالِ قَلَّ فَاِنَّہٗ ظِلٌّ زَائِلٌ وَعَارِیَۃٌ مُسْتَرْجَعَۃٌ وَلَہٗ فِیْ خَدِیْجَۃَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَغْبَۃٌ وَلَہَا فِیْہِ مِثْلُ ذٰلِکَ

"یقیناً محمد ﷺ کے ساتھ شرافت، ذہانت، فضیلت اور عقلمندی میں قریش کا کوئی جوان ہمسری نہیں کر سکتا۔ اگرچہ مالی حیثیت سے محمد کمزور ہے لیکن مال ایک عارضی اور ختم ہونے والی چیز ہے، یہ خدیجہ بنت خویلد سے اور خدیجہ ان سے نکاح کی خواہشمند ہیں۔" (۱)

یہ نکاح سوق اللیل کے مقام پر ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال جبکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ تھی۔ نکاح کے بعد آپ ﷺ اپنے مکان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے اور ہجرت تک کی زندگی وہیں گزاری اور زندگی کے پورے ۲۵ سال انہی کے ساتھ رہے، جب آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

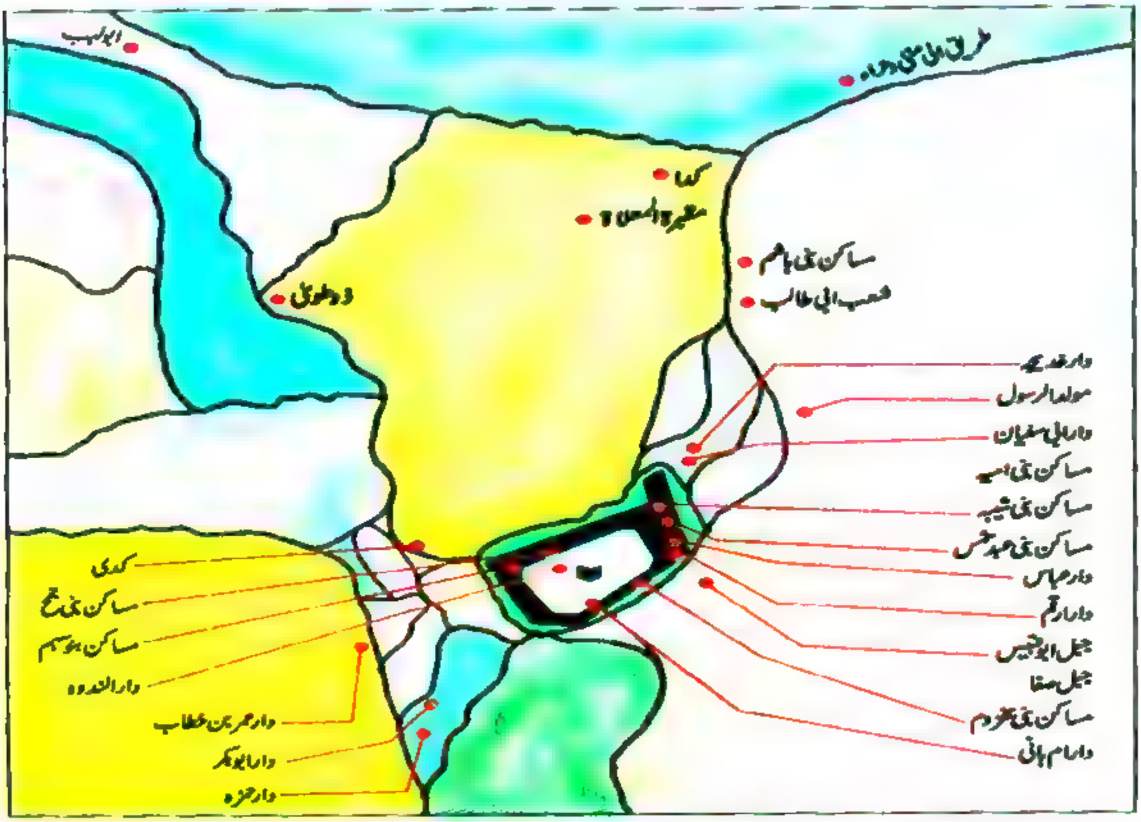

مکہ مکرمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، جہاں مختلف مکانات نظر آ رہے ہیں جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مکان بھی نمایاں ہے

(۱) روض الانف ج۱ ص ۱۲۲ بحوالہ سیرت المصطفیٰ ج ۱۲۳

شبہ کا ازالہ:

یہود و نصاریٰ کے محققین یعنی مستشرقین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے نو نکاح کئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عیش و عشرت میں پڑے ہوئے تھے؟

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جوانی کی زندگی کو انصاف کی آنکھ سے پڑھ لیجئے! انسانی زندگی میں ۱۵ سے ۴۰ سال کا عرصہ جوانی کہلاتا ہے. آپ ﷺ نے اپنی پوری جوانی اور اس پر دس سال مزید اپنے سے پندرہ سال بڑی خاتون کے ساتھ گزارے. باقی تمام نکاح ہجرت کے بعد زندگی کے آخری دس سالوں میں کئے اگر آپ میں جوانی کا جوش ہوتا تو جوانی ہی میں متعدد نکاح کر لئے ہوتے۔

آپ کے متعدد نکاح ایک مستقل موضوع ہے. مختصر یہ کہ آپ نے ایک عظیم مقصد اور خاص حکمت کے تحت متعدد نکاح کئے. وہ یہ کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ ﷺ ایک کامل دین لے کر آئے ہیں. جس میں مردوں اور خواتین دونوں کے متعلق احکامات ہیں. آپ مردوں کے احکامات براہ راست بتلاتے تھے لیکن خواتین کے احکامات میں بعض مسائل تھے جو خواتین ہی خواتین کو بلا تکلف سمجھا سکتی تھیں. اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے معلّمات کی ایک جماعت تیار کی جو امت کی خواتین کو ان کے مخصوص مسائل واضح طور پر سمجھائیں. اسی وجہ سے آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن امت کی مائیں اور معلّمات ہیں. گویا آپ ﷺ کی باہر کی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور گھر کی زندگی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن محفوظ کر رہی تھیں. اس طریقے سے آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو مستند طور محفوظ ہو کر امت کے سامنے آگیا جبکہ اس نعمت سے یہود و نصاریٰ محروم ہیں۔

درس نمبر: ۱۹

کعبہ کی تعمیر:

رسول اللہ ﷺ کی عمر جب ۳۵ سال کی ہوئی تو ایک واقعہ پیش آیا. خانہ کعبہ چونکہ پہاڑوں کے درمیان واقع ہے. بارش کا سارا پانی کعبہ میں جمع ہو جاتا تھا. اس وجہ سے کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہو گئی تھی. مکہ کے لوگوں کو اس کی از سر نو تعمیر کا خیال پیدا ہوا. لیکن کسی میں اس بوسیدہ عمارت کے گرانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ ہم کسی غلط ارادے سے اسے منہدم نہیں کر رہے بلکہ ایک نیک مقصد رکھتے ہیں یہ کہہ کر اس نے کعبہ کا کچھ حصہ گرا دیا مگر لوگ پھر بھی آگے نہیں بڑھے اور صبح کا انتظار کرنے لگے کہ شاید ولید پر کوئی آفت نہ آجائے. صبح تک کچھ نہیں ہوا. یہ دیکھ کر لوگوں کو ہمت بڑھی اور جمع ہو کر کعبہ کی بوسیدہ عمارت کو منہدم کر دیا گیا. جدہ کی بندرگاہ پر ایک جہاز ٹوٹا ہوا تھا. اس کے تختے لائے گئے اور "باقُوم" نامی ایک رومی معمار سے تعمیر کعبہ کا کام لیا گیا۔

تصویر میں مطاف تالاب کا منظر پیش کر رہی ہے۔

جب اس کی تعمیر مکمل ہوگئی تو ایک اختلاف پیدا ہوا۔ کعبہ کے چار کونوں (۱۔ رکن حجر اسود ۲۔ رکن عراقی ۳۔ رکن شامی ۴۔ رکن یمانی) میں سے ایک کونے میں حجر اسود ہے۔ جب حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کی باری آئی تو سب قبائل کو یہ اعزاز حاصل کرنے کی خواہش ہوئی اور بات لڑائی کی اس حد تک پہنچ گئی کہ سب نے خون کے پیالے میں انگلیاں ڈبو دیں کہ ہم مر جائیں گے لیکن کسی طرح پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ولید بن مغیرہ جو عمر میں بڑا اور ان کا زیرک آدمی تھا۔ وہ کہنے لگا کہ اس طرح کرنے سے تو کسی کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ ایسا کرو کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں آجائے وہی حجر اسود کو اس کی جگہ رکھے۔ اس فیصلے پر سب نے اتفاق کیا۔ کل صبح جب لوگ آئے تو دیکھا کہ سب سے پہلے آنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سب کہنے لگے کہ یہ تو محمد صادق و امین ہیں۔ ہم ان پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان بڑی حکمت کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ اس طرح کہ ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھ دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ ہر قبیلہ اپنا ایک نمائندہ مقرر کرے وہ آ کر اس چادر کے کنارے کو پکڑ لے۔ ہر قبیلے کے ایک مقرر کردہ نمائندے نے چادر کا ایک کونہ پکڑا اور سب نے ملکر حجر اسود اٹھایا اور رکن حجر اسود کے پاس لا کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے اٹھا کر نصب کر دیا۔ اس طرح سب راضی بھی ہوگئے اور سب کی شرکت بھی ہوگئی۔ (۱)

(۱) ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲ تا ۱۹

اس نقشے سے خانہ کعبہ کے پڑوسی ممالک کا پتہ چلتا ہے

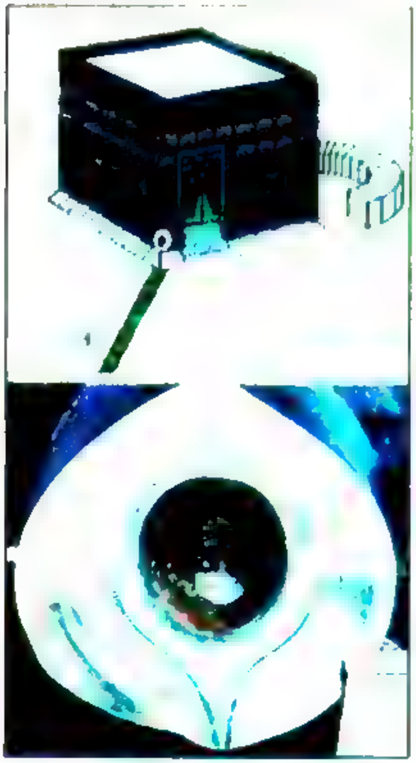

حجر اسود اندرونی و بیرونی منظر

حجر اسود:

یہ پتھر کعبہ شریف کے جنوبی حصہ میں نصب کیا گیا ہے. شروع میں یہ ایک ہی ٹکڑا تھا مگر قرامطہ (شیعہ کی اسماعیلی باطنی فرقہ کی ایک شاخ ہے. ابو طاہر قرامطی کے متبعین ہیں ۳۱۹ھ میں یہ لوگ حجر اسود کو اکھاڑ کر "مقام احساء" لے گئے. بیس سال کے بعد ۳۳۹ھ میں دوبارہ لاکر نصب کیا گیا) اور ان کے بعد کچھ ایسے حادثے پیش آئے کہ حجر اسود کا ظاہری حصہ ٹوٹ گیا. اب اس کے چھوٹے چھوٹے آٹھ ٹکڑے ہیں اور ان پہ چاندی کا فریم لگا دیا گیا ہے. یہی وہ ٹکڑے ہیں جن کو بوسہ دینا مسنون ہے. واضح ہو کہ بڑے پتھر اور چاندی کے حلقے کو بوسہ دینا مسنون نہیں۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجر اسود جنت سے آیا ہوا پتھر ہے. یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا.. بنی آدم کے گناہوں نے اس کو کالا کر دیا۔ (۲)

(۱) تاریخ مکہ مکرمہ از ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی طبع مطابع الرشید مدینہ منورہ۔ (۲) ترمذی کتاب الحج باب ما جاء فی فضل حجر اسود

تعمیر کعبہ کے مراحل:

خانہ کعبہ کی سب سے پہلے تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی جب وہاں کوئی آبادی نہ تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور اس وقت کچھ آبادی تھی۔ پھر آپ ﷺ کے دور میں تعمیر ہوئی مگر اس وقت کچھ حصہ باہر رہ گیا جسے حطیم کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل قریش نے تعمیر میں حلال کمائی کی شرط لگائی لیکن حلال کمائی کم پڑ گئی تو اس حصے کو یونہی رہنے دیا۔ آپ ﷺ کی خواہش اس حصہ کو تعمیر میں داخل کرنے کی تھی۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ اگر میری قوم نئی مسلمان نہ ہوتی اور ان کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کی اس تعمیر کو گرا کر حطیم کو اس میں شامل کر دیتا۔ (۱)

پھر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے) کچھ دنوں کے لئے مکہ کے امیر بنے۔ انہوں نے اپنی خالہ سے یہ خواہش سنی تھی۔ اس لئے انہوں نے حطیم کو تعمیر کے ساتھ ملا دیا لیکن حجاج بن یوسف نے ان کو شہید کر کے ان کی تمام نشانیاں مٹا دیں اور کعبہ کو پرانے طرز پر کر دیا پھر حجاج بن یوسف کے بعد ہارون الرشید نے دوبارہ ملانے کا قصد کیا لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ بار بار گرانے میں خانہ کعبہ کی بے حرمتی ہے۔ لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ (۲)

[illegible]

(۱) سیرۃ النبی ﷺ ... ج ۱ ص ۹۵ (۲) بخاری کتاب ... ص ۱۲۹ ... ج ۱ ص ۹۰

دوسرا حصّہ

بعثت تا ہجرت

امتِ اسلامیہ کی تاسیس

- تمہید
- بعثت مبارکہ
- پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت
- دوسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت اندرون مکہ
- تیسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت بیرون مکہ

درس نمبر: ۲۰

تمہید

جغرافیہ مکہ مکرمہ

طبعی جغرافیہ:

مکہ مکرمہ اَلْبَلَدُ الْاَمِیْن اور اُمُّ الْقُرٰی دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک وادی ہے، شمال میں جَبَلِ قُعَیْقِعَان اور شَعْبِ بَنِیْ عَامِرْ ہیں، جنوب میں جَبَلِ حَدِیْدَۃ اور جنوب مغرب میں جَبَلِ عُمَرْ واقع ہے. شمال مغربی حصہ میں مقام کُدَیٰ ہے. مشرق میں شَعْبِ اَبِیْ طَالِبْ اور جَبَلِ حِرَاء ہیں. پھر مزید مشرق میں جَبَلِ خَنْدَمَہْ اور شمال مشرق میں جَبَلِ اَبُوْ قُبَیْس واقع ہیں. ہموار نشیبی علاقہ کو وَادِیِ بَطْحَاء کہتے ہیں. مکہ مکرمہ کا وسط بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے جو اَلْقَشَاشِیَہ. شَعْبِ عَلِیْ. شَامِیَہ اور شُبَیْکَہ کی پہاڑیوں کے درمیان دو سو میٹر مربع کی وادی ہے.. جس کے چاروں جانب پہاڑ ہیں. شہر کا شمال مشرقی حصہ بلند ہے اور اس کو اَلْمُعَلَّاۃُ یا اَلْمُعَلّٰی کہا جاتا ہے. اسی میں شہر کا مشہور اور تاریخی قبرستان جَنَّتُ الْمُعَلّٰی ہے. یہ اَلْحَجُوْن اور کَدَا پہاڑیوں سے متصل ہے. کدا سے مکہ مکرمہ میں داخلہ مسنون بتایا گیا ہے. رسول اللہ ﷺ اہل معلاۃ سے تھے، وہیں آپ کی جائے پیدائش ہے اور وہیں آپ ہجرت تک قیام پذیر رہے، معلاۃ کے بالمقابل شہر کے جنوب مغرب میں نشیبی علاقہ مِسْفَلَہْ ہے۔(۱)

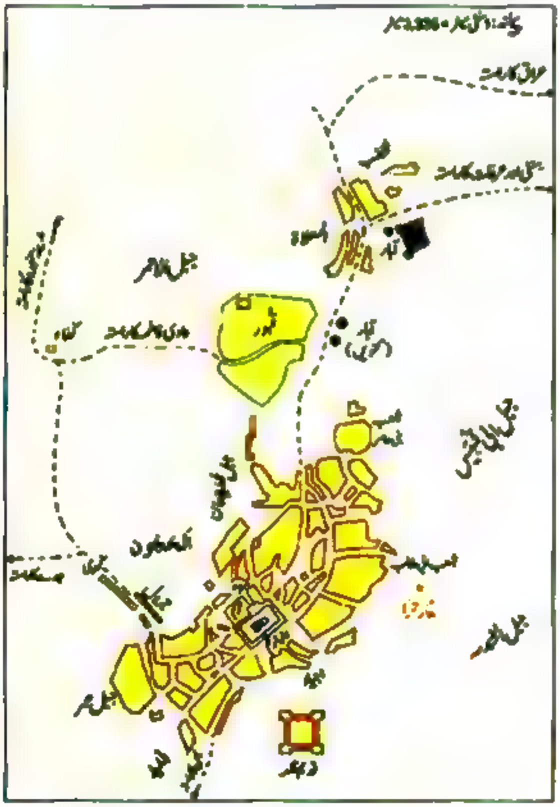

مکہ مکرمہ بعثت نبوی کے وقت

آبادی:

نبی کریم ﷺ کے اجداد میں قصی کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی تنظیم کی گئی. مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے: ھَاشِمْ. اُمَیَّہ. مَخْزُوْمْ. جُمَحْ. سَھْمْ. تَیْمْ. عَدِیْ. اَسَدْ. نَوْفَلْ اور زُھْرَۃْ

اس وقت مختلف شعبے بنائے گئے جن میں حاجیوں کی

(۱) اطلس السیرہ شوقی خلیل. تاریخ مکہ مکرمہ ڈاکٹر الیاس عبد الغنی. جزیرۃ العرب مولانا رابع ندوی

خدمت، مشورہ کا نظام، جنگی معاملات، سفارت کاری اور دیت وتاوان کے فیصلے وغیرہ یہ کام ان قبائل کے درمیان تقسیم کئے گئے تھے اور ہر قبیلہ نے اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے اپنے چیدہ چیدہ افراد کو منتخب کیا ہوا تھا۔

ایک دَارُ النَّدْوَہ بنایا گیا، جہاں اجتماعی معاملات پر اجلاس بلائے جاتے تھے اور مذکورہ بالا ارکان اس کے ممبر دارکان تھے، سب کے باہمی اتفاق سے ایک بات طے کی جاتی تھی۔

معاشی حالت:

اقتصادی اور معاشی معاملات ایسے تھے کہ قریش سال میں دو مرتبہ شام و یمن کی طرف دو تجارتی سفر کرتے اور ایک منڈی سے سامان لیکر دوسری منڈی میں فروخت کرتے تھے۔

اخلاقی حالت:

اخلاقی اعتبار سے بہت سی خوبیوں کے باوجود ان میں شراب نوشی، بے حیائی، ظلم، ناچ گانے کی مجالس، مال کمانے کے ناجائز طریقے اور قسوت قلب جیسی بیماریاں موجود تھیں۔

دینی حالت:

دینی اعتبار سے مکہ کرمہ ایک بت خانے کا منظر پیش کر رہا تھا، خود خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت، جبکہ خانہ کعبہ کے سامنے صفا و مروہ پر اساف اور نائلہ کے بت موجود تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ہر گھر بت کدہ بنا ہوا تھا۔

درس نمبر: ۲۱

دعوت

مراحل، موضوع، انداز، نتیجہ

محنت کا انداز:

مکی دور کی کل مدت ۱۳ سال ہے، اس عرصے میں آپ ﷺ نے مختلف گروہوں اور مختلف طبقات میں منتشر انسانوں کو ایک اسلامی امت میں جوڑنے کی دعوت دی، جس کی بنیاد نظریہ اور کردار پر تھی، علاقوں، زبانوں اور رنگوں کی اس میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔

اس دور کو سمجھنے کے لئے چار باتوں کا جاننا ضروری ہے:

۱۔ دعوت کے مراحل ۲۔ دعوت کا موضوع ۳۔ دعوت کا طریقۂ کار ۴۔ دعوت کا نتیجہ

(۱)...... دعوت کے مراحل:

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت (اندرونِ مکہ) ۳ سال

دوسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت (اندرونِ مکہ) ۷ سال

تیسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت (بیرونِ مکہ) ۳ سال

(۲)...... دعوت کا موضوع:

مکی دور میں بنیادی طور پر ایک امت بننے کی دعوت تھی اور امت کی بنیاد نظریئے اور کردار پر رکھی گئی اس لئے اس دور میں ایمانیات اور اخلاقیات کی دعوت اور تعلیم دی گئی۔

ایمانیات:

توحید: یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان جبکہ خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے بلکہ مکہ کا ہر گھر بت خانہ بنا ہوا تھا۔

رسالت: میں محمد، اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کیونکہ وحی اگر اپنی طرف سے ہوتی تو چالیس سال کے عرصے میں یہ بات کیوں نہ کی۔

قرآن: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، انسانوں کا کلام نہیں، کوئی انسان یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس جیسی کتاب لکھے جس میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق رہنمائی ہو۔

آخرت: جس طرح رات کو دنیا سو جاتی ہے اور صبح کو اُٹھ جاتی ہے، اس طرح ایک دن یہ ساری دنیا مستقل سو جائے گی اور اس کے کچھ عرصہ بعد پھر لوگ کھڑے ہونگے، محشر برپا ہو جائے گا، انسان نے دنیا میں جو کچھ کیا اس کا حساب وکتاب اور پھر بدلہ کا اعلان کیا جائے گا، بعض لوگ کامیاب ہوں گے، بعض ناکام ہوں گے، کامیاب لوگ اللہ کی رحمت کی جگہ "جنت" میں اور ناکام لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب کی جگہ "جہنم" میں روانہ کر دیئے جائیں گے۔

اخلاقیات:

عمدہ اخلاق وصفات: مثلاً صلہ رحمی، پاک دامنی، پڑوسی کے ساتھ بہترین برتاؤ، کمزوروں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم، بے حیائی، جھوٹ، چوری اور دیگر اخلاقی خرابیوں سے آپ ﷺ اجتناب کی تلقین کیا کرتے تھے۔

(۳)...... دعوت کا طریقہ:

آپ ﷺ نے سب سے اول اپنے گھرانے سے دعوت کا آغاز فرمایا، اس کے بعد اپنے خاندان بنی ہاشم کو دعوت دی، اس کے بعد قبیلہ قریش کو دعوت دی اور اس کے بعد تمام قبائل قریش میں دین کا پیغام پھیلایا۔

(۴)......دعوت کا نتیجہ:

جب اعلانیہ دعوت شروع ہوئی اور مکہ مکرمہ کی وادی اس دعوت سے گونج اٹھی، تب مکہ کی وادی میں ایک بھونچال سا آیا، زیادہ تر مخالفت اور کم تر حمایت کی شکل میں نتائج ظاہر ہونا شروع ہوئے۔

درس نمبر: ۲۲

دعوت کی مخالفت اور حمایت

مخالفت اور اس کے طریقے

چھ طریقوں سے اس دعوت کو روکنے کی کوشش کی گئی:

۱۔مصالحت ۲۔دھمکی ۳۔گھٹیا حرکتیں ۴۔ظلم وستم ۵۔جھوٹا پروپیگنڈا ۶۔ثقافت و کلچر

(۱)......مصالحت:

ابو طالب اور خود رسول اللہ ﷺ کے پاس کئی وفود آئے اور بڑے ہی نرم و میٹھے انداز میں آپ کو اس دعوت سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن آپ ﷺ بالکل متاثر نہ ہوئے بلکہ اپنی دعوت جاری رکھی۔

(۲)......دھمکی:

نرم انداز سے بات نہیں چلی تو دھمکیوں پر اتر آئے، لیکن آپ ﷺ پر ان دھمکیوں کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور آپ ﷺ نے اپنا مشن جاری رکھا۔

(۳)......گھٹیا حرکتیں:

نرم و گرم انداز دونوں بے اثر ثابت ہوئے تو کفار ذلیل حرکتوں پر اتر آئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی دو بیٹیوں رقیہ و اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہما کو طلاق دلوادی، آپ کے گھر کی طرف گندگی پھینکی گئی اور راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔

(۴)......ظلم وستم:

ظلم وستم کا باب تو بہت طویل باب ہے مختصراً کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا نماز کی حالت میں گلا دبایا گیا۔ سجدہ کی حالت میں آپ ﷺ کے اُوپر اوجھڑی ڈالی گئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا گیا کہ ان کا پورا چہرہ لہولہان ہوگیا اور سب کو موت کا یقین ہوگیا، آلِ یاسر کا خاندان ظلم وستم کا نشانہ بنا حتی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا شہید کردی گئیں، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اسی ظلم کو سہتے سہتے اللہ کو پیارے ہوگئے اور بیٹا عمار رضی اللہ عنہ تشدد سہتا رہا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے واقعات تو ضرب المثل بن گئے، دن کو مکہ کی تپتی ریت پر لٹایا جاتا، گھسیٹا جاتا، مارا جاتا، مارنے والے تھک جاتے، نمبر وار اور باری باری مارتے اور رات کو ایک کالی کوٹھری میں زنجیروں میں باندھ کر پھینک دیئے جاتے۔

حضرت اَبُو فُکَیْہَہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا علم جب امیہ کو ہوا تو حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر مقام "رَمْضَا" تک گھسیٹ کر لے جاؤ، مردہ جانوروں کی طرح گرم تپتی ریت پر لٹائے جاتے، پیاس کی شدت سے زبان باہر نکل آتی، حسرت سے ایک ایک کا منہ دیکھتے لیکن ظالموں کو رحم نہ آتا۔

خَبَّابْ بن اَرَتْ رضی اللہ عنہ اُمِّ اَنْمَارْ بنت سِبَاعْ کے غلام تھے اور تلواریں بنا کر فروخت کرتے تھے، جب ایمان لائے تو دولت وعزت، ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑا تختۂ مشق بنے، گرم انگاروں پر لٹایا جاتا جس سے ان کی کھال جل جاتی اور دردناک سزائیں برداشت کیں۔

حضرت عثمان، حضرت مُصْعَبْ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عثمان بن مَظْعُون، وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔(۱)

(۵)......جھوٹا پروپیگنڈا:

کفار نے لوگوں کو آپ سے دور رکھنے کیلئے مختلف پروپیگنڈے کئے کبھی کہا کہ آپ ﷺ جادوگر ہیں، کبھی کہا شاعر ہیں، کبھی کاہن کہا، کبھی مجنون کہا، کبھی جھوٹا کہا، کبھی کسی سے سیکھ کر لانے کی بات کی لیکن یہ سب وہ شوشے تھے جن کو اندرونِ خانہ کفار مکہ خود تسلیم نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے تھے۔

(۶)......ثقافت وکلچرل شو:

نظر بن حارث ایک گانا گانے والی عورت اور کچھ قصے کہانیاں خرید کر لایا، جب رسول اللہ ﷺ قرآن کی مجلس لگا کر لوگوں کو متوجہ کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا پیغام سنا کر اللہ کی طرف دعوت دیتے، ایسے وقت وہ اپنی مجلس لگا کر لوگوں کو گانا سناتا، قصے سناتا کلچرل شو منعقد کرتا اور کہتا کہ وہاں مت جاؤ! اِدھر آؤ!

گویا شروع دن سے قرآن کریم کے مقابلہ میں گانے کو لایا گیا ہے۔

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۲۲۵ تا ۲۲۷ طبع الالف سنز، الرحیق المختوم ص ۱۲۲ تا ۱۳۰ طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور

دعوت کی حمایت اور اس کے طریقے

حق کی دعوت جب چلی تو مخالفت کی فضاء میں دو طریقوں سے اس کی حمایت بھی ہوئی:

۱۔ نئے لوگوں کا قبولِ اسلام ۲۔ پرانے لوگوں کا مظاہرۂ صبر واستقامت

نئے لوگ اسلام قبول کر رہے تھے اور پرانے لوگ ہر قسم کی قربانیوں کے ذریعے صبر واستقامت کا مظاہرہ کر کے اسلام کی دعوت اور حقانیت کو عام کر رہے تھے۔

(۱)......نئے لوگوں کا قبولِ اسلام:

مکہ میں ظلم وستم کا طوفان جب پوری شدت کے ساتھ اسلام سے ٹکرانے لگا، خوف وخطرات کے سائے ہر طرف منڈلانے لگے، اسی گھٹن کے ماحول اور تاریک رات میں کچھ لوگ کفر کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آنے لگے خاص طور پر اس تاریک رات میں دو ستارے کچھ اس طرح طلوع ہوئے کہ کفر کے ایوان میں زلزلہ برپا ہوگیا، مکہ کے دو مشہور سپوت، کفر کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے یہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر تھے۔

(۲)......پرانے لوگوں کا مظاہرۂ صبر واستقامت:

عین اس وقت جب دشمنانِ اسلام اور کفارِ عرب ظلم وستم کا بازار گرم کر کے حامیانِ حق اور نبی آخر الزمان کے جاں نثاروں کو زور زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر اسلام سے پھیرنے اور واپس اپنے مذہب میں لانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مظالم کو برداشت کر کے اسلام کے لیے قربانیوں کی تاریخ رقم کر رہے تھے اور آنے والی نسل کو اسلام اور حق پر جمنے اور مر مٹنے کا انداز سکھا رہے تھے۔

یہ مکی دور کا اجمالی بیان تھا، اب تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے!

بعثت مبارکه

- ...... خلوت نشینی
- ...... سچے خواب
- ...... آغازِ وحی

درس نمبر: ۲۳

بعثت مبارکہ

خلوت نشینی:

جب رسول اللہ ﷺ کی عمر ۴۰ سال ہوئی تو آپ کو گوشہ نشینی اور تنہائی محبوب ہونے لگی اور اجتماعی ماحول سے آپ دور رہنے لگے کیونکہ لوگوں کا بتوں کے سامنے سجدہ کرنا، انسانیت کا احترام نہ کرنا اور دیگر وہ خرابیاں جو جاہلی معاشرہ میں پھیلی ہوئیں تھیں ان سب کو دیکھ کر آپ معاشرے سے بیزار ہوئے اور اکیلے رہنے لگے، آپ توشہ لے کر مکہ مکرمہ کے ایک پہاڑ "جبل نور" کی طرف چلے جاتے اور اس کی چوٹی پر "حرا" نامی غار میں کئی کئی راتیں گزار دیتے۔

خلوت نشینی مستقل طور پر اختیار کرنا اگرچہ انسانی فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ انسان کی طبیعت میں تمدن اور اجتماعیت ہے، لیکن کچھ وقت خلوت کے لئے نکالنا اور اس میں اپنی زندگی کی تنظیم، اپنی مصروفیات اور اپنے اہداف پر نظر ڈالنا، اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا محاسبہ کرنا دراصل کامیابی کا زینہ اور کامیاب لوگوں کی شاہراہ ہے، اس سے انسان اپنے عیوب اور غلطیوں سے واقف ہو جاتا ہے، ورنہ اپنی کوتاہیوں سے بے خبری انسان کو بھیانک انجام سے دوچار کرتی ہے۔

آپ ﷺ خلوت نشینی اختیار کرتے تھے اور یہ خلوت نشینی بھی عبادت تھی، اس سے یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ آپ پیغمبر بنے ہی نہیں تھے تو آپ ﷺ کون سی عبادت کرتے تھے؟ کیونکہ کسی غلط ماحول سے الگ ہو جانا بھی مستقل عبادت ہے۔(۱)

سچے خواب

کچھ عرصے بعد آپ ﷺ کو سچے خواب آنا شروع ہو گئے، چھ مہینے تک مسلسل آپ ﷺ کو یہ خواب آتے رہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ "آپ ﷺ کوئی بھی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح سچا ہو کر سامنے آجاتا تھا۔"(۲)

خواب کی حقیقت:

حدیث پاک میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"(۳)

اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی نبوت کی مدت ۲۳ سال ہے اور چھ مہینے ان ۲۳ سالوں کا ۴۶ واں حصہ بنتا ہے کیونکہ اگر ان ۲۳ سالوں کو آپ ۴۶ پر تقسیم کیا جائے تو ایک حصہ چھ مہینے کا بنے گا اور آپ ﷺ کو خواب بھی چھ مہینے ہی آئے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

(۱) سیرت مصطفیٰ ج ۱ ص ۱۴۴ (۲) بخاری باب کیف کان بدء الوحی ج ۱ ص ۲ (۳) فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۸۵ باب رؤیا صالحین

اور آپ ﷺ نے فرمایا: لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ "نبوت ختم ہوگئی لیکن سچے خواب باقی ہیں۔"(۱)

اس حدیث کی تشریح یوں ہے کہ عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں: پہلا طریقہ حواس ہے یعنی کسی چیز کو دیکھیں، سنیں، چکھیں، چھوئیں، دوسرا طریقہ عقل ہے، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں۔ لیکن یہ خیال ٹھیک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرا ذریعہ بھی رکھا ہے جسے وحی کہتے ہیں اور اس کی حقیقت بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ بھی عام انسانوں کو عطا کیا ہے جسے خواب کہا جاتا ہے، کہ نیند کی حالت میں انسان دیکھتا ہے، سنتا ہے، بولتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کو کسی بات کا علم حاصل ہوتا ہے حالانکہ نیند کی حالت میں انسان کے تمام حواس اور عقل معطل ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ علم کے کچھ اور ذرائع بھی ہیں جن کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے، چنانچہ وحی اس کا بڑا درجہ اور خواب اس کا چھوٹا درجہ ہے۔

درس نمبر: ۲۴

آغازِ وحی

پہلی وحی:

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوئی تو ۱۷ رمضان المبارک بمطابق ۱۶ اگست ۶۱۰ عیسوی کو آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: سب سے پہلے آپ ﷺ کو سچے خواب آنا شروع ہوئے پس آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتا، پھر آپ ﷺ کو خلوت اور تنہائی میں رہنا پسند ہونے لگا، چنانچہ آپ ﷺ چند روز کا توشہ لے کر غارِ حرا جاتے، وہاں عبادت کرتے رہتے، توشہ ختم ہونے پر گھر لوٹتے اور پھر توشہ لے کر جاتے، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا کہ ایک دن آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور آپ سے کہنے لگا: پڑھیے! آپ ﷺ نے فرمایا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس نے آپ کو سینے سے لگایا اور دبایا، آپ ﷺ فرماتے ہیں "مجھے سخت تکلیف ہوئی"۔ تین مرتبہ فرشتے نے یہ بات اور عمل دہرایا اور تیسری بار کے بعد یہ آیتیں پڑھوائیں:

﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ. الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾(۲)

"پڑھیے! اس رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیے اور یقیناً آپ کا رب بہت مہربان ہے، جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعے، تعلیم دی انسان کو اس چیز کی جس کا اس کو علم نہ تھا"۔

(۱) بخاری، کتاب التعبیر (۲) سورہ علق: ۱۔۵

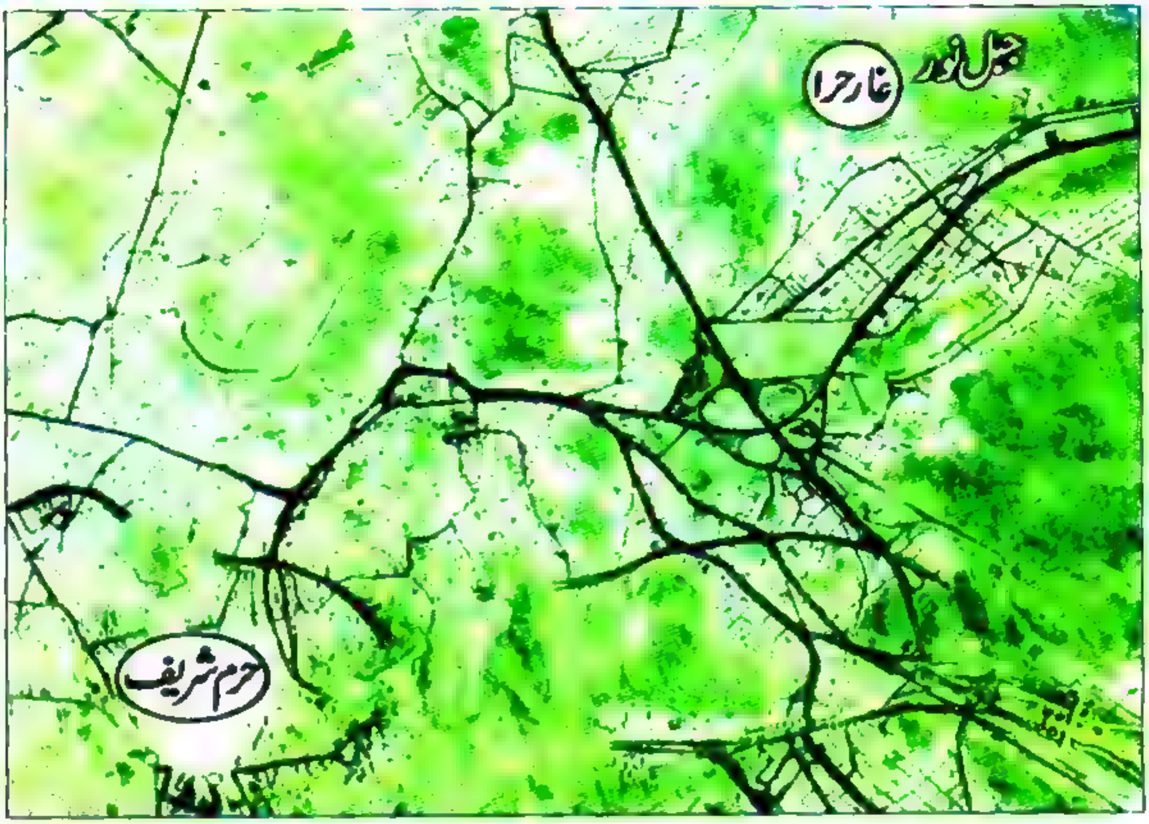

جبل نور اور غار حرا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی حرم شریف سے سمت

ان آیات کو لے کر آپ اس حال میں لوٹے کہ آپ کا دل دھڑک رہا تھا. آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: مجھے چادر اوڑھا دو! مجھے چادر اوڑھا دو! انہوں نے چادر اوڑھا دی کچھ دیر کے بعد جب آپ سے خوف کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا بیان کیا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے. حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز نہیں. اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی تنہا نہیں کریں گے. آپ رشتوں کو جوڑتے ہیں. سچ بات کہتے ہیں. دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں. غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لیے کماتے ہیں. مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ مشکلات میں معاونت کرتے ہیں۔ پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس سے کہا: چچا کے بیٹے! اپنے اس بھتیجے کی خبر لو! ورقہ نے آپ سے کہا: بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ آپ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا: یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا. اے کاش! میں اس وقت طاقتور جوان ہوں. اے کاش! میں زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ واقعی مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! کوئی بھی شخص نہیں لایا اس جیسی چیز جو آپ لائے ہیں، مگر اس کے ساتھ دشمنی کی گئی اور اگر میں زندہ رہا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا. پھر ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہا

(۱) بخاری باب بدء الوحی

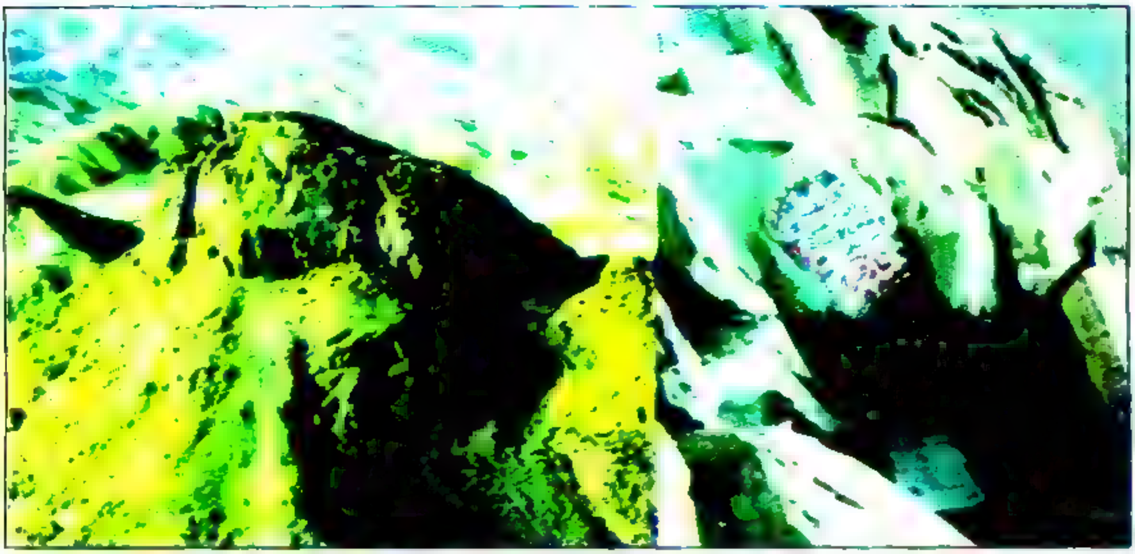

جبل نور اور غار حرا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی

اور جلد ہی وفات پا گیا اور وحی آنا بند ہو گئی۔ (۱)

فترتِ وحی:

یہ پہلی وحی تھی پھر کچھ عرصہ وحی آنا بند ہو گئی، اس عرصے کو "فَتْرَة" کا زمانہ کہا جاتا ہے، اس کی مدت میں مختلف اقوال ہیں: بعض نے دس دن کہا ہے، بعض نے چھ ماہ ذکر کیا ہے لیکن راجح چند دن ہیں۔ (۱)

دوسری وحی:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (۲)

اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جائیے! لوگوں کو خطرناک انجام سے ڈرائیے! اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے! اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے! گندگی کو چھوڑ دیجئے! اس لئے کسی کے ساتھ احسان نہ کیجئے کہ آپ کو زیادہ مل جائے اور اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیجئے!۔

اس وحی سے رسالت وتبلیغ کا آغاز ہوا۔ (۳)

(۱) الرحیق المختوم ص ۱۰۱۔۱۰۲ (۲) سورۃ المدثر ۱۔۷ (۳) السیرۃ النبویۃ ص ۱۲۴ ج ۱

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت

- دعوت کا مرکز
- دعوت کا انداز
- دعوت کے نتائج
- عبرت وموعظت

درس نمبر: ۲۵

خفیہ دعوت (اندرونِ مکہ)

مدت: تین سال

رسول اللہ ﷺ کو جب نبوت اور رسالت ملی اور آپ کو دعوت وتبلیغ کا حکم کیا گیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حکمت اور بصیرت کے ساتھ مرحلہ وار اس ذمہ داری کو ادا کیا. چنانچہ سب سے پہلے مرحلے میں تین سال تک آپ ﷺ نے خفیہ انداز میں کام کیا، افراد، مقام اور وقت کی رعایت رکھتے ہوئے دعوت کا سلسلہ چلا اس حوالے سے کچھ باتیں اہم ہیں جن کو ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)......دعوت کا مرکز:

چونکہ کفار کی جانب سے شرارت کا خدشہ تھا لہٰذا تعلیمی اور دعوتی سلسلے کو خفیہ رکھنے کی حکمت عملی اختیار کی گئی، اس مقصد کے لئے حضرت ارقم مخزومی کا گھر جو کوہِ صفا کے پاس واقع تھا مرکز کے طور پر انتخاب کیا گیا. کیونکہ اس میں تین باتیں ایسی تھیں جو اس اجتماع کو خفیہ رکھنے میں معاون تھیں:

......حضرت ارقم کا قبولِ اسلام اتنا مشہور نہیں تھا، اس لیے ان کے گھر پر نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کا اجتماع کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔

......حضرت ارقم بنو مخزوم قبیلہ سے تھے جو قبولِ اسلام سے پہلے اسلام کی دشمنی میں بہت آگے تھا، ابو جہل اسی قبیلہ کا تھا، اس وجہ سے بھی کسی کی توجہ مسلمانوں کے اس اجتماع کی طرف نہیں جا سکتی تھی۔

......حضرت ارقم تقریباً سولہ سال کے جوان تھے، تو اتنا سنجیدہ اجتماع ایک لڑکے کے گھر میں منعقد ہو، اس جانب بھی کسی کی توجہ نہ ہوئی۔

(۲)......دعوت کا انداز:

ان پورے تین سالوں میں آپ ﷺ خفیہ دعوت دیتے رہے، ہر جگہ اور ہر کسی سے بات نہ کرتے تھے، دارِ ارقم جو مسلمانوں کا خفیہ مرکز تھا وہاں نووارد شخص کو لے جا کر اسلام کی دعوت دی جاتی تھی. حضرت علی رضی اللہ عنہ نئے آنے والے متلاشیانِ حق کو نظر میں رکھتے تھے اور انہیں دارِ ارقم تک پہنچانے کا انتظام کرتے تھے. حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ واقعہ اس کی مثال ہے۔(۱)

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۸۱

دارارقم میں نصاب تعلیم:

دارارقم کا نصاب قرآن کریم تھا۔ جہاں رسول اللہ ﷺ معلّم تھے۔ آپ اپنے صحابہ کو وحی کی تعلیم سے روشناس کراتے اور پھر ان تعلیمات پر عمل کا طریقہ سکھاتے تھے اور یہاں سے آپ ﷺ کے صحابہ داعی و معلّم بن کر نکلتے اور مکہ مکرمہ کے گھروں میں اُن لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے جو اسلام قبول کر چکے ہوتے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصے میں آتا ہے کہ ان کی بہن کے گھر میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سعید رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔

مسجد حرام میں صفا مروہ کے درمیان واقع دارارقم کا محل وقوع

(۳)......دعوت کے نتائج:

آپ ﷺ نے جب تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا تو سب سے پہلے اپنے گھر کے افراد کو اسلام کی دعوت دی، اس کے نتیجے میں سب سے اول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر زید بن حارثہ اور آپ ﷺ کی صاجزادیاں ایمان لائیں، یہ سب حضرات اوّلین مسلمانوں میں سے ہیں، گویا رسول اللہ کا گھرانہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا ہے، پھر آپ ﷺ نے گھر سے باہر خفیہ طور پر اسلام کی تبلیغ شروع کی، جس کے نتیجے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ایمان لانے کے بعد اسلام کی دعوت میں لگ گئے، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم ایمان لاکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۱)

پھر آہستہ آہستہ اور لوگ بھی اسلام لائے، جن میں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت صہیب رومی حضرت عمار، حضرت یاسر، حضرت سمیہ، حضرت جعفر ابن ابی طالب، حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم سرفہرست ہیں۔

اِس پوری ترتیب سے کچھ باتیں خصوصاً دعوت اور اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے اور عموماً پوری امت کے لئے انتہائی قابل توجہ ہیں:

آپ ﷺ نے دعوت اور اصلاح کا کام اپنے گھر سے شروع کیا، عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دعوت اور اصلاح کا کام کرنے والے اکثر اپنے گھروں سے بے خبر ہوتے ہیں اور اپنے گھر کی اصلاح کے لئے اُن کے پاس وقت نہیں ہوتا۔

دوسری بات حضرت ابو بکر مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اِس مشن کا حصہ بن گئے چنانچہ اُن کی محنت سے ابتداء اسلام میں ایک جماعت نے اسلام قبول کیا اِس سے امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ امت کے تمام افراد رسول اللہ ﷺ کے مشن کو اپنا مشن بنالیں اور جہاں تک اُن کی آواز جاتی ہے وہ حق کی اِس آواز کو اپنے قول و عمل سے دوسروں تک پہنچائیں۔

(۴)......عبرت و موعظت:

تین سال کے اس عرصہ میں یہ دعوت جو خفیہ چلی، یہ کسی بزدلی یا ڈر کی بنیاد پر نہیں بلکہ وحی الٰہی اور حکمت عملی کی بنیاد پر تھی کہ خاموشی کے ماحول میں ایسی مضبوط جماعت کی بنیاد رکھ دی جائے جو آئندہ کے تمام حالات میں پورے استقامت، حکمت اور جرأت کے ساتھ حق کی دعوت کا فریضہ نبھا سکے اور باطل کا کوئی حربہ کوئی داؤ اس دعوت پر اثر انداز نہ ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پھونک پھونک کر تلاش کی جانے والی اس جماعت نے آئندہ کے حالات میں پیغمبر ﷺ کے دست و بازو آپ کے خاص

(۱) السیرۃ النبویۃ للصلابی ج ۱ ص ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۲

مشیر اور آپ کی وفات کے بعد اس امت کی قیادت کا کردار ادا کیا اور ان میں سے ہر ایک دین اسلام، دین حق کی نشانی اور حوالہ بن گیا۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی بھی محنت کا آغاز خاموشی، استقلال اور استقامت کے ساتھ ہونا چاہیے، آغاز میں شور شرابا اور اشتہار بازی کی ضرورت نہیں، خاموشی اور مضبوط بنیادوں پر شروع ہونے والے کام کے نتیجہ میں تیار ہونیوالے افراد ہی اس کا بہترین اشتہار بنیں گے اور آغاز میں ہر اینٹ کو اس کی مناسب جگہ میں رکھنے سے آئندہ کی تعمیر آسان اور مضبوط بنے گی، مزید یہ کہ آغاز ہی میں ٹکراؤ اور مقابلے کی فضاء سے محنت کا دائرہ سکڑ کر رہ جاتا ہے اور محنت کرنے والوں کی توجہ اپنے کام کے بجائے دوسری جانب تقسیم ہو جاتی ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نئے آنے والوں کا راستہ بھی تنگ ہو جاتا ہے اور پرانے لوگوں کی تربیت کا بھی صحیح انداز نہیں بنتا اس لئے ایک نظریاتی اور باکردار جماعت بننے کے بجائے محض ایک متعصب اور تنگ نظر جماعت وجود میں آتی ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کس طرح پھیلا ہے؟ کیا اسلام زور اور طاقت سے پھیلا یا زور اور طاقت اس کے مقابلے میں آیا ہے اور اسلام نے پہلے مرحلے میں پوری حکمت کے ساتھ زور اور طاقت کے بغیر انصاف پسند طبقے تک اپنا نور پھیلایا ہے، پاک فطرت والے لوگوں نے پوری طرح سوچ بچار کے بعد اس کی سچائی کی گواہی دی ہے۔

دوسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت
(اندرونِ مکہ)

- اعلانیہ دعوت کا انداز
- دعوت کے نتائج
- ہجرت حبشہ
- معاشرتی بائیکاٹ
- عام الحزن

درس نمبر: ۲۶

اعلانیہ دعوت (اندرونِ مکہ)

مدت: سات سال

تین سالہ خفیہ دعوت کا مرحلہ گزرنے کے بعد علانیہ دعوت کا کام شروع ہوا۔

اعلانیہ دعوت کا انداز:

تین سال کے بعد قرآن کریم کی ایسی آیات اُتریں جن میں اعلانیہ دعوت کا حکم تھا اور کھل کر دعوت اسلام دینے کی تلقین تھی، وہ آیات یہ ہیں:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱)

"آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے! اور اپنے پیروکار ایمان والوں کے ساتھ شفقت اور تواضع کا تعلق رکھئے!"

﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ﴾ (۲)

"آپ کہہ دیجئے! میں تو کھل کر پوری وضاحت کے ساتھ ڈرانے والا ہوں!"

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۳)

"آپ کھل کر سنا دیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے!"

اِن آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ پوری تندہی اور ولولے کے ساتھ دعوت کے کام میں لگ گئے، یہ مرحلہ یعنی مکہ مکرمہ کے اندر اعلانیہ دعوت سات، سال پر محیط ہے، اعلانیہ دعوت کا حکم ملنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مرحلہ وار تین طبقات کو دعوت دی ہے:

۱۔خاندان کو دعوت ۲۔قریش کو دعوت ۳۔عام عرب کو دعوت

(۱)......خاندان کو دعوت:

سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے "سُوْقُ اللَّيْلِ" کے محلے میں ابوطالب کے مکان پر اپنے قریبی رشتہ داروں کی دعوت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، آپ کے چچا، پھوپھیاں وغیرہ سب جمع ہوئے، دعوت میں بکری کا گوشت اور دودھ تیار کیا گیا، کھانے سے فراغت کے بعد آپ علیہ السلام بات کے لیے کھڑے ہوئے لیکن ابولہب نے ساری مجلس درہم برہم کر دی اور موجود لوگوں سے کہا کہ یہ جادوگر ہے، اتنا کم کھانا سب کے لیے کافی ہوگیا اور اب مزید جادو کرنا چاہتا ہے، اس کی بات مت

(۱) الشعراء: ۲۱۵،۲۱۴ (۲) الحجر: ۸۹ (۳) الحجر: ۹۴

سنو! اس طرح یہ مجلس بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی، دوسرے دن پھر آپ ﷺ نے رشتہ داروں کو جمع کیا، کھانے کا انتظام کیا اور کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور درج ذیل کلمات میں اپنے خاندان کو دعوت دی:

إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَه وَ اللهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا كَذَبْتُكُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا غَرَرْتُكُمْ وَاللهِ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَاللهِ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءً وَإِنَّهَا الْجَنَّةُ أَبَدًا أَوْ لَنَارٌ أَبَدًا، يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مَا أَعْلَمُ شَابًّا جَاءَ قَوْمَه بِأَفْضَلَ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهِ إِنِّيْ جِئْتُكُمْ بِأَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

"قافلے سے آگے چلنے والا قافلے سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم! اگر بالفرض میں عام لوگوں سے جھوٹ بولوں تو آپ سے کبھی نہ بولوں گا، اگر میں اور لوگوں کو دھوکہ دوں تو آپ کو کبھی بھی نہ دوں گا، اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تمہاری طرف خاص طور پر اور عام لوگوں کی طرف عام طور پر اللہ کا پیغمبر ہوں، اللہ کی قسم! تم پر ایسی ہی موت آجائے گی جیسے تم سوتے ہو اور ایسے ہی زندہ کیے جاؤ گے جیسے جاگ جاتے ہو، تم سے ضرور تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا، تمہارے اچھے اور برے عمل کا اچھا اور برا بدلہ دیا جائے گا اور پھر ہمیشہ کی جنت ہوگی یا جہنم۔ اے بنی عبد المطلب! میں نہیں جانتا کوئی جوان جو اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر پیغام لایا ہو، میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی و کامیابی کا پیغام لایا ہوں!"

جب آپ ﷺ اپنی دعوت سے فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں جسم سے تو کمزور ہوں، لیکن اس دعوت میں آپ کے ساتھ ہوں! باقی کسی نے کوئی خاص تائید نہیں کی۔ (۱)

(۲)......قریش کو دعوت:

رسول اللہ ﷺ "صَفَا" کی پہاڑی پر یا جبل ابو قیس پر چڑھے، کپڑا اہلا کر "یا صباحا" کی صدا لگائی، قوم کو پہاڑ کے دامن میں جمع کیا اور ان الفاظ میں ان کو دعوت دی:

إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ تُرِيْدُ أَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا قَالَ فَإِنِّيْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ

"اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک لشکر تم پر حملہ کرنے کے ارادے سے کھڑا ہے تو کیا میری تصدیق کرو گے؟ قوم نے کہا: ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا پایا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش! میں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں کھل کر ڈرسناتا ہوں!"

(۱) تفسیر ابن کثیر: سورۃ الشعراء، السیرۃ الحلبیہ ۱/ ۲۹۱، دار المعرفہ بیروت

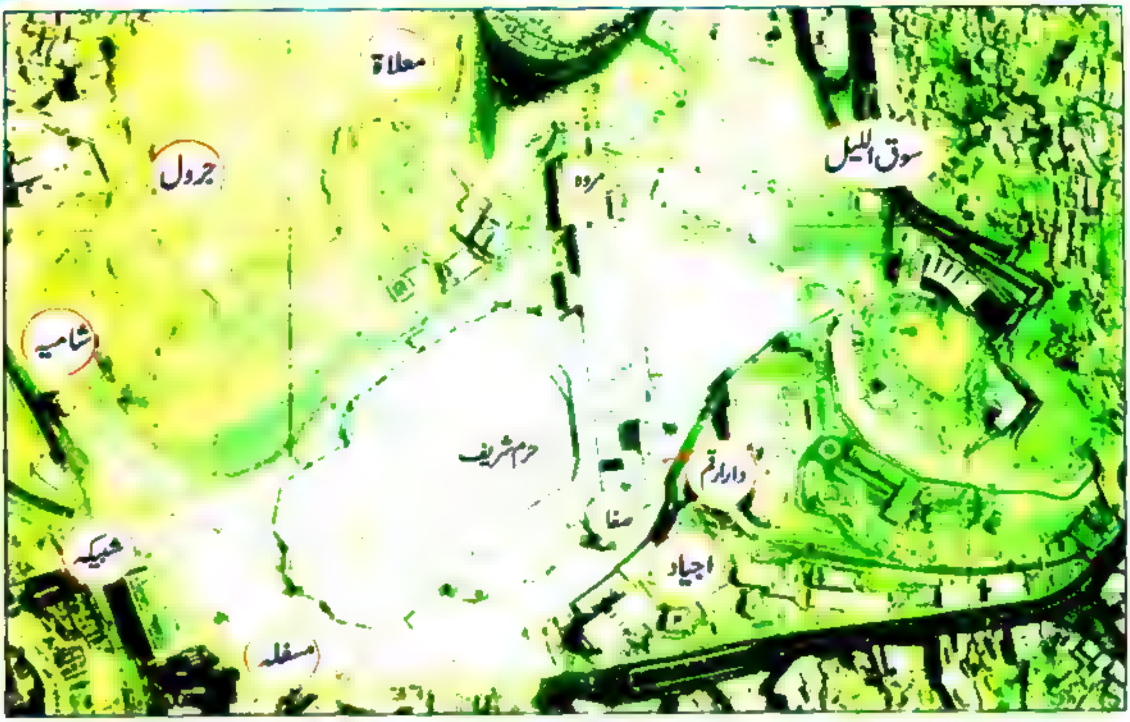

سوق اللیل میں واقع ابو طالب کے مکان پر خاندان کو دعوت اور کوہ صفا پر قوم کو دعوت دونوں جگہیں نمایاں ہیں

کوہ صفا کی قدیم اور جدید تصویریں جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی آواز بلند کی تھی

یہاں بھی باقی قوم خاموش رہی، ابولہب نے مخالفت کی اور سخت الفاظ کہے کہ آپ کے ہاتھ ٹوٹ جائیں، ہمیں یہاں اس لئے جمع کیا تھا، اس کے جواب میں سورۂ لہب نازل ہوئی۔ (۱)

(۳)......عرب کو دعوت:

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں گھوم پھر کر عام لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتے رہے، مکہ مکرمہ کے پڑوس

(۱) صحیح البخاری: کتاب التفسیر سورۃ الشعراء۔

میں تین منڈیاں لگتی تھیں: مَجِنَّة. عُکَاظ اور ذُوالْمَجَاز، جہاں پورے جزیرے سے لوگ آتے. مجنہ کی منڈی یکم ذی قعدہ سے بیس ذی قعدہ تک لگتی، اس کے بعد عکاظ کی منڈی ذی قعدہ کے آخری دس دن لگتی اور آخر میں ذوالحجہ کے آٹھ دن ذوالمجاز کی منڈی لگتی اور یہاں سے فارغ ہو کر لوگ حج کے لیے چلے جاتے. رسول اللہ ﷺ ان منڈیوں میں گھوم پھر کر اور خیموں میں جا جا کر لوگوں کو ان الفاظ میں اسلام کی دعوت دیتے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا. يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا.

"اے لوگو! تم لا الہ الا اللہ پڑھ لو! تم کامیاب ہو جاؤ گے. اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ!" (۱)

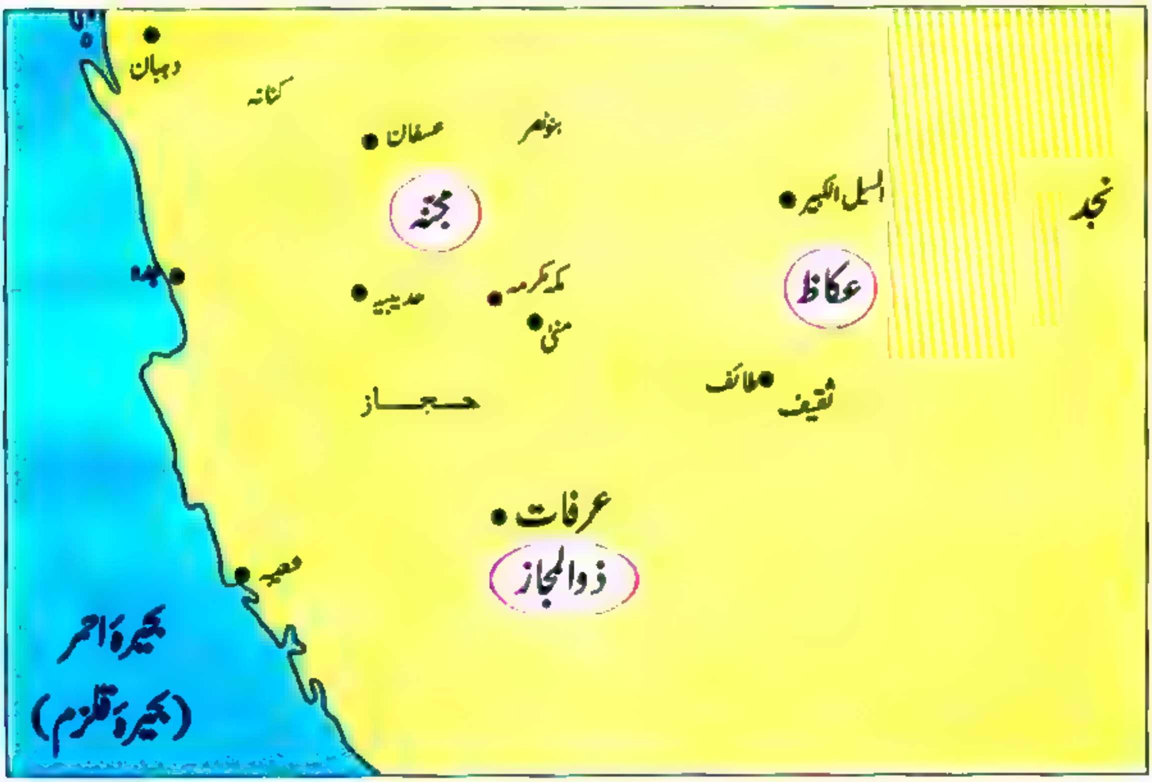

مکہ مکرمہ میں علانیہ دعوت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز کی منڈیوں میں گشت

راہ خدا کا پہلا شہید:

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان فرمایا، کفارِ قریش یہ سن کر ٹوٹ پڑے، ہنگامہ برپا ہو گیا، اہل ایمان بھی دوڑے آئے، ان میں حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے بیٹے) بھی تھے. شمعِ رسالت کے پروانے آپ کی حفاظت کے لئے ٹوٹ پڑے، تلواریں چل پڑیں اور حارث بن ابی ہالہ نے راہِ حق میں

(۱) عیون الاثر ۱/۱۱۹ ط دار القلم بیروت

جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔امت محمدیہ کی تاریخ میں حق و باطل کی آویزش اور ٹکراؤ میں یہ پہلا خون اور پہلی قربانی تھی جو پیش کی گئی۔

درس نمبر: ۲۷

وُفودِ قریش

قریش کا پہلا وفد ابو طالب کے پاس:

سردارانِ قریش ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: اے ابو طالب! تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں اور معبودوں کو برا کہتا ہے، ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے، بہتر ہے کہ اس کو ان باتوں سے باز رکھو! ورنہ اس کی حمایت سے الگ ہو جاؤ! ہم تمہاری خاطر چپ ہیں۔ابو طالب نے ان کو نرمی سے سمجھایا اور خوش اُسلوبی سے ان کا مطالبہ ٹال دیا۔(۱)

ذہنی اذیت کا راستہ:

ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط آپ ﷺ کے پڑوسی تھے، آپ کے گھر میں گندگی پھینکنے اور دروازے کے پاس کوڑا کرکٹ ڈالنے لگے۔ابولہب کے دو بیٹوں عُتْبَہ اور عُتَیْبَہ کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں اُمِّ کُلْثُوم اور رُقیّۃ تھیں۔ابولہب نے دباؤ ڈال کر یہ دونوں نکاح تڑوا دیئے بعد میں یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ "ذُو النُّورَین" کہلائے۔اُدھر ابوالعاص پر دباؤ ڈالا کہ حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو طلاق دیدیں لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

قریش کا دوسرا وفد اور مطالبہ:

رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام تیز کر دیا توحید کی حقانیت اور شرک کے غلط ہونے و بہت واضح، سادہ اور مدلل انداز میں سمجھانے لگے، یہ حال دیکھ کر مشرکین کا دوسرا وفد ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ ہمارے بزرگ ہیں، آپ کی وجہ سے ہم خاموش ہیں، پچھلی دفعہ بھی ہم نے آپ سے بات کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔اب یا تو اپنے بھتیجے کو روک دیں یا ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں کہ دونوں گروہوں کے مابین حتمی فیصلہ ہو اور ایک باعزت اور دوسرا ذلیل و رسوا ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ ابھی تک یہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو طالب نے اپنے بیٹے عقیل کو بھیج کر آپ ﷺ کو بلایا اور کفار کے مطالبہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: جس طرح سورج اپنی روشنی روکنے پر قادر نہیں، اسی طرح میں اپنے کام کو چھوڑنے پر قادر نہیں، جب وہ لوگ چلے گئے اور ابو طالب نے اپنی عاجزی اور بے بسی کا ذکر کیا تو آپ علیہ السلام نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

"ربِ ذوالجلال کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور مجھ سے مطالبہ کریں کہ میں دعوت اسلام سے باز آجاؤں! تو یہ ناممکن ہے۔اب یا تو اللہ اس دین کو غالب کر دے گا یا

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/ ۳۰۲ طبع بیروت

میں اس راہ میں قربان ہو جاؤں گا''(۱)

تشدد کا راستہ:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل نے عقبہ بن ابی معیط سے کہا: اُونٹ ذبح ہوا ہے۔ اس کی تازہ اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کیا مزا آئے گا اگر یہ محمد کی گردن پر رکھ دی جائے۔ عقبہ اٹھا اور اوجھڑی لے آیا۔ عین اس وقت جب آپ ﷺ حالت سجدہ میں تھے بد بخت نے یہ گندگی آپ ﷺ پر ڈال دی اور سارے کفار قہقہے لگانے لگے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اُس کو ہٹایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کی طرف دیکھا اور تین مرتبہ فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ "اور پھر اُن کے نام لے کر بد دعا دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے بدر کے دن دیکھا کہ وہ سب منہ کے بل گھسیٹ کر گڑھے میں ڈالے گئے۔(۲)

اسی عقبہ نے ایک دن نماز کی حالت میں آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر اتنا زور سے کھینچا، آپ ﷺ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے۔ اُس کو دھکا دیا، چادر کا سرا چھین لیا، رسی کے بل کھول دئے اور اس سے وہ بات کی جو قوم فرعون کے رجل مؤمن نے کہی تھی:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاۗءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ (۳)

کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے۔

درس نمبر: ۲۸

ہجرت حبشہ

پہلی ہجرت: (رجب ۵ نبوی)

جب ظلم وستم اپنے آخری حدود کو چھونے لگا اور صحابہ کرام پر زندگی تنگ کر دی گئی، ان کے لئے دین حق پر رہنا مشکل بنا دیا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دیدی اس میں دنیا کے لئے پیغام ہے کہ وطن عزیز کی قربانی ہو سکتی ہے لیکن ایمان کی جدائی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ رجب ۵ نبوی میں، ۱۱ مرد اور ۵ خواتین پر مشتمل ایک قافلہ مکہ مکرمہ کی سرزمین سے ہجرت کر کے حبشہ پہنچا۔

حبشہ کی جانب ہجرت اولیٰ کرنے والوں کے نام:

(۲،۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ

(۱) سیرت ابن ہشام ۱: ۳۰۳ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت (۲) بخاری کتاب الجہاد باب الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ (۳) بخاری کتاب التفسیر سورۃ المؤمن

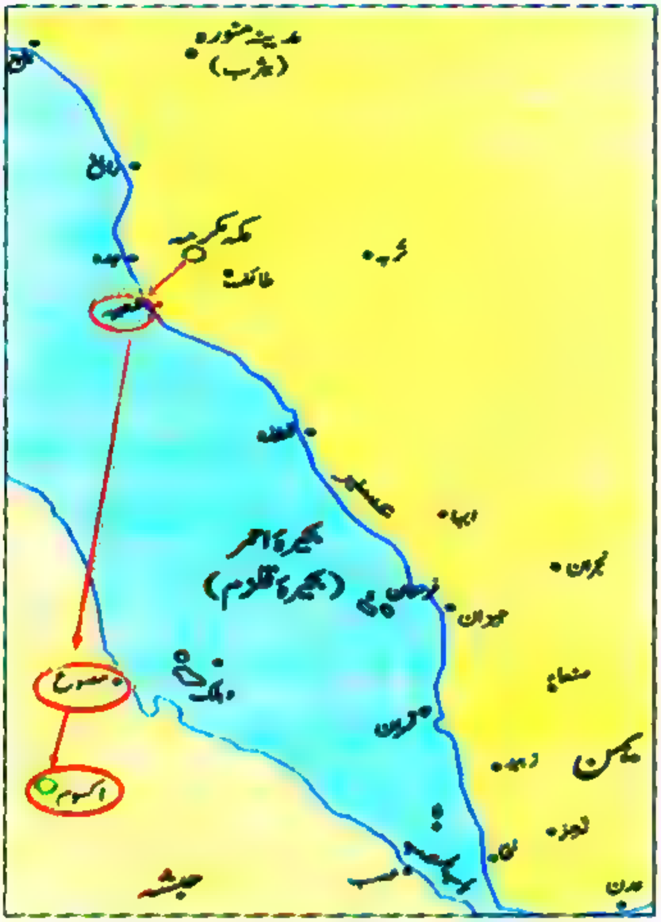

مکہ مکرمہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کا راستہ

(۳،۴) حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بن عتبہ اور
ان کی بیوی سہلہ رضی اللہ عنہا بنت سہیل
(۵،۶) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد
اور ان کی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت امیہ
(۷،۸) حضرت عامر رضی اللہ عنہ بن ربیعہ
اور ان کی بیوی لیلیٰ رضی اللہ عنہا بنت ابی خیثمہ
(۹) حضرت ابوسبرۃ رضی اللہ عنہ بن ابی رہم
اور ان کی بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت سہیل
(۱۰) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام
(۱۱) حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف
(۱۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون
(۱۳) حضرت ابوحاطب رضی اللہ عنہ بن عمرو
(۱۴) حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بن بیضاء
(۱۵) حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر

اس جماعت کے امیر ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔(۱)

حضرت حمزہ اور حضرت عمر کا قبولِ اسلام ۵ نبوی:

ظلم و بربریت کی چکی پوری تیزی سے گھوم رہی تھی تشدد اور اذیت کی گھٹائیں پوری طرح چھائی ہوئی تھیں کہ اس تاریخ رات میں دو ستارے طلوع ہوئے، مکہ کی فضاؤں میں ایک خبر سنی گئی جس کی گونج دور تک سنائی دی جس سے اہل ایمان میں خوشی اور حوصلے کی لہر دوڑ گئی جبکہ مشرکین اور کفار میں غم و غصہ اور جنون کے جذبات جوش مارنے لگے جب قریش کے دو بڑے سپوت، شجاعت اور جرأت کے پیکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفر کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں داخل ہوئے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آئے تو یہ اطلاع ملی کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے برا بھلا کہا پھر آپ کو پتھر دے مارا ہے۔ اس اطلاع نے غضب ناک کر دیا، نیزا ہاتھ میں لے کر سیدھا مطاف خانہ کعبہ پہنچے، سرداران قریش کی مجلس

(۱) سیرت المصطفیٰ ۱/ ۲۲۵،۲۴۳ طبع پی ایس ایف

جمی ہوئی تھی ،ابوجہل کے سر پر نیزہ مار کر کہا تو نے جو حرکت کی ہے اس کی مجھے اطلاع مل گئی ہے کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میں اپنے بھتیجے کے دین پر ہوں! یہ بات صرف جذبات میں کہی ،دل سے قائل نہ تھے، پھر خود تردد میں پڑ گئے .آخر اللہ تعالی نے اسلام کے لیے ان کا سینہ کھول دیا۔(۱)

کچھ دن کے بعد حضرت عمر آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے نکلے ،راستے میں حضرت ابونعیم صحابی ملے ،ابونعیم نے ارادہ پوچھا تو عمر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا عزم ظاہر کیا ،ان سے کچھ تلخ کلامی ہوئی ،ابونعیم رضی اللہ عنہ نے آپ کی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر دی ، آگ بگولا ہوئے رُخ بدلا اور سیدھے بہن کے گھر گئے ،دروازہ کھٹکھٹایا ،حضرت خباب رضی اللہ عنہ جو اس وقت ان کو تعلیم دے رہے تھے ، چھپ گئے ،حضرت عمر نے داخل ہوتے ہی اپنے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو مارنا شروع کر دیا ،بہن چھڑانے آئی تو ان پر تشدد کیا ،غصہ ٹھنڈا ہوا اور بہن کا خون آلود چہرہ دیکھا تو ضمیر نے ملامت کی ، رُک گئے ،بہن سے کہنے لگے : اچھا مجھے دکھاؤ! تم کیا پڑھ رہی تھیں ،بہن نے کہا تم ناپاک ہو ،نہیں پڑھ سکتے .غسل کیا اور قرآن پڑھنا شروع کیا ،سورہ طٰہٰ کی آیتیں تھیں پڑھتے پڑھتے کہنے لگے : مجھے لے جاؤ! میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں ،حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کل آپ کے لیے دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی ہے ،دارِ ارقم پہنچے ،اسلام قبول کیا ،اس کی خوشی میں دارِ ارقم میں تکبیر کا نعرہ لگایا گیا جس کی گونج دُور تک سنائی دی ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوی میں عرض کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو چھپنے کی کیا ضرورت ،ہم کعبۃ اللہ اور مسجد حرام میں علی الاعلان نماز پڑھیں گے ،چنانچہ مسلمانوں کی دو صفیں بنیں ،ایک کے آگے اسد اللہ حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور دوسری کے آگے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تھے ،مسجد حرام میں علی الاعلان نماز پڑھی گئی اور یہیں سے علی الاعلان نمازوں کا سلسلہ شروع ہوا۔عزم وشجاعت کے ان دونوں ستونوں کے اسلام میں داخل ہونے سے کفار کے حوصلے پست ہوگئے اور طیش میں اضافہ ہونے لگا۔(۲)

درس نمبر : ۲۹

مہاجرین کی واپسی : (شوال ۵ نبوی)

اپنے وطن سے دور پردیس میں بیٹھے ہوئے مہاجرین جن کا بچپن وجوانی مکہ کی گلیوں میں گزرا ، دریا پار اُن کو اپنے وطن اور پھر مکہ کی یاد بھی ستاتی ہے ،اور یہاں زندگی کی مشکلات کا سامنا بھی ہے ،ان تک ایک افواہ پہنچی کہ مکہ والے مسلمان ہوگئے ہیں ۔اصل واقعہ یوں ہوا کہ رمضان کے مہینہ میں رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں سورۃ النجم پڑھ رہے تھے آخر پر پہنچ کر آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کیا ،وہاں موجود افراد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب سجدہ میں گر گئے سوائے ایک شخص کے ۔ اب یہ سجدہ کرنے والے کوئی مسلمان نہیں ہوئے تھے .بس اچانک ایک ماحول بنا تھا یہ خبر حبشہ میں اس طرح پہنچی کہ مکہ

(۱) سیرۃ المصطفی ۱/ ۱۹۳ (۲) الرحیق المختوم ص ۱۴۴ تا ۱۵۰ ،سیرۃ المصطفی ۱/ ۲۶۸

والے مسلمان ہو گئے ہیں، اس خبر کو اور تقویت اس سے بھی ملی کہ حضرت حمزہ اور عمر جیسے لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کیلئے پورے مکہ کا مسلمان ہونا کوئی بعید معلوم نہیں ہوا، بس پھر کیا تھا مکہ کی محبت دلوں میں دوبارہ تازہ ہوگئی، سیدھے مکہ کی طرف واپس ہوئے لیکن مکہ مکرمہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ کچھ لوگ تو واپس ہوئے اور کچھ کسی کی امان لے کر داخل ہوئے، لیکن اب حالات پہلے سے بھی زیادہ سخت تھے، انتقام کا جوش اپنی آخری حدود کو چھو رہا تھا اور مکہ کے کفار جنونی حد تک پہنچ چکے تھے۔

دوسری ہجرت ۶ نبوی:

کچھ عرصہ تک مہاجرین مکہ میں رہے، لیکن گزارہ مشکل تھا، بلکہ اب مسلمانوں کی زندگی پہلے سے بھی تنگ کر دی گئی تھی، ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا، اس دفعہ ہجرت میں پہلے کی نسبت زیادہ دشواری تھی لیکن اس کے باوجود ۸۳ مرد اور ۱۹ خواتین نے ہجرت کر لی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس جماعت کے امیر بنائے گئے، ان کو آپ علیہ السلام نے نجاشی کے نام ایک تعارفی خط دیا جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور مہمان نوازی کے علاوہ اسلام کی دعوت تھی۔ اس طرح ۱۰۲ افراد کا یہ قافلہ بحیرۂ قلزم کو پار کرتے ہوئے سرزمین مکہ، جزیرۃ العرب اور براعظم ایشیا کو چھوڑ کر سرزمین حبشہ براعظم افریقہ پہنچا، مکہ کے کفار اس سے بہت برہم ہوئے اور اپنے دو زیرک آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو سفیر بنا کر نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجے۔ نجاشی نے مہاجرین سے حالات کی تحقیق کی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور تقریر کی جس سے عہد جاہلیت اور عہد اسلام کا فرق اور رسول ﷺ کی محنت کے نتائج معلوم ہوتے ہیں اور آج بھی دنیا کے سامنے اسلام کے تعارف کے لیے ہر داعیٔ اسلام کو حضرت جعفر کی وہ تقریر یاد ہونی چاہیے:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ وَ نَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَ نَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَ نَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيئُ الْجِوَارَ، وَيَأْكُلُ مِنَّا الْقَوِيُّ الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلَىٰ ذٰلِكَ، حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولاً مِنَّا، نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَ صِدْقَهُ وَ أَمَانَتَهُ وَ عَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَ نَعْبُدَهُ، وَ نَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ آبَاءُنَا، وَنَكُفَّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَ قَوْلِ الزُّوْرِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَ قَذْفِ الْمُحْصَنَاتِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَأَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّيَامِ، فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُوْرَ الْإِسْلَامِ، فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَىٰ مَا جَاءَ نَا بِهِ مِنْ دِيْنِ اللّٰهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُوْنَا وَ فَتَنُوْنَا عَنْ دِيْنِنَا لِيَرُدُّوْنَا إِلَىٰ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَ أَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا قَهَرُوْنَا وَ ظَلَمُوْنَا وَ ضَيَّقُوْا عَلَيْنَا وَ حَالُوْا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ دِيْنِنَا، خَرَجْنَا إِلَىٰ بِلَادِكَ وَ اخْتَرْنَاكَ عَلَىٰ مَنْ سِوَاكَ وَ رَغِبْنَا فِيْ جِوَارِكَ وَرَجَوْنَا أَنْ لَّا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ. (۱)

"بادشاہ سلامت! ہم جاہلیت میں پڑے ہوئے تھے، بت پرستی کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے،

(۱) مسند احمد عن ام سلمۃ

رشتوں کو توڑتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، ہمارا طاقتور ہمارے کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم اسی حالت میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا، جس کے نسب، سچائی، امانت اور پاک دامنی سے ہم اچھی طرح واقف ہیں، اس نے ہمیں پتھروں اور بتوں کی بجائے خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا، سچائی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں سے بہتر تعلق، حرام چیزوں سے اور کشت وخون سے باز رہنے کا حکم کیا، بے حیائی، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا، خالص توحید کا حکم کیا، نماز، زکوٰۃ، روزہ و دیگر تمام امور اسلام کا حکم دیا، ان تمام باتوں میں ہم نے ان کی تصدیق کی بس ہم توحید کے قائل ہوئے اور شرک سے الگ ہوگئے، ان کے بتائے حلال وحرام میں ان کی تعلیمات کو مانا، قبول کیا، ہماری قوم ہمارے خلاف ہوگئی، ہمیں ستایا، مارا تاکہ اس دین حق سے ہمیں پھیر دیں، بس جب ان کا ظلم وستم اور جبر وتشدد حد سے بڑھ گیا اور ہماری زندگی تنگ ہوگئی اور ہمارے دین کے راستے میں یہ لوگ رکاوٹ بن گئے تو ہم آپ کے شہر کی طرف نکل آئے اور دوسرے لوگوں کے مقابلے میں آپ کو ترجیح دی، اس امید پر کہ آپ کے پڑوس میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

اس کے بعد نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے پاس اس کلام کا کچھ حصہ ہے جو وہ پیغمبر پیش کرتا ہے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی، جس سے نجاشی اور دربار میں موجود لوگ خوب روئے اور نجاشی نے ان سفیروں کو یہ کہہ کر دربار سے نکلنے کا حکم دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔

ہمت، جرأت اور یقین سے بھرپور اس تقریر نے مکہ کے سفیروں کا سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا، اب انہوں نے اپنے ترکش سے ایک اور تیر نکالا کہ شاید خطا نہ جائے گا، وزیروں سے ملاقات کرکے ان کو تحفے دیکر اعتماد میں لیا اور دوسرے دن دربار میں یہ بات پیش کی کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گستاخ ہیں، بادشاہ نے دوبارہ طلب کیا، تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے دو ٹوک انداز میں اسلامی موقف اور نظریہ پیش کیا کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک دامن مریم میں پھونک ڈالا"۔ بادشاہ نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تنکے برابر کمی نہیں کی۔ چنانچہ یہ مہاجرین وہاں رہ گئے اور اسلامی دعوت کا ایک نیا میدان سازگار ہوا، جہاں سے امن کے ساتھ دین حق پر عمل اور اس کی دعوت کا سلسلہ چلا، نجاشی نے اسلام قبول کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ مہاجرین وہاں کافی عرصہ رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے اور حبشہ کے مہاجرین بھی ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ پہنچے۔

ہجرت حبشہ دروس وعبر کی روشنی میں:

۱...... اہل حق اور اہل ایمان اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے وطن، اعزہ واقارب اور ہر قسم کی عیش وراحت کی قربانی دے سکتے ہیں لیکن ایمان نہیں چھوڑ سکتے۔

۲......رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ شفقت اور ان کے ایمان بچانے کی فکر، اس ہجرت سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کے لیے ایک پر امن جگہ تلاش کی، یہی ذمہ داری امت میں قائدین کی ہے کہ وہ جماعت کی خصوصاً اہل علم اور مبلغین کی حفاظت کا انتظام کریں۔

۳......اس ہجرت سے اسلامی دعوت "جزیرہ عرب" سے باہر نکلی ہے اور دعوت کا ایک نیا میدان ساز گار ہوا ہے۔

۴......حبشہ کے مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی، داماد، چچازاد و دیگر قریبی رشتہ دار موجود ہیں، گویا راہ حق کیے لئے قربانی کسی خاص طبقہ تک محدود نہ ہو، بلکہ جو قائد اور ذمہ دار ہیں وہ اور ان کے خواص بھی اس قربانی میں برابر شامل ہوں۔

۵......غیر مسلموں کی حمایت، اگر اسلامی دعوت اور احکام دین میں کسی قسم کے ضرر کا سبب نہ بنے تو یہ جائز ہے، جس طرح نجاشی عیسائی کی حمایت اور واپسی میں مکہ کے مشرکین کی حمایت حاصل کی گئی۔

۶......رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے لیے حبشہ کا انتخاب کیا گویا آپ اپنے ارد گرد کی حکومتوں اور اقوام کے حالات سے واقف تھے، قائدین کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گردو پیش کے حالات سے اپنے آپ کو واقف رکھیں۔

۷......مشرکین کے وفد کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا انتخاب اور ان کی ایمان افروز گفتگو مشورہ کا نتیجہ ہے مسلمانوں کو اسی طرح مشورے سے اپنے امور طے کرنے چاہئیں۔

۸......حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جاہلی معاشرہ کی منظر کشی کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اور محنت کا تذکرہ کیا، یہی دعوت کا اسلوب ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اسلام کی حقانیت اور غیر اسلام کا بطلان واضح ہو۔

۹......اس ہجرت نے سنگ دل کفار کو بھی سوچنے پر مجبور کیا اور خود ان کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا کہ کسی کو کیوں اتنا ستایا جائے کہ وہ اپنا وطن چھوڑ کر پردیس میں رہنے پر مجبور ہو جائے۔

۱۰......اس ہجرت سے دوسرے کفار کی ہمدردیاں بھی نسبتاً مسلمانوں کو حاصل ہو گئیں اور اسلامی دعوت کے پھیلنے میں بین الاقوامی اثرات مرتب ہوئے۔

درس نمبر: ۳۰

اسلام کے خلاف منصوبے

ابو طالب کے پاس تیسرا وفد ۶ نبوی:

حبشہ سے کفار کا وفد ناکام لوٹا، قریش نے اپنی ناکامی کا حال سنا تو آگ بگولا ہوئے، سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور اس پر اتفاق کیا کہ ابو طالب سے محمد ﷺ کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کریں اور اس کے بدلے "عمارہ بن ولید" دینے کی پیش کش کریں گے۔

چنانچہ ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی بات پیش کی کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے درمیان تفریق ڈال دی ہے، ہمارے لوگ حبشہ چلے گئے ہیں، اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کرو! اس کے بدلے قریش کا بہترین جوان ہم تمہارے حوالے کرتے ہیں، اسے اپنا بیٹا بنالو! اس سے اچھا نعم البدل ہمارے پاس نہیں ہے، ابو طالب نے یہ سن کر صاف جواب دیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے پروردہ اور جگر گوشہ کو قتل کے لئے تمہارے حوالے کروں اور تمہارے بیٹے کو پالنے پوسنے کے لئے اپنے پاس رکھ لوں! یہ کون سا انصاف ہے؟۔(۱)

دارالندوہ میں اجتماع اور متفقہ قرارداد:

ایک طرف مخالفت زوروں پر تھی تو دوسری طرف تبلیغ اسلام عروج پر تھی، ایسے میں موسم حج قریب آگیا، کفار کے ذمہ دار لوگ دَارُ النَّدْوَۃ میں جمع ہوئے اور اس پر سوچنے لگے کہ موسم حج قریب ہے، پورے جزیرے سے لوگ آئیں گے، محمد (ﷺ) ان سے مل کر اپنی آواز پہنچائیں گے، ہماری بات میں اختلاف کی وجہ سے لوگ ہماری بات کو کمزور سمجھیں گے اور ان کی بات کی طرف توجہ دیں گے، لہٰذا حجاج کی آمد سے پہلے ہم سب ایک بات پر اتفاق کرلیں، اور لوگوں کے سامنے وہی بات پیش کریں، ولید بن مغیرہ کو اس اجلاس کا صدر چنا گیا، بہت سی باتوں کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ لوگوں کے سامنے محمد (ﷺ) کے جادوگر ہونے کی تشہیر کرو اور اس طریقہ سے لوگوں کو ان سے دور رکھو! چنانچہ موسم حج پر راستوں میں لوگ بٹھادیئے گئے، جو ہر نئے آنے والے سے یہی بات کرتے تھے لیکن اس طریقہ سے ان کو نقصان اور اسلام کو فائدہ پہنچا کیونکہ جب کوئی ناواقف آدمی یہ بات سنتا تو تجسس میں پڑ جاتا اور یوں متلاشیانِ حق آپ ﷺ تک پہنچ کر دامن نبوت سے وابستہ ہوجاتے (۲)

اسی پروپیگنڈا کو سن کر "ضماد بن ثعلبہ" جو سحر کا علاج کرتے تھے، آپ علیہ السلام کا علاج کرنے کی غرض سے آئے اور خود اپنا علاج کرا بیٹھے۔(۳)

عُتبہ کی پیش کش:

کفارِ قریش کی تمام تدبیریں انہیں کے خلاف اُلٹ گئیں، انہی حالات میں پریشان ایک دن تمام سرداران مکہ صحن میں بیٹھے اس مسئلے پر غور کر رہے تھے جبکہ دوسری جانب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، ان سرداروں میں انتہائی زیرک، سیاستدان اور باسلیقہ گفتگو کا ماہر آدمی عتبہ قوم سے اختیار لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا کہ مصالحت کی راہ نکالیں، چونکہ ترغیب وترہیب اور لالچ و دھمکیوں کے تمام حربے ناکام ہو چکے تھے لہٰذا ایک اور حربہ استعمال کیا جارہا تھا کہ اب ہمدردی کے ذریعہ آپ کا راستہ روکا جائے، عتبہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور بڑے مدبرانہ انداز میں کہنے لگا: بھتیجے! آپ ہم میں عزت اور خاندان کے اعتبار سے جس مقام پر ہیں اس سے ہم واقف ہیں، اب آپ اپنی قوم کے پاس ایسی بات لائے ہیں کہ جس نے

(۱) سیرت ابن ہشام ۱: ۲۰۳ (۲) سیرت ابن ہشام ۱: ۳۰۶ (۳) صحیح مسلم کتاب الجمعۃ باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ

ان کے درمیان تفریق ڈال دی ہے۔ان کو کم عقل کہا ہے۔ان کے خداؤں کی برائی کی ہے۔ان کے آباء واجداد کو بے دین قرار دیا ہے۔اب میری بات غور سے سن لو! میں آپ کے سامنے کچھ تجاویز پیش کرتا ہوں! شاید ان میں سے کوئی آپ کے لئے قابل قبول ہو؟ اور اس پر اتفاق سے اس اختلاف کو حل کیا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ولید! کہو میں سنوں گا۔عتبہ نے کہا: "بھتیجے! یہ سارا معاملہ جو تم لے کر آئے ہو اگر مال کے حصول کے لئے کیا جارہا ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کردیں گے کہ تم سب سے زیادہ مالدار بن جاؤ گے۔اور اگر یہ ساری کوشش مرتبہ حاصل کرنے اور بڑا بننے کے لئے ہے۔تو ہم تم کو اپنا سردار مان لیں گے۔یہاں تک کہ آپ کی شرکت کے بغیر کسی معاملہ کا فیصلہ نہ ہوگا۔اور اگر یہ سب کچھ کسی بیماری اور جن بھوت کے اثرات کے سبب ہے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج تلاش کرلیتے ہیں۔"

جب عتبہ اپنی باتوں سے فارغ ہو چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ولید! تم فارغ ہو چکے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا اب میری بات سنو! اس نے کہا ٹھیک ہے سنوں گا۔آپ ﷺ نے سورۂ حم سجدہ کی تلاوت شروع کردی حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱) جب آپ علیہ ﷺ سجدہ کی آیت پر پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا پھر فرمایا: ابو ولید! میں نے جو سنانا تھا وہ سنادیا۔اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔

عتبہ اُٹھ کر سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔مشرکین اس کے تاثرات دیکھ کر کہنے لگے: ابو ولید وہ چہرہ لے کر نہیں آرہا جس کے ساتھ گیا تھا۔عتبہ آکر بیٹھ گیا۔لوگوں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: "خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ بخدا! ایسا کلام میں نے کبھی نہیں سنا۔خدا کی قسم! نہ وہ شعر ہے۔نہ جادو۔نہ کہانت۔اے قریش! میری بات سنو! اس معاملے میں میرا کہنا مان لو! اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو! خدا کی قسم! میں نے جو اس کا قول سنا ہے۔اس سے ضرور کوئی زبردست واقعہ رونما ہوکر رہے گا۔پھر اگر اس شخص کو عرب نے قتل کر ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعے ہو جائے گا اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی"۔لوگوں نے کہا: ابو ولید! خدا کی قسم! تم پر بھی اس کا جادو چل گیا ہے۔عتبہ نے کہا میری رائے تو یہی ہے۔اب جو تمہیں ٹھیک معلوم ہو وہ کر گزرو! (۲)

مذاکرات کی ایک اور کوشش:

رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اسود بن مطلب۔ولید بن مغیرہ۔امیہ بن خلف اور عاص بن وائل کا سامنا ہوا۔ انہوں نے ایک پیش کش کی کہ ہم اتفاق کی صورت نکال لیتے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ہم آپ کے معبود کی۔ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے یوں کہا کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت سے باز آجائیے! اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک معاملہ طے کرلیا جائے۔ایک سال آپ ہمارے بتوں کی پرستش کیجئے! اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے

(۱) حم سجدہ آیت ۱تا۳۶ (۲) سیرت ابن ہشام ۱/۳۳۰ طبع بیروت

اس کے جواب میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ اس دوٹوک جواب سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور حق و باطل کے معجونِ مرکب کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کرا دیا گیا۔(۱)

الغرض حق و باطل، اسلام اور کفر کے اس اختلاف اور تصادم میں ظالموں کا تعصب جنون کی حدوں کو چھو رہا تھا تو مسلمانوں کی ایمانی پختگی، استقامت اور رسول اللہ ﷺ سے پُرخلوص اور سچا تعلق بھی آسمان کی بلندی اور پہاڑ کی مضبوطی کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔

درس نمبر: ۲۱

معاشرتی بائیکاٹ:

حبشہ میں مہاجرین کی پرامن زندگی، قریش کے سفیروں کی ناکامی، اور مکہ میں اسلام کے دائرہ کی دن بدن وسعت، ان سارے عوامل نے مکہ کے کافروں کو حواس باختہ اور پاگل بنا دیا تھا۔ مسلمان تقریباً مکہ سے نکل گئے تھے، چند ہی افراد مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ اب کفار نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے کا سوچا اور اس مقصد کے لئے سرگرم ہو گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی جان کو خطرات لاحق ہو گئے اور کفارِ مکہ نے خاندانِ رسول اور مسلمانوں سے عام بائیکاٹ کا اعلان کر دیا، یہ معاہدہ لکھ کر دیوارِ کعبہ پر آویزاں کر دیا، ابوطالب بنوہاشم کو لے کر مکہ مکرمہ کی آبادی سے باہر ایک درہ میں چلے

مسجد حرام سے صفا کی جانب (دائرے میں بند) شعب ابی طالب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تین سال تک معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا

(۱) تفسیر ابن کثیر سورۃ الکافرون

گئے۔ جو شَعبِ اَبِیْ طَالِبْ کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمان بھی ساتھ تھے۔ مکہ میں قریش کے جتنے قبائل آباد تھے ان میں باقی ایک طرف ہو گئے۔ بنوہاشم اور بنومطلب ایک طرف ہو گئے۔ ہر قسم کالین دین، نکاح و بیاہ، خرید و فروخت بند کر دیا گیا۔ نہایت سختی اور عسرت کے دن گزرے۔ بچے بھوک کی وجہ سے بلک بلک کر روتے۔ رونے کی آواز باہر آتی، کفار خوش ہوتے۔ اگر مسلمان کوئی چیز خریدنا چاہتے تو نہایت مہنگے داموں فروخت کی جاتی۔ وہ خریدنے سے قاصر ہوتے۔ ان حالات میں کچھ انصاف پسند اور ہمدرد افراد خفیہ طور پر ان تک سامانِ ضرورت پہنچاتے۔

معجزات

معجزہ شق القمر ۸ نبوی:

بائیکاٹ کے دو سال گزرے تھے، رسول اللہ ﷺ اپنے بعض احباب کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ آسمان پر چودھویں رات کا کامل چاند تھا۔ کفار نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اس چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں۔ کفار کے سرداروں میں ابوجہل، نضر بن حارث اور اسود وغیرہ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے دعا کی، انگلی سے اشارہ کیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس جبکہ دوسرا جبل قعیقعان سے اوپر بلند ہو کر نظر آنے لگا۔

البدایۃ والنہایۃ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ابوسلمہ اور ارقم کو دیکھنے کے لئے بلایا، چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا، گواہ رہو! انہوں نے کہا آپ نے جادو کیا ہے، سفر سے آنے والوں سے پوچھیں گے، وہ کیا کہتے ہیں سفر سے آنے والوں نے دو ٹکڑے ہونے کی تصدیق کی۔ صحابہ میں عبداللہ ابن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم اس کے عینی شاہد ہیں۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں یہ واقعہ بیان ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ‎﴿﴾‏ وَإِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ‎﴿﴾‏ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (۱)

"قیامت قریب آگئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی نشانی دیکھیں تو اعراض کرتے ہوئے کہتے ہیں، یہ مسلسل چلنے والا جادو ہے"

تاریخ فرشتہ مصنفہ محمد قاسم فرشتہ میں بحوالہ کتاب تحفۃ المجاہدین لکھا ہے کہ سراندیپ (سری لنکا) میں کچھ مسلمان قدم گاہِ حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت کے لئے آئے اور مالابار کے ساحل پر اترے تو ان کی ملاقات وہاں کے راجہ سے ہوئی ، رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور خصوصاً شق قمر کا تذکرہ آیا اس نے اپنے نجومیوں سے کہا کہ پرانے رجسٹر دیکھو۔ انہوں دیکھا

(۱) سورۃ القمر: ۱-۳

تو لکھا ہوا ملا کہ فلاں تاریخ کو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اس تحقیق کے بعد راجہ نے اسلام قبول کرلیا۔ (۱)

روم و فارس کی جنگ اور اسلام کی پیش گوئی:

اسی سال اپنے زمانے کی دو عالمی طاقتوں روم اور فارس کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ جس میں فارس نے پے در پے روم کو شکست دی، روم کے زیر اثر ایک وسیع خطہ شام، مصر اور ایشیائے کوچک سب روم کے ہاتھوں سے نکل گئے، بالآخر فارس نے ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ۹۰ ہزار عیسائیوں کو تہہ و تیغ کر ڈالا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس فتح سے کفارِ مکہ بہت خوش ہوئے اور اپنی کامیابی کی فال نکالنے لگے۔ کفارِ مکہ نے رومیوں کو اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا بھائی جبکہ ایرانیوں کو آتش پرست ہونے کی وجہ سے اپنا بھائی بتایا اور کہا جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے ہیں، اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ مسلمانوں کو اس واقعہ سے بڑا رنج و صدمہ پہنچا۔ روم کو ایسی شکست فاش ہوئی تھی کہ ان کے ابھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ ان حالات میں سورۂ روم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (۲)

”قریب کی زمین میں رومی لوگ مغلوب ہوگئے، چند سال کے بعد وہ اپنی مغلوبیت کے بعد پھر غالب آئیں گے۔ اللہ کے علم میں ہیں تمام امور، پہلے بھی اور پھر بھی۔ اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ اللہ جس کی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں، وہ غالب رحم کرنے والے ہیں۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو کفار کے درمیان پڑھا تو وہ مذاق اڑانے لگے، اُبی ابن خلف نے شرط لگائی کہ اگر تین سال میں رومی غالب آگئے تو میں دس جوان اُونٹ دوں گا، ورنہ تم دو گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا: مدت تین سے نو سال تک بڑھا دو اور اُونٹ کی تعداد سو تک بڑھا دو! چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے بعد ۶۲۳ء میں شاہِ قیصر نے ارمینیا سے حملوں کی ابتداء کی اور جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں تاریخی کامیابی حاصل کی، اسی سال روم نے فارس یعنی ایران کو شکست فاش دی اور ایران کے سب سے بڑے آتشکدہ کو تہس نہس کر دیا۔

اُبی ابن خلف مر چکا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے ضامنوں سے سو اونٹ وصول کئے اور خدمت نبوی میں پیش کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ (۳)

مسئلہ: دو طرف سے اس طرح کی شرط لگانا ابتداء اسلام میں جائز تھا، اب حرام ہے (۴)

(۱) البدایہ والنہایہ ۱/ ۵۱۸ طبع دار ابن حزم بیروت (۲) سورۃ الروم: ۱-۵ (۳) تفسیر قرطبی سورۃ الروم (۴) روح المعانی سورۃ الروم

درس نمبر: ۳۲

معاہدہ کا خاتمہ ۱۰ نبوی:

معاشرتی اور اقتصادی بائیکاٹ کو تین سال گزر چکے تھے، اہل حق انتہائی عسرت اور سختی کے دن گزار رہے تھے۔ آخر کفار ہی میں سے کچھ لوگ ہشام بن عمرو، زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود اس بائیکاٹ کے خلاف ہوئے اور مشورہ کر کے وہ مطاف میں آئے، ابوجہل اور سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے اس معاہدہ کے خلاف بات کی اور باقی نے اس کی تائید کی، ابوجہل اور اس کے گروپ نے ان کو باز رہنے کی دھمکی دی، ابوطالب وہیں مطاف میں موجود تھے، انہوں نے کہا آپ لوگ جھگڑا نہ کریں! میں ایک فیصلہ کن بات کرتا ہوں، آج میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس معاہدہ کی ساری تحریر کیڑے نے کھالی ہے، سوائے لفظ "اللہ" کے باقی ساری تحریر ختم ہو چکی ہے، اگر یہ بات ٹھیک ہے تو اس بائیکاٹ کے خاتمہ کا اعلان کر دیں اور اگر وہ بات غلط ہے تو برقرار رہنے دیں، جب دیکھا گیا تو بات ٹھیک نکلی ساری تحریر لفظ "اللہ" کے نام کے سوا ختم ہو چکی تھی، اس طرح تین سال کے بعد ۱۰ نبوی میں یہ بائیکاٹ ختم ہوا، رسول اللہ ﷺ آپ کا خاندان اور دیگر مسلمان شعب ابی طالب سے باہر نکل آئے۔

معاشرتی بائیکاٹ دروس وعبر کی روشنی میں:

۱۔ کفار نے بہت سوچ و بچار کے بعد اس بائیکاٹ کے دفعات مقرر کئے، جس میں نکاح کی پابندی سے معاشرتی بائیکاٹ، لین کی پابندی سے اقتصادی بائیکاٹ آگیا اور مزید صلح و صفائی کے راستوں کو مکمل طور پر بند کرنے کے لئے ہر قسم کی مجلس اور بیٹھک پر پابندی لگائی۔

۲۔ اس کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان رابطہ منقطع کر دیا جائے، تاکہ مسلمانوں پر جبر و تشدد کے نتیجہ میں کسی طرف سے حوصلہ اور تسلی کی فضا قائم نہ ہو۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا خاندان اس بائیکاٹ کے سامنے مجبور ہو کر اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کو ہمارے حوالہ کر دیں اور ہم آپ کو اعلانیہ قتل کر کے اس قصہ کو ختم کر دیں۔

۴۔ مسلمانوں کے درمیان رابطہ ختم کر کے ان کے درمیان بدگمانیاں اور توڑ پیدا کیا جا سکے۔

۵۔ موسم حج میں چونکہ قتل منع ہوتا تھا آپ علیہ السلام اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر آنے والوں سے ملاقات کرتے تھے، گویا داعی پر دعوت کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ معاشرتی بائیکاٹ کے واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کہ داعی کا لوگوں سے کٹ کے کسی خاص جگہ میں محصور و مقید ہو جانا

باطل کی خواہش ہے، چاہے یہ باطل کی کوشش کے نتیجہ میں ہو یا داعی کی اپنی خواہش کے نتیجہ میں، چنانچہ داعی کو عامۃ الناس سے اپنے تعلقات استوار رکھنے چاہئیں، اور حق کے پیغام کو آگے پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے۔

۷۔ اس بائیکاٹ کے نتائج یہ نکلے کہ دعوتِ حق کی جانب کفار متوجہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ اور ان کی اصحاب کی استقامت نے کفار کی سازشوں اور کوششوں کو ان کے خلاف الٹ دیا۔

عام الحزن، ۱۰ نبوی:

ابھی مقاطعہ کو ختم ہوئے چند ہی دن گزرے تھے کہ اسباب کی دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے دو بہت بڑے سہارے یعنی کفار کے سامنے رکاوٹ اور آپ کے پشت پناہ، آپ کے چچا ابو طالب انتقال کر گئے اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کی رفیقۂ حیات، مشکلات میں آپ کا ساتھ دینے والی اور آپ کو حوصلہ دینے والی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دارِ فانی سے انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں کی وفات پر بہت صدمہ پہنچا اور سیرت کی کتابوں میں یہ سال یعنی ۱۰ نبوی عام الحزن کہلاتا ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، شوال ۱۰ نبوی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کم سن بچیوں ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا، رسول اللہ ﷺ غمگین رہا کرتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نکاح کرنا چاہیں تو کنواری بھی موجود ہے اور بیوہ بھی، پوچھا کون ہے؟ بتایا کہ کنواری آپ کے عزیز دوست ابو بکر کی بیٹی عائشہ اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں، فرمایا: دونوں جگہ بات کرو! دونوں جگہ بات کی گئی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ام المومنین بنیں نکاح ان کے والد نے پڑھایا، چار سو درہم مہر مقرر کیا گیا اور شوال ۱۰ نبوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی عقد نکاح ہو گیا اگرچہ رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی۔ (۱)

(۱) البدایہ والنہایہ ۱/ ۵۳۵ طبع دار ابن حزم بیروت

تیسرا مرحلہ: اعلانیہ دعوت (بیرونِ مکہ)

- ...... طائف کا سفر
- ...... جنّات کا اسلام
- ...... اِسراء و معراج
- ...... اسلام مدینہ میں

درس نمبر:۳۳

اعلانیہ دعوت (بیرونِ مکہ)

طائف کا سفر: ۲۷ شوال ۱۰ نبوی:

رسول اللہ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا ابو طالب کے انتقال سے اسباب کی دنیا میں آپ کے دو بڑے سہارے ختم ہو چکے تھے۔ کفار مزید بدتمیزی پر اُتر آئے۔ آپ ﷺ کے لیے مکہ میں تبلیغ کا کام مشکل ہوگیا۔ ایک داعی کے لئے جب ایک میدان میں کام مشکل ہو جائے تو وہ دوسری جگہ کو اپنی دعوت کا میدان بنالیتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے طائف کو اپنی دعوت کا میدان بنایا کیونکہ آپ ﷺ کو اہل طائف سے کچھ خیر کی اُمید تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے چار سال طائف میں گزرے تھے اور آپ ﷺ کا رضاعی خاندان طائف میں آباد تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے متبنّیٰ زید بن حارثہ کے ساتھ طائف کا سفر کیا۔ طائف مکہ مکرمہ سے جنوب میں ۵۰ میل (۷۵ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا۔ مکہ سے مزدلفہ، وہاں سے عرفات پھر شداد پھر ہدیٰ اور وہاں سے طائف پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہاں کے لوگوں سے بات کی۔ ان کے تین بڑے سردار تھے، عبد اللیل، مسعود اور حبیب۔ ان میں سے ایک نے کہا: ''نبی بنانے کے لئے محمد کے سوا اللہ کو اور کوئی نہ ملا'' دوسرے نے کہا: ''اگر آپ پیغمبر ہیں تو یہ بیت اللہ کی توہین ہے'' تیسرا کہنے لگا: ''میں آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا''۔ اور طائف کے اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، وہ تین میل تک آپ کو پتھر مارتے رہے۔ یہاں تک کہ پاؤں مبارک خون آلود ہو گئے۔ آپ کمزور ہو کر بیٹھ جاتے تو وہ پھر پتھر اٹھا کر مارنا شروع کر دیتے۔ آخر بے ہوش ہو کر گر گئے اور زید بن حارثہ اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر طائف سے باہر لائے۔

طائف سے نکل کر ''قَرْنُ الْمَنَازِلْ'' پہنچے۔ وہاں عُتبہ اور شیبہ کے انگور کا باغات تھے۔ وہاں آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ. يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ. اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ. اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ اَمْرِيْ. اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ. غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ. اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ يَّنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ. وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ.

''اے اللہ! میں آپ کے سامنے اپنی کمزوری کی فریاد کرتا ہوں اور لوگوں کے سامنے اپنے مرتبہ کی کمی کی فریاد کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! آپ کمزوروں کے رب ہیں، آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں! جو مجھے دیکھتے ہی غصے میں آ جائے یا آپ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں میرا اختیار دے دیا ہے، اگر آپ کا غصہ مجھ پر نہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن آپ کی

عافیت میرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میں آپ کے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں! جس کے سامنے اندھیرے روشن ہوجاتے ہیں اور دنیا و آخرت کے کام بن جاتے ہیں۔ میں پناہ چاہتا ہوں! اس بات سے کہ آپ کا غصہ مجھ پر اترے۔ تمام کاموں کا انجام آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

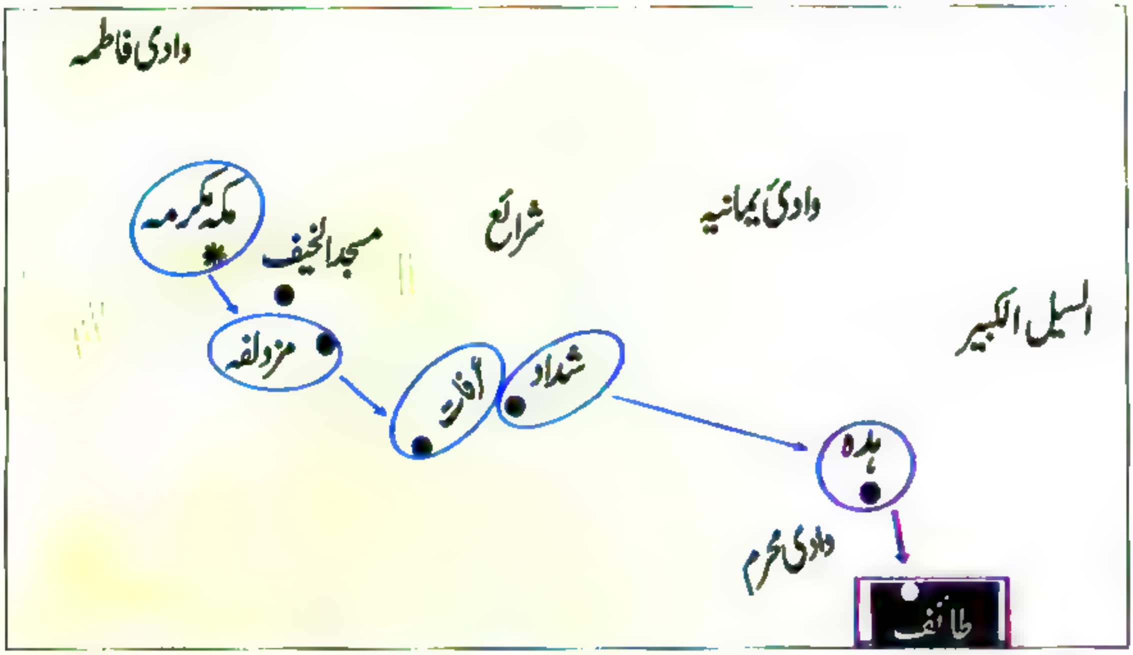

طائف کی جانب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پر عزیمت سفر کا راستہ

وہ مقام جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی پر دعا کی

آپ ﷺ یہ دل سوز دعا کر چکے تو اس مقام پر سید الملائکہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مؤدبانہ درخواست کی کہ پہاڑوں کا فرشتہ میرے ساتھ حاضر ہے، اگر حضرت حکم فرمائیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ملا کر اہل طائف کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی نسلوں میں سے کوئی ایمان لے آئے۔ (۱)

مکہ کے دو سردار عتبہ اور شیبہ اپنے باغ میں موجود تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے، ترس آیا، اپنے نصرانی غلام "عداس" کو انگور کا گچھا دیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) کو دیدو! ۔ آپ علیہ السلام نے وہ گچھا لے کر بسم اللہ پڑھی اور کھانا شروع کیا، وہ غلام بہت حیران ہوا اور بسم اللہ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم یہ متبرک کلمات ہر کھانے سے پہلے پڑھتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے غلام سے تعارف چاہا، تو اس نے بتایا کہ میں نینوا (موصل کے قریب ایک شہر ہے) کا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: نینوا کا مجھے علم ہے، وہاں میرا بھائی یونس علیہ السلام آیا تھا، اس نے پوچھا کہ آپ حضرت یونس علیہ السلام کو کیسے جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی پیغمبر ہوں وہ بھی پیغمبر تھے، اس غلام نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور مسلمان ہوگیا اور کہا کہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک آخری پیغمبر آئے گا، میں اسی کے انتظار میں اس باغ میں وقت کاٹ رہا ہوں۔ (۲)

درس نمبر: ۳۴

جنات کا قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ طائف سے نکل کر بَطنِ نَخْلَة میں پہنچے (آج کل اسکا نام اَلسَّیْلُ الْکَبِیْر ہے) مکہ میں آپ کا داخلہ ممنوع کر دیا گیا۔ کچھ دن آپ علیہ السلام یہاں رہے، ایک رات آپ ﷺ نماز میں سورۂ رحمن کی تلاوت کر رہے تھے کہ ترکی کے علاقے نَصِیبِیْن کے سات جنات کا وہاں سے گزر ہوا، وہ تمام قرآن سن کر مسلمان ہو گئے، آپ ﷺ کو موقع پر اس بات کا پتا نہ چلا، وہ مسلمان ہو کر واپس چلے گئے، سورۂ احقاف میں اس واقعہ کا تذکرہ یوں ہے:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۳)

اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو قرآن سننے کیلئے آپ کی جانب پھیر کر لائے۔ جب حاضر ہوئے کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ جب پڑھ لیا گیا تو اپنی قوم کی طرف خبردار کرنے والے بن کر لوٹے۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! بیشک ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی، جو حق اور صراط مستقیم کا راستہ بتاتی ہے، اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات کو قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالیں گے

بطن نخلہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ جبل نور پر پہنچے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ مکہ میں کس طرح

(۱) فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵ بحوالہ سیرت مصطفی ج ۱ ص ۲۸۸ (۲) البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳۵ بحوالہ سیرت مصطفی ج ۱ ص ۲۸۶ (۳) سورۂ احقاف: ۲۹-۳۱

داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کوئی راہ نکالے گا، مکہ سے آپ کی ملاقات کے لئے کچھ مسلمان آئے اور عرض کیا کہ کفارِ مکہ نے بھی طائف کے حالات سن کر چند بدتمیز اوباشوں اور غنڈوں کو اس مقصد کے لئے تیار کر رکھا ہے، آپ مکہ تشریف نہ لائیں آپ ﷺ نے مکہ کے سرداروں اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ آپ کو اپنی امان میں لے کر داخل ہونے دیں، سب نے انکار کر دیا، آخر مطعم بن عدی تیار ہوا، اپنے بیٹوں اور قوم کے افراد کو ہتھیاروں سے لیس ہو کر حرم کے پاس آنے کا حکم دیا، آپ ﷺ اس کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ آخر تک مطعم بن عدی کے احسان مند رہے اور برملا اس کا اعتراف فرماتے تھے، بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا: اگر مطعم ان کے سلسلے میں مجھ سے بات کرتا تو میں ضرور اس کی خاطر ان کو رہا کر دیتا۔(۱)

وادیٔ نخلہ جہاں نصیبین کے سات جنات قرآن سن کر مسلمان ہوئے

جنات کی دوسری دفعہ آمد:

وادیٔ نخلہ کے واقعہ کے تین ماہ بعد ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ سے باہر تشریف لے گئے اور ان کو ایک جگہ بٹھا کر دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا: اس میں بیٹھ جاؤ! اس سے باہر نہیں نکلنا ورنہ میں تمہیں نظر نہ آؤں گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک چٹان کے پاس تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد کچھ جھنڈ نظر آئے، تقریباً دو ہزار کے قریب افراد آئے اور گفتگو ہوئی، انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں! انہوں نے پوچھا کیا ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت گواہی دے گا، چنانچہ آپ ﷺ نے درخت کو اشارہ کیا وہ چلتا ہوا آیا اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دی، وہ سب مسلمان ہو گئے، یہ سات جنات کی محنت کا نتیجہ تھا، حضرت ابن مسعود نے پوچھا کہ یہ کون لوگ تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنات تھے، مسلمان ہو گئے ہیں اور پیغام دے گئے ہیں کہ اپنی اُمت کو تنبیہ کر دیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کریں، یہ ہماری خوراک ہے۔

(۱) سیرۃ احمد مجتبیٰ ۱/ ۴۹۳، سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۳۱۹

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ صحرا میں ایک سانپ کو مرا ہوا پایا تو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا، آواز آئی کہ عمر! تم نے بہت اچھا کیا، یہ وہی جن تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو ایک سانپ آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر واپس چلا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا کہ یہ نصیبین کے سات جنات میں سے ایک تھا، مجھے سلام پیش کر رہا تھا اور آپ سب کو بھی سلام کہہ رہا تھا۔ (۱)

واقعہ طائف دروس وعبر کی روشنی میں:

۱......مکہ مکرمہ کی فضا سخت ہوگئی، دعوت کا کام مشکل ہوگیا، اور اسی دوران آپ کے دو مضبوط سہارے بھی اٹھ گئے لیکن ان سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہیں ہوئے، حوصلہ نہیں ہارا بلکہ دعوت کے لئے ایک اور میدان تلاش کر لیا، ایک کامل داعی کی یہی حکمت عملی ہونی چاہئے کہ وہ اپنی دعوت کے لیے نئے مواقع اور میدان تلاش کرتا رہے۔

۲......مکہ مکرمہ سے طائف کی جانب سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغام پہنچانے اور انسانوں کی ہمدردی میں کتنے فکرمند اور مخلص تھے، آج امت میں وسائل کا عذر کرنے والے افراد کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

۳......اہل طائف نے آپ کو جس قدر ستایا، اس سے ایک داعی کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دعوت کے باب میں مشکلات پیش آئیں گی، لیکن یہ مشابہت کس کی ہے؟ آقائے دو جہاں کی۔

۴......واپسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں اپنی کمزوری اور ناکافی تدبیر کی فریاد کرتا ہوں، ایک مخلص اور سچے داعی کا انداز یہی ہونا چاہئے کہ دوسروں کے قصور اور ان سے شکوہ شکایات میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنی کمزوری کا اعتراف کرے اور اپنی ہر چھوٹی بڑی مشکل اللہ ہی کی بارگاہ میں پیش کرے۔

۵......امت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے اہل طائف کو پیسنے کی درخواست کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: امید ہے کہ ان کی نسل میں کوئی ماننے والا پیدا ہو جائے گا، چنانچہ فاتح سندھ محمد بن قاسم ثقیف قبیلہ ہی کا فرد ہے جو طائف میں آباد تھا۔

۶......اگر طائف والوں نے ایمان اور اسلام کی قدر نہیں پہچانی تو "عداس نصرانی" اور "جنات" نے اسلام کے سچے اور ابدی پیغام کو سینے سے لگایا، گویا داعی کو جہد مسلسل کرنی چاہیے، ایک جگہ اثر نہ ہو تو دوسری جگہ ضرور اثر ہوگا۔

(۱) عیون الاثر ج۱ ص ۱۳۴، البدایہ والنہایہ ج۳ ص ۱۳۵

درس نمبر: ۳۵

اِسراء ومعراج

رجب ۱۱ نبوی

ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور پھر طائف کے واقعہ سے نبی کریم ﷺ بہت غمزدہ تھے۔ اسی وجہ سے یہ سال عَامُ الْحُزْنِ کہلاتا ہے۔ مگر ہر مشکل کے بعد آسانی، ہر رات کے بعد صبح اور ہر تاریکی کے بعد روشنی قانون قدرت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ایسا سفر کرایا اور ایسے مشاہدات کرائے جس سے ماضی کے زخم مندمل ہو گئے اور آئندہ کے لیے ایسے صدموں اور مشکلات کے مقابلے کی قوت پیدا ہو گئی اور ساتھ ہی اس سفر سے یہ بتادیا کہ حضرت محمد ﷺ دونوں قبلوں کے امام، امام الانبیاء، پورے عالم کے رہنما، اور قیامت تک کے لئے پیغمبر و پیشوا ہوں گے۔ آپ کی رسالت عمومی و دائمی ہوگی، زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہوگی۔ ساتھ ہی فرش سے عرش تک سیر کرانے میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ تمام کائنات عرش پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام کمالات آپ ﷺ پر ختم ہیں اور آپ پوری انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

اسراء یعنی زمینی سیر:

آپ ﷺ اُمِّ ھَانِیْ کے مکان میں سو رہے تھے کہ جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کو اٹھا کر حطیم میں لے گئے اور پھر وہاں سے بیر زمزم پر لے گئے۔ جہاں آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور دل کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور یہاں سے بُراق پر سوار ہو کر جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئے اور راستے میں نبی کریم ﷺ کو ایک جگہ اُتارا گیا یہ کھجوروں کی زمین تھی۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ یہاں اُتر کر دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ پھر آپ کو یہ بتایا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ ہجرت کر کے آئیں گے۔ یہاں سے پھر سوار ہوئے اور وادی سینا تشریف لائے۔ جس درخت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی تھی۔ یہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے علاقے میں اُترے یہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی اور وہاں سے بیت اللحم فلسطین جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی تشریف لائے اور یہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی۔ آخر میں بیت المقدس تشریف لائے۔

اسراء کے دوران مشاہدات:

جب آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے تو آپ علیہ السلام کو کچھ چیزیں نظر آئیں:

ایک بڑھیا نظر آئی جس نے آپ ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کی طرف بالکل توجہ نہ کریں۔

آگے گئے تو ایک بوڑھا نظر آیا جس نے متوجہ کرنا چاہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اس کی طرف توجہ نہ کریں۔

آگے مختلف قسم کے لوگ نظر آئے جو مختلف گناہوں میں ملوث تھے اور ان کو ان کے جرائم کے مطابق سزا دی جا رہی تھی:

۱۔ کچھ لوگ نہر کے اندر تیر رہے تھے اور پتھر کھا رہے تھے، بتایا گیا یہ سود خور لوگ ہیں۔

۲۔ کچھ لوگ نظر آئے جن کے ہونٹ کاٹے جا رہے تھے، یہ بے عمل قسم کے واعظ تھے۔

۳۔ کچھ لوگ نظر آئے جن کے سامنے حلال بھی رکھا تھا اور حرام بھی لیکن یہ لوگ حرام کھا رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کی حلال بیویاں تھیں لیکن پھر بھی زنا کے اندر مبتلا ہوئے۔

۴۔ وہ لوگ بھی نظر آئے جو انسانوں کا گوشت کھا رہے تھے، بتایا گیا یہ غیبت کرنے والے ہیں۔

۵۔ ایسے لوگ نظر آئے جن کے سروں پر بوجھ ہے، اس کو اٹھا نہیں سکتے لیکن اور زیادہ بوجھ بڑھا رہے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو قرض دار ہیں، قرضہ ادا نہیں کر سکتے لیکن پھر بھی قرض بڑھا رہے ہیں۔

یہ سارا زمینی سفر طے ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی، مسجد اقصیٰ میں انبیائے کرام کی امامت سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ کو چار پیالے پیش کئے گئے: پانی، دودھ، شہد اور شراب۔ آپ نے ان میں سے دودھ اور شہد سے لیا۔ جبریل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے دین فطرت کو اختیار کیا۔ (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیالے آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کے بعد پیش کئے گئے۔ حافظ ابن حجر نے تطبیق دی ہے کہ پیالے دو مرتبہ پیش کئے گئے۔ زرقانی)

معراج کے موقع پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمینی سفر

مسجد اقصیٰ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت سے اشارہ تھا کہ آپ دونوں قبلوں اور تمام انبیاء کے امام ہیں اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ دنیا کی قیادت قیامت تک کے لئے امت محمدیہ کے حوالے ہوگئی۔

مسجد اقصیٰ:

مسجد اقصیٰ کی اس وقت کوئی عمارت نہ تھی، رومی بادشاہ "طَیطَس اَوّل" نے اس کو برباد کردیا تھا وہاں صرف نشانیاں تھیں اس پورے علاقے پر رومیوں کی حکومت تھی، اس علاقے کو "اَلْقُدْس" کہا جاتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں القدس محترم ہے لیکن مسجد اقصیٰ کا کوئی احترام نہیں، اس لئے یہ جگہ ویران پڑی ہوئی تھی۔

۱۶ یا ۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کو فتح کر کے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو یہاں کا گورنر مقرر کیا اور مسجد بنائی، بعد میں اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے تعمیر نو کی اور گنبد صخرہ بنوایا، چھٹی صدی میں صلاح الدین ایوبی نے اس کو فتح کر کے بنایا بعد میں ترکی خلیفہ سلطان سلیم نے اس کو بنایا اور وہی تعمیر اب تک باقی ہے۔ 1948ء میں اسرائیل نے فلسطین پر قبضہ کیا اور 1967ء میں بیت المقدس پر بھی قبضہ کرلیا۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی جس کو وہ "ھَیکَلِ سُلَیمانی" کہتے ہیں۔ ہیکل عبادت خانہ کو کہتے ہیں، ہیکل سلیمانی یعنی معبد سلیمان علیہ السلام، وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے سلیمان علیہ السلام کی تعمیر پر اپنی تعمیر کی ہے ہم اس تعمیر کو گرائیں گے اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ نکالیں گے اور جس دن ہم اس ہیکل کو نکال لیں گے ہمارا مسیح آجائے گا (جس کو ہم مسلمان "دَجّال" کہتے ہیں) اور جب مسیح آجائے گا تو پوری دنیا پر یہودیوں کی حکومت قائم ہوجائے گی اور مسیح آکر تمام غیر یہودیوں کو قتل کردے گا، اس لئے ان کے ادارے پوری دنیا میں مستقل طور پر اس کے لئے فنڈ جمع کر رہے ہیں کہ ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کو ظاہر کردیا جائے، اس عمارت کے ایک طرف دیوار گریہ ہے (عربی میں حَائِطُ الْبُکَاءِ) یہودیوں

بیت المقدس میں دائیں جانب قبۃ الصخرہ اور بائیں جانب مسجد اقصیٰ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر گئے

کا کہنا ہے کہ آج کل اس دیوار کے سوا ہیکل سلیمان کی کوئی نشانی نہیں. یہودی اس دیوار کے پاس آ کر آہ وزاری کرتے ہیں کہ ان کی عظمت رفتہ واپس لوٹ آئے۔

معراج یعنی آسمانی سیر:

مسجد اقصیٰ سے آپ ﷺ ایک روایت کے مطابق اسی براق پر اور ایک روایت کے مطابق سیڑھی کے ذریعے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے ملائکہ کے ساتھ آسمانوں کی سیر پر تشریف لے گئے، پہلے آسمان پر پہنچے دروازہ کھٹکھٹایا گیا، پوچھا گیا کون؟ بتایا گیا: محمد ﷺ. کہا گیا: خود آئے یا بلایا گیا، کہا گیا بلایا گیا ہے، وہاں پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی. آدم علیہ السلام نے ان الفاظ میں خوش آمدید کہا: مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ، دوسرے آسمان پر عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر ادریس علیہ السلام، پانچویں پر ہارون علیہ السلام چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ تمام آسمانوں کو پار کر کے نبی علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پہنچے، اس مقام پر آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھا، جبرئیل علیہ السلام یہاں رُک گئے اور آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے، اس سے آگے آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور جہنم دکھائی گئی، مزید اوپر گئے مقام "صَرِیْفُ الْاَقْلَامْ" پہنچے جہاں قلموں کے چلنے کی آواز آرہی تھی، یہ تقدیر خداوندی کا صدر مقام ہے، آگے تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ دیدار ہوا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دیدار کے قائل ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما قائل نہیں ہیں۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تین انعامات عطا فرمائے:

۱۔ پچاس نمازیں ۲۔ سورۃ البقرہ کی آخری دس آیتیں

۳۔ جو آدمی شرک نہ کرے تو اللہ اس کے کبیرہ گناہوں کی بخشش فرمادیں گے۔

واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا کہ کیا عطیہ ملا؟ بتایا: پچاس نمازیں، انہوں نے اس میں کمی کی درخواست کا مشورہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے بار بار درخواست کی اور ہر بار پانچ نمازیں کم ہوئیں، ہوتے ہوتے آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں، اور اعلان ہوا کہ ثواب پچاس نمازوں کا ہی ملے گا۔ معراج سے واپسی پر آپ ﷺ واپس مسجد اقصیٰ تشریف لائے اور وہاں سے براق کے ذریعے فجر سے قبل مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

لوگوں کے سامنے اس واقعے کا تذکرہ:

صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے سارا قصہ سنایا، قریش نے خوب مذاق اُڑایا اور آپ کی تکذیب کے لئے اس کو ایک بڑا ہتھیار سمجھنے لگے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت ابو بکر نے صاف جواب دیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ

باتیں کہی ہیں تو حق اور سچ ہے، ہم اس سے بڑی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں، وہاں سے حضرت ابو بکر کا لقب صدیق پڑ گیا۔

کفار نے امتحان کے لئے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں، مسجد اقصیٰ آپ ﷺ کے سامنے کر دی گئی یعنی وہ علاقہ، آپ نے تمام نشانیاں بتادیں، انہوں نے پوچھا راستے کا حال بتاؤ! آپ نے بتایا کہ ایک قافلہ آ رہا تھا، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، مدینہ سے وہ قافلہ آئے گا اور ایک سرخ اونٹ اس کے آگے آگے ہوگا، چنانچہ جب وہ قافلہ پہنچا تو واقعی اسی کیفیت کے ساتھ تھا۔

معراج کے موقع پر پانچ نمازوں کی فرضیت ہو چکی تھی، اس لئے جبرئیل علیہ السلام ان نمازوں کے اوقات سمجھانے کے لئے تشریف لائے اور ایک دن ان نمازوں کو اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں یہ نمازیں پڑھائیں اور فرمایا، ان دو وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

کیا واقعہ معراج عقل کے خلاف ہے؟

بعض عقل پرست طبقہ کو واقعہ معراج پر اعتراض ہے اور اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ خلاف عقل نہیں بلکہ ماوراء عقل ہے، اصل سبب تو اللہ جل جلالہ کی قدرت پر ایمان نہ ہونا ہے اور اللہ کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرنا ہے، چونکہ اپنی قدرت سے بعید سمجھا، اس لیے اللہ کی قدرت سے بھی بعید سمجھا، آج جدید دور کے انکشافات نے اس کی حقانیت کو ثابت کر دیا ہے چنانچہ:

۱...... ہزار ہا وزن کے طیاروں کا آسمانی فضا میں اڑنا اور گھنٹوں میں ہزار ہا میل کی مسافت طے کرنا ساری دنیا کے سامنے ہے۔

۲...... آج کل ایسے زینے بھی ایجاد ہو گئے ہیں کہ بجلی کے بٹن کو دبانے سے ایک منٹ میں سو منزلہ عمارت کی آخری منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔

۳...... ماہرین انکشافات کے برابر اعلانات آ رہے ہیں کہ فلسفہ اور سائنس کے ذریعہ سے اب تک جو انکشافات ہوئے ہیں، وہ نہایت ہی قلیل ہیں اور آئندہ جن انکشافات کی توقع ہے، وہ ان سے ہزاروں ہزار درجہ زائد ہیں حتیٰ کہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم عنقریب کواکب اور سیارات تک پہنچ جائیں گے۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے متمدن بھائی جو مغربی علوم کے سودائی اور شیدائی ہیں، وہ ان خبروں کو نہایت خوشی اور حیرت کے ساتھ سنتے اور سناتے ہیں، مگر جب نبی امی فداہ ابی و امی ﷺ کے معراج کی خبر سنتے ہیں تو طرح طرح کے شبہات اور وساوس ان کے سامنے آجاتے ہیں، یورپ کی وحی کی بے چوں و چرا تصدیق و تائید کرنے والے اللہ تعالیٰ کی وحی میں شبہات نکالتے اور ڈالتے ہیں۔ (۱)

(۱) سیرت المصطفیٰ ج ۱، ۳۲۴

درس نمبر: ۳۶

اسلام مدینہ منورہ میں

اسلام کی ابتداء، ذی الحجہ ۱۱ نبوی:

۱۱ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ سے کچھ لوگ آئے۔ رسول اللہ ﷺ گھوم پھر کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے منیٰ پہنچے، یہاں آپ کی ملاقات ان افراد سے ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا: یہ وہی پیغمبر معلوم ہوتے ہیں جن کا تذکرہ یہود کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی نمبر لے جائے اور وہ مسلمان ہو گئے، ان کی تعداد چھ تھی۔ اس طریقے سے ۱۱ نبوی میں اسلام کی دعوت مدینہ منورہ پہنچ گئی۔

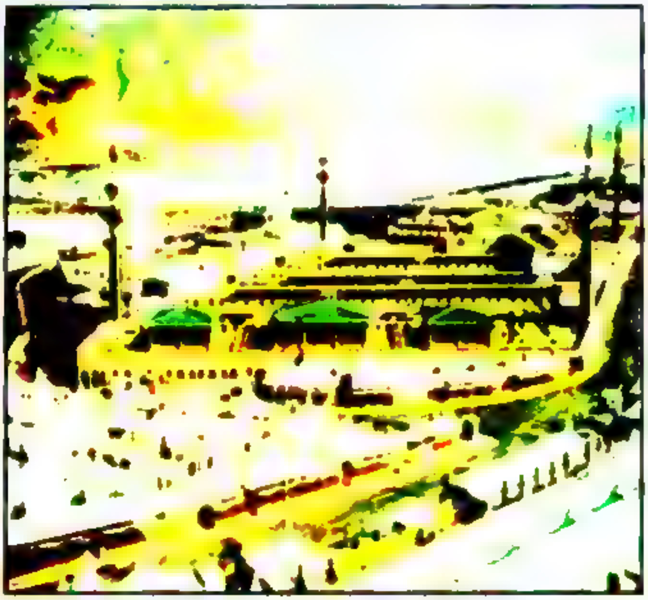

منیٰ کی وادی جہاں مدینہ منورہ کے انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کیا

پہلی بیعت، ذی الحجہ ۱۲ نبوی:

اگلے سال ۱۲ نبوی میں یہ لوگ اپنے ہمراہ سات اور افراد لے کر آئے جنہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ کسی معلم اور استاذ کو بھیج دیں جو ہمیں دین کی باتیں سکھائے۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا جو مقری اور معلم کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے رہائش حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے مکان پر رکھی وہاں سے وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے اور مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔

مدینہ منورہ میں عرب کے قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔اوس کے دو بڑے سردار سعد اور اُسید تھے۔حضرت مصعب رضی اللہ عنہ دعوت دیتے ہوئے ان کے قبیلے بنو عبد الاشہل پہنچے۔سعد نے اُسید سے کہا: اُسید! تم براء کو سمجھا دو! یہ میری خالہ کا بیٹا ہے۔اگر اس سے میری رشتہ داری نہ ہوتی تو میں اسے ٹھیک کر دیتا۔یہ باہر سے لوگوں کو لایا ہے جو ہمارے لوگوں کو بگاڑتا ہے۔اُسید براء کے پاس آئے اور اسے سختی کے ساتھ اپنے اس کام سے باز رہنے کا کہا۔مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری بات سن لیں، اگر پسند آئے تو قبول کرلیں ورنہ رد کردیں۔اُسید نے کہا: بالکل انصاف کی بات ہے آپ بات کریں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات بتائیں تو وہ بہت متاثر ہوا اور کہا کہ جب آپ کسی کو اسلام میں داخل کرتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ غسل کرکے پاک ہوجائے اور کلمہ پڑھ لے تو اسلام میں داخل ہوجاتا ہے۔اُسید مسلمان ہوگئے۔وہاں سے اُسید سعد کے پاس آئے۔سعد نے کہا۔اُسید! تمہارا چہرہ بدلا ہوا ہے۔کہیں تم بھی اس کی باتوں میں تو نہیں آگئے؟ اُسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بات تو وہ ٹھیک کرتا ہے لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ ایک قبیلے والے براء کو مارنا چاہتے ہیں۔ سعد نے کہا کہ کوئی براء کو کیوں مارے گا؟ میں موجود ہوں۔سعد براء کے پاس آگئے۔اُسید یہی چاہتے تھے کہ سعد خود حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی باتیں سن لیں لیکن ان کو معلوم تھا کہ وہ خود نہیں جائیں گے۔اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔سعد بھی سمجھ گئے کہ اُسید نے کھیل کھیلا ہے۔انہوں نے براء سے کہا کہ تم اس آدمی کو کہاں سے لے کر آئے ہو؟ اگر میری تم سے رشتہ داری نہ ہوتی تو میں تم کو بتا دیتا۔حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے سعد سے کہا کہ آپ ہماری بات سن لیں، اگر ہماری بات غلط ہو تو ہم ایسی بات نہیں کہیں گے جو آپ کو پسند نہ ہو۔حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی اچھی اچھی باتیں بتائیں اور قرآن پڑھ کر سنایا۔سعد نے کہا بالکل ٹھیک بات ہے میں بھی مسلمان ہوتا ہوں۔اس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے میں گئے اور ان سے کہا کہ میں کیسا آدمی ہوں؟ سب نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں، بہت محترم ہیں، بہت ہوشیار ہیں، ہم آپ کی بات کو بہت توجہ سے سنتے ہیں۔حضرت سعد نے ان سے کہا تمہارے مردوں اور عورتوں کا مجھ سے بات کرنا حرام ہے جب تک کہ تم مسلمان نہ ہو جاؤ! شام تک پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔اس طرح اسلام مدینہ کے گھر گھر میں پھیل گیا۔ (۱)

دوسری بیعت، ذی الحجہ ۱۳ نبوی:

تیسری مرتبہ ۱۳ نبوی میں ۷۲ سے زائد افراد تشریف لائے جن میں دو خواتین بھی تھیں۔ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتے ہیں، ملاقات کی کیا ترتیب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایام تشریق کے دوران رات کے کسی حصے میں ملاقات کا وقت طے کیا۔مقررہ وقت پر جب تمام لوگ سو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان سے ملاقات کیلئے منیٰ تشریف لے گئے اور ان سے بیعت لی۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان

(۱) الرحیق المختوم ص ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹ و السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص ۴۵۳ تا ۴۵۵

سے کہا کہ میرا بھتیجا کہتا ہے کہ تم لوگ اسے یہاں سے لے جانا چاہتے ہو، لیکن تم کو معلوم ہے کہ سارا عرب اس کے خلاف ہے، اس کی وجہ سے عرب تمہارے خلاف بھی کھڑا ہوگا، ایسا نہ ہو کہ کل تم پر عرب کی مخالفت کا زور پڑے، وہ تم سے ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کریں اور تم اس مخالفت کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کو ان کے حوالے کر دو! اگر یہی صورت حال پیش آنی ہے تو ابھی سے انکار کر دو! انہوں نے حفاظت کا صاف عہد و پیمان کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل باتوں پر ان سے بیعت لی:

۱...... ہر حال میں اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے۔

۲...... ہر حال میں اللہ کے لئے خرچ کرو گے۔

۳...... امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے۔

۴...... کسی کی ملامت کی پرواہ کیے بغیر اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے۔

۵...... اللہ کے رسول کی ہر حال میں مدد کرو گے۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے یہ پانچ باتیں ان کے سامنے رکھیں اور فرمایا: تم کو یہ باتیں قبول ہیں؟ ایک صحابی حضرت عباس بن عبادۃ خزرجی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اپنی قوم کو اپنے عہد و پیمان میں مزید پکا کرنے کے لئے کہا: تم کو معلوم ہے ان باتوں کا کیا مطلب ہے؟ پورا عرب تمہارے خلاف ہو جائے گا، تم پورے عرب سے ٹکرلو گے، لیکن محمد ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑو گے، یہ ہے اس بیعت کا مطلب، کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟ سب نے کہا کہ ہم تیار ہیں، لیکن اس کے بدلہ میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے ان باتوں کی پابندی کی تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تم کو وسیع اور عریض جنت دیں گے، سب نے کہا کہ ہمیں قبول ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر بارہ نقیب اور نگران مقرر فرمائے، جن میں سے نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

(۱) اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	(۲) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	(۳) عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
(۴) رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	(۵) براء بن معرور رضی اللہ عنہ	(۶) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
(۷) عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ	(۸) سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ	(۹) منذر بن عمر رضی اللہ عنہ

اوس کے افراد کے نام یہ ہیں:

(۱) اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	(۲) سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	(۳) ابو الہیثم رضی اللہ عنہ

(۱) الرحیق المختوم ص ۲۱۲

منیٰ میں واقع مسجد البیعہ جہاں انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی

رسول اللہ ﷺ نے ان کو تاکید فرمائی کہ خاموشی سے واپس چلے جائیں اور اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔ رات کی تاریکی میں سارا کام ہوگیا اور کسی کو پتا بھی نہ چلا لیکن صبح کو مکہ میں یہ بات سنی گئی کہ رات کو منیٰ میں کچھ ہوا ہے اور مدینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں اور محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ کفارِ مکہ غصہ میں بھرے ہوئے منیٰ آئے اور مدینہ کے لوگوں سے کہا کہ تمہارے آدمیوں نے اس طرح کی حرکت کی ہے۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مکہ والے واپس چلے گئے اور صحابہ بھی مدینہ کی طرف واپس چلے گئے لیکن مکہ والوں کو پتا چل گیا کہ اطلاع ٹھیک تھی۔ اس لئے وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ تمام صحابہ نکل چکے تھے، صرف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ لگے۔ ان کو پکڑ کر گھسیٹا اور مارنے لگے۔ مکہ کے سردار مطعم بن عدی کی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے پہچان تھی، مدینہ منورہ سے ان کا گزر ہوتا تو ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ انہوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ لوگ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مار رہے ہیں تو بیچ میں پڑ کر ان کو چھڑالیا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ (۱)

(۱) زاد المعاد ۲/ ۵۱، ۵۲۔ ابن ہشام ۱/ ۴۴۸ تا ۴۵

درس نمبر: ۲۷

ہجرتِ مبارکہ

ایک مسلمان کے لئے اس کی زندگی میں اہم چیز اس کا عقیدہ اور دین ہے، اگر اس کو اپنے وطن میں اپنے اہل وعیال اور اقارب واحباب کے ساتھ ہر قسم کی آزادی وآسائش حاصل ہو لیکن اس کا دین وعقیدہ غیر محفوظ ہو، دین سے دستبردار ہونے کی صورت میں ہر قسم کی عزت اور اپنائیت اس کو حاصل ہو لیکن دین سے رشتے جوڑنے کی وجہ سے اس پر زندگی تنگ کر دی جاتی ہو تو ایسے حالات میں مسلمان کیلئے تین راستے ہوتے ہیں، یا تو وہ اس غلط ماحول کے سامنے ہتھیار ڈال دے یا مقابلہ کرے اور اگر ہتھیار بھی نہیں ڈالے اور مقابلے کی طاقت بھی نہیں تو پھر اس علاقے کو چھوڑ کر کسی محفوظ علاقے میں چلا جائے پہلی صورت مداہنت کہلاتی ہے، دوسری صورت جہاد جبکہ تیسری صورت ہجرت کہلاتی ہے۔ پہلی صورت بہر حال حرام ہے، دوسری اور تیسری صورت موقع پر اعتبار سے فرض ہو جاتی ہے۔

ہجرت کا حکم:

ہر ایسا علاقہ جہاں مسلمان کا دین خطرے میں ہو، بے دینی اس پر مسلط کی جاری ہو تو اس علاقے سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

ہجرت کا مقصد:

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو دو چیزوں میں سے ایک کے چناؤ کا اختیار دے دیا جائے کہ وطن، اہل وعیال، احباب اور اقارب چاہئیں یا دین چاہئے تو ایک سچے اور پکے مسلمان کا جواب یہی ہوگا کہ "دین" چاہئے۔ ہجرت کے عمل کا سارا محور دین ہے، ہجرت کے عمل میں یہ سبق ہے کہ ہر چیز چھوٹ سکتی ہے لیکن دین پر کوئی سودا نہیں ہو سکتا۔

ہجرت کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ کے دین وشریعت میں مندرجہ ذیل قسم کی ہجرتیں ہیں اور ایک مسلمان آدمی اپنے حالات کے اعتبار سے ہجرت کرتا ہے:

۱۔ دار الحرب سے دار الامن: دار الحرب یعنی کفر کے مقام سے دار الامن یعنی امن کے مقام کی طرف ہجرت کی جائے جیسا کہ ہجرت حبشہ میں ہوا کہ اس وقت مکہ مکرمہ دار الحرب تھا، اس کے مقابلہ میں حبشہ دار الامن تھا۔

۲۔ دار الحرب سے دار الاسلام: دار الحرب سے دار الاسلام (جہاں اسلام کو ہر قسم کی بالادستی حاصل ہو) کی طرف ہجرت کی جائے، جیسا کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ دار الحرب اور مدینہ منورہ دار الاسلام تھا۔

درس نمبر:۳۸

ہجرت نبوی

کچھ عرصے سے اہل مدینہ کا اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق اور آپ کو ٹھکانہ دینے کی پیشکش نے کفارِ مکہ کو غیض و غضب میں تقریباً پاگل کر دیا تھا اور وہ قتل کے منصوبے بنانے لگ گئے تھے. ایسے وقت میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور اہل مدینہ کو ان کی نصرت کا حکم دیا. یوں تاریخ اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

عام مسلمانوں کی ہجرت:

پہلے مرحلے میں عام مسلمانوں نے ہجرت کی. آخری بیعت ذی الحجہ ۱۳ نبوی میں ہوئی. اس کے بعد دو ڈھائی مہینے میں تمام مسلمان رفتہ رفتہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے. عام مسلمانوں نے کفار سے چھپ چھپ کر ہجرت کی. البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلانیہ طور پر ہجرت کی. جانے سے قبل خانہ کعبہ کے پاس آ کر اعلان کیا: اگر کوئی اپنی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرانا چاہے تو آئے میرا راستہ روک لے. کسی میں روکنے کی ہمت نہ ہوئی اور ان کی آڑ میں کئی کمزور مسلمان بھی نکل گئے۔(۱)

عام مسلمانوں کی ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں اب صرف رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور کچھ ایسے کمزور مسلمان رہ گئے جن کو ان کے رشتہ داروں نے قید کر رکھا تھا. قرآن کریم کی آیت ﴿ وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴾(۲) نازل ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔

دار الندوہ میں مشورہ: (بروز جمعرات یکم ربیع الاول ۱۴ نبوی)

خانہ کعبہ میں حطیم کے سامنے کفارِ مکہ کا پارلیمنٹ "دَارُ النَّدْوَة" تھا. یہ سب لوگ وہاں جمع ہو گئے اور اس بات پر مشورہ کیا کہ ابھی محمد ﷺ ہماری دسترس میں ہیں، اس سے قبل کہ وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح یہ علاقہ چھوڑ دیں، ہمیں فوری طور پر کچھ کر لینا چاہیے. ان کا یہ مشورہ جاری تھا کہ ایک بوڑھا آدمی آیا اور جاری مشورہ میں شامل ہونے کی درخواست کی (یہ ابلیس لعین تھا) کفار باہر کے ایک آدمی کو دیکھ کر حیران ہوئے اور اس سے آنے کا سبب پوچھا. وہ کہنے لگا یہ ہماری مشترکہ پریشانی ہے، مجھے مشورہ میں شرکت کی اجازت دے دو! میں آپ کو اچھا مشورہ دوں گا. کفارِ مکہ نے اس کو بٹھا لیا. مشورہ شروع ہوا. ایک نے کہا اس (محمد ﷺ) کو قید کر لیا جائے. اس بوڑھے نے کہا کہ اس کا قبیلہ طاقتور ہے اس کو آزاد کرائے گا. دوسرے نے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے. بوڑھے نے کہا نہیں. یہ دوسری جگہ جا کر اور آزادی کے ساتھ اپنا مشن

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ۳ / ۲۱۴،۳۱۳ (۲) الاسراء: ۸۰

چلائے گا، اس کی زبان میں تاثیر ہے، جو اس کی بات سنتا ہے وہ اس کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ کفارِ مکہ نے کہا کہ پھر کیا کیا جائے؟ ابو جہل بول پڑا کہ ایسا کرو کہ ہر قبیلہ اپنا ایک ایک نمائندہ دیدے، سب مل کر محمد کو قتل کر ڈالیں، قاتل کی نشاندہی نہیں ہو سکے گی، محمد کا خاندان دیت مانگے گا وہ ہم ادا کر دیں گے، اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ (۱)

دو پہر کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنا چہرہ ڈھانپ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے، اور تم میرے سفر کے ساتھی ہو گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوشی سے رونے لگے، دو اونٹنیاں نکالیں اور کہا: میں نے اسی دن کیلئے ان کو پال رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹنی کی قیمت باصرار ادا کر کے اس کو خرید لیا۔ (۲)

مکہ سے روانگی: (بروز جمعہ ۲ ربیع الاول سنہ ۱ ھ)

رات کے وقت کفار نے رسول اللہ ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ والوں کی امانتیں سپرد کیں، ان کو اپنے بستر پر لٹایا اور آئندہ کی ہدایات دے کر نکل گئے۔ باہر کفار محاصرہ کئے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے مٹی ہاتھ میں لی اور سورۂ یٰسین وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا تک پڑھ کر اس پر پھونکا اور وہ مٹی ان پر پھینک دی، وہ سب اپنی آنکھیں ملتے رہ گئے۔ کچھ نظر نہ آیا اور رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان سے نکل گئے، صبح کے وقت کفار آئے دیکھا کہ بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، پوچھا کہ محمد (ﷺ) کہاں گئے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: معلوم نہیں رات کے وقت کہیں نکل گئے ہیں، وہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے وہ بھی نہیں تھے، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ابو بکر کہاں گئے؟ انہوں نے کہا: معلوم نہیں، ابو جہل نے غصے میں ان کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ (۳)

درس نمبر: ۳۹

سفرِ ہجرت

غارِ ثور میں: (بروز جمعہ تا بروز پیر ۲ تا ۵ ربیع الاول سنہ ۱ ھ)

مکہ مکرمہ سے نکل کر آپ جنوب میں واقع غارِ ثور کی جانب روانہ ہوئے، یہی آپ کی حکمت عملی تھی کیونکہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ہے تو آپ کو شمال کی سمت نکلنا چاہئے تھا لیکن آپ شمال کی بجائے جنوب کی جانب روانہ ہوئے، اس دوران تلاش کرنے والوں کی تلاش شمال کی سمت میں رہی، اور آپ تین دن تک غارِ ثور میں رُو پوش رہے، یہاں بھی کچھ تلاش کرنے والے پہنچے لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت اس طرح کی کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا تو وہ یہ کہہ کر لوٹ گئے کہ اس میں کسی انسان کے داخل ہوتے ہوئے یہ جالا نہیں رہ سکتا۔ غارِ ثور میں تین دن رُو پوش رہے اس دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حالات سے آپ کو آگاہ کرتے اور ایک چرواہا آ کر بکری کا دودھ پلا جاتا۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/ ۹۳ (۲) سیرت مصطفیٰ ۳۹۳ (۳) سیرت ابن ہشام ۲/ ۱۰۱

غارِثور سے مدینہ منورہ: (بروز پیر ۵ ربیع الاول تا بروز پیر ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ)

تین دن بعد ۵ ربیع الاول بروز پیر غارِ ثور سے نکل کر عام راستے کی بجائے غیر معروف راستے کا انتخاب کیا، گاہے گاہے عام راستے سے بھی گزر ہوتا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مندرجہ ذیل واقعات پیش آئے:

(الف) اُمِ معبد:

"قُدَید" نامی مقام پر پہنچے، وہاں ایک خاتون "اُمِّ مَعبد" کا خیمہ تھا، اُن کی بکریاں تھیں لیکن انتہائی لاغر تھیں اور ان میں دودھ نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے اُن سے دودھ طلب کیا، انہوں نے کہا ان میں دودھ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نکال لوں؟ انہوں نے کہا دودھ ہے ہی نہیں تو کہاں سے نکالیں گے؟ آپ نے اپنا دستِ مبارک بکریوں کے تھنوں پر پھیرا، دودھ نکل آیا، سب نے خوب سیر ہو کر پیا، آپ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اس عورت کا شوہر ابو معبد آیا، پوچھا دودھ کہاں سے آیا؟ عورت نے پورا قصہ سنا دیا، اس کے شوہر نے کہا کہ یہ وہی آخری پیغمبر معلوم ہوتا ہے، ہمیں ان کے پاس جانا چاہیے، چنانچہ دونوں میاں بیوی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اسلام قبول کر لیا۔ (۱)

(ب) سراقہ بن مالک:

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ساحلی پٹی پر "رابغ" نامی ایک علاقہ ہے، یہاں جو قبیلہ آباد تھا اس کا سردار سراقہ بن مالک تھا، اس نے سن رکھا تھا کہ جو محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لے آئے گا، اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا، جب رسول اللہ ﷺ یہاں سے گزرے تو یہ سراقہ اپنی قوم کے ساتھ مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، اس کو کسی نے اطلاع دی کہ ساحل کے راستے کچھ اجنبی گزرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں، اور غالباً محمد ﷺ ہیں، اس کو بھی یقین ہو گیا لیکن اس مقصد کے لئے کہ انعام کوئی اور نہ حاصل کر لے، اس نے وہ بات مجلس میں تو ٹھکرا دی اور خود آہستہ سے گھر سے رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں نکلا اور اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا، اس موقع پر حضرت ابو بکر گھبرا گئے لیکن آپ نے تسلی دی اور سراقہ کے لئے بد دعا کی، اسی وقت سراقہ کا گھوڑا پتھریلی زمین میں گھٹنوں تک دھنس گیا، وہ سمجھ گیا اور کہا کہ آپ کی بد دعا سے یہ کام ہوا ہے، آپ میرے لئے دعا کر دیجئے! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جو آپ کی تلاش میں نکلے گا میں اسے واپس کر دوں گا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور اس کا گھوڑا آزاد ہو گیا، اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ ضرور ایک دن غالب آئیں گے، اس لئے مزید احتیاط کے لئے تحریری امان لکھنے کی درخواست کی، عامر بن فہیرہ نے چمڑے پر امان نامہ تحریر کر کے دیدیا، سراقہ وہ تحریر لے کر واپس ہو گیا اور راستے میں جو شخص تعاقب کرنے والا ملتا تو یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ میں دیکھ آیا ہوں! تعاقب کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۱۰۱ حاشیہ (۲) سیرت ابن ہشام ۲/۱۰۳

(ج) بریدہ اسلمی:

چلتے چلتے راستے میں ایک اور آدمی بریدہ اسلمی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ بھی ستر آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو پکڑنے کے لیے آیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے بات چیت کی۔ اس کا دل نرم ہوگیا اور وہ اپنے سارے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوگیا اور کہا: یارسول اللہ! مدینہ میں داخلے کے وقت آپ کے پاس ایک جھنڈا ہونا چاہیے چنانچہ اپنا عمامہ اتار کر جھنڈا بنایا اور وہ جھنڈا لے کر رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے جانے لگا۔ یہ اسلام میں پہلا جھنڈا تھا۔ (۱)

(د) حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما:

مدینہ منورہ کے قریب حضرت زبیر وطلحہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں حضرات تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آملے اور دونوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کی خدمت میں لباس پیش کیا۔

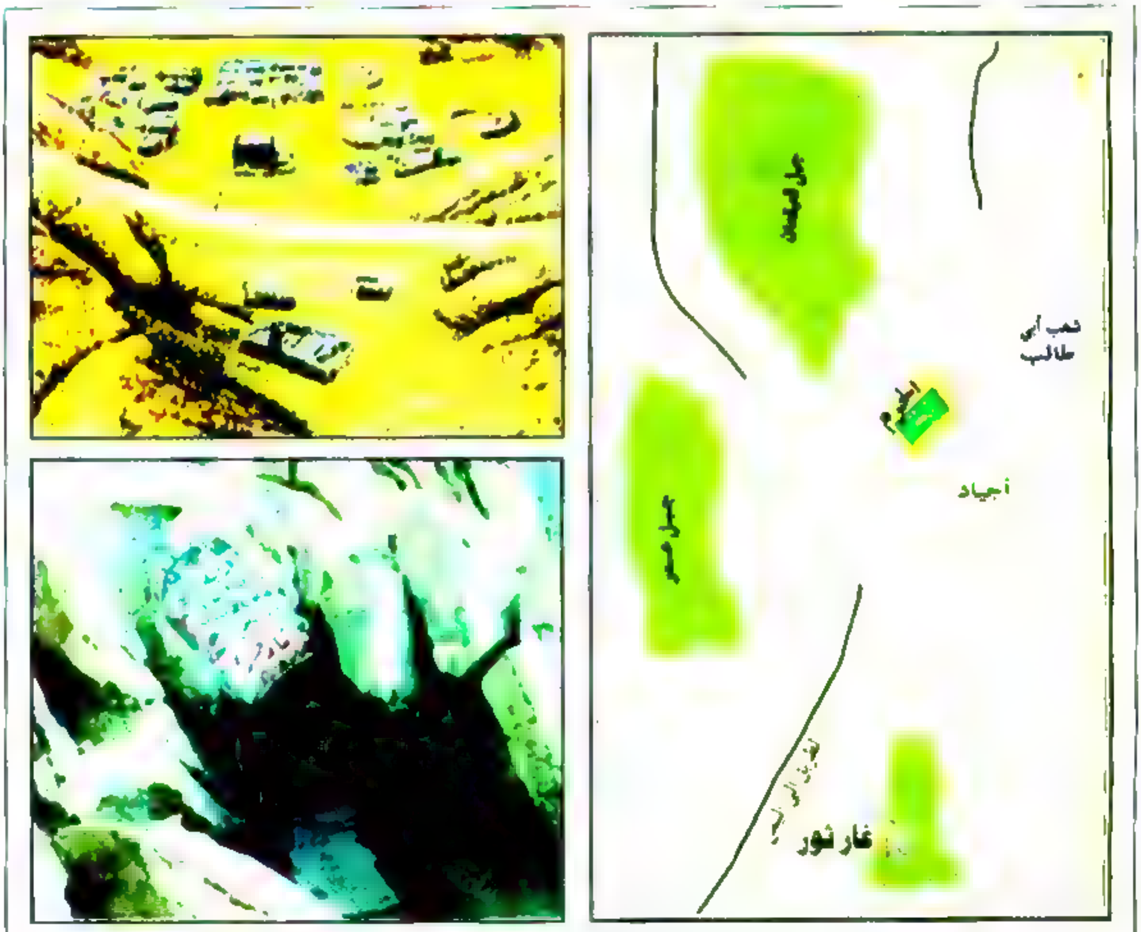

بائیں طرف اوپر والے حصے میں دار الندوہ، نیچے غار ثور اندرونی منظر، اور دائیں جانب حرم شریف اور غار ثور کی درمیانی مسافت ہے

(۱): ... ج۱، ص۲۲۹

درس نمبر: ۴۰

قباء میں داخلہ: (۱۲ ربیع الاول ۱ھ)

اس طرح یہ قافلہ سفر کرتے ہوئے قُباء کے مقام پر پہنچ گیا، مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی، لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ کب آئیں گے، لوگ روزانہ نکل کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرتے اور پھر مایوس ہو کر واپس لوٹ جاتے۔ ایک دن اسی طرح وہ واپس لوٹ ہی رہے تھے کہ ایک یہودی جو اپنے مکان کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا، دور سے کچھ لوگوں کو آتے دیکھ کر چلایا: مسلمانو! تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ چکے، چنانچہ خوشی میں بے خودی کا ایک عالم تھا کہ لوگ استقبال کے لئے بے تابانہ گھروں سے دوڑے، اور ہجوم کر دیا لیکن چونکہ اس سے قبل انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا اس لیے پہچان نہیں کر سکتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو رسول اللہ ﷺ پر سایہ کرنے کے لئے اپنی چادر تان کر کھڑے ہو گئے، اس سے لوگ رسول اللہ ﷺ کو پہچان گئے۔

قباء میں قیام: (۱۲ تا ۱۵ ربیع الاول ۱ھ)

قباء میں رسول اللہ ﷺ کا قیام دن کو قبیلہ اوس کے سردار سعد ابن خیثمہ کے مکان پر ہوتا، اس میں آپ ﷺ لوگوں سے ملاقات کرتے کیونکہ وہ غیر شادی شدہ تھے، بیوی بچے ان کے نہ تھے اور رات کو کلثوم ابن ہدم کے مکان پر تشریف لے جاتے۔

قباء میں رسول اللہ ﷺ کا قیام کتنے دن رہا؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے چار دن اور بعض نے چودہ دن کو ترجیح دی ہے انہی دنوں میں آپ نے "مسجد قباء" کی بنیاد رکھی۔ (۱)

بنو سالم میں جمعہ کی نماز: (۱۶ ربیع الاول ۱ھ)

جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ قباء سے نکلے، قباء سے آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر بنو سالم کے محلے پہنچے، یہاں جمعہ کا وقت ہو گیا اور آپ نے جمعہ کی نماز ادا کی، ایک یادگار خطبہ دیا جو "خُطْبَةُ التَّقْوٰی" کہلاتا ہے، آج اسی مقام پر "مسجد جمعہ" قائم ہے۔ خطبۃ التقویٰ یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِيْنُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَسْتَهْدِيْهِ وَأُوْمِنُ بِهٖ وَلَا أَكْفُرُ وَأُعَادِيْ مَنْ يَكْفُرُهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَةِ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَقِلَّةٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَةِ وَقُرْبٍ مِّنَ الْأَجَلِ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا وَأُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ أَنْ يَّحُضَّهُ عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنْ يَّأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَاحْذَرُوْا

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ۳/ ۲۷۸، ۲۸۳

مَا حَذَّرَكُمُ اللهُ مِنْ نَّفْسِهٖ وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ نَصِيْحَةً وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرٰى وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهٖ عَلٰى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهٖ وَعَوْنِ صِدْقٍ عَلٰى مَا تَبْتَغُوْنَ مِنْ أَمْرِ الْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّصْلِحِ الَّذِيْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللهِ مِنْ أَمْرِهٖ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِيْ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَ اللهِ يَكُنْ لَهٗ ذِكْرًا فِيْ عَاجِلِ أَمْرِهٖ وَذُخْرًا فِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ حِيْنَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلٰى مَا قَدَّمَ وَمَا كَانَ مِنْ سِوٰى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ أَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهٗ وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ وَالَّذِيْ صَدَّقَ قَوْلَهٗ وَأَنْجَزَ وَعْدَهٗ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ فَإِنَّهٗ يَقُوْلُ عَزَّ وَجَلَّ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ فَاتَّقُوا اللهَ فِيْ عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَاٰجِلِهٖ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَإِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ اللهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ أَجْرًا وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُوَقِّيْ مَقْتَهٗ وَيُوَقِّيْ عُقُوْبَتَهٗ وَيُوَقِّيْ سَخَطَهٗ وَإِنَّ تَقْوَى اللهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوْهَ وَيُرْضِي الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ. خُذُوْا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا فِيْ جَنْبِ اللهِ قَدْ عَلَّمَكُمُ اللهُ كِتَابَهٗ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيْلَهٗ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلِيَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ. فَأَحْسِنُوْا كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكُمْ وَعَادُوْا أَعْدَاءَهٗ وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَأَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللهِ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ فَإِنَّهٗ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّاسِ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ يَقْضِيْ عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُوْنَ عَلَيْهِ وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ. اَللهُ أَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ (١)

ترجمہ: "الحمد للہ! اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے اعانت، مغفرت اور ہدایت کا طلبگار ہوں! اللہ پر ایمان رکھتا ہوں! کفر نہیں کرتا بلکہ کفر کرنے والوں سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ نے ہدایت، نور، حکمت اور موعظت دے کر ایسے وقت میں بھیجا جب انبیاء اور رسل کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور زمین پر علم برائے نام تھا، لوگ گمراہی میں تھے اور قرب قیامت کا زمانہ تھا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا کوتاہی کی اور شدید گمراہی میں مبتلا ہوا۔ میں تمہیں اللہ کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں! ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کو بہترین وصیت یہی ہے کہ اس کو آخرت کی تیاری پر آمادہ کرے، تقوی اور پرہیز گاری کا حکم دے۔ لہذا ہر اس چیز سے بچو جس سے اللہ نے تم کو ڈرایا ہے۔ تقوی سے بڑھ کر کوئی موعظت اور نصیحت نہیں اور بلاشبہ اللہ سے تقوی اور خوف، آخرت کے بارے میں سچا معین اور مددگار ہے۔ جو شخص خالص اللہ کی رضا کے لئے ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ درست کر لے اور کوئی دنیاوی غرض یا مفاد پیش نظر نہ ہو تو یہ ظاہر و باطن کی سچی اصلاح، دنیا میں اس کے لیے عزت وشہرت کا باعث ہے اور مرنے کے بعد آخرت کا ذخیرہ ہے۔ جس وقت انسان اعمال صالحہ کا انتہائی محتاج ہوگا۔ جبکہ تقوی کا لحاظ کئے بغیر کئے ہوئے کاموں کے متعلق اس دن یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے

(١) تاریخ طبری ج ٢ و البدایہ والنہایہ ج ٣ بحوالہ سیرت مصطفی ج ١ ص ٢٠٦

اور اس کے درمیان دوری کا فاصلہ حائل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی عظمت اور جلال سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔ اللہ اپنے قول میں سچا ہے۔ وعدہ کا وفا کرنے والا ہے۔ اس کے قول اور وعدے میں خلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میرے فیصلوں میں کوئی تبدیلی نہیں اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔ پس اپنے دنیوی اور اخروی کاموں میں، ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرو! جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور اجر عظیم عطا فرماتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والا شخص یقیناً بڑا کامیاب شخص ہے۔ اور تقویٰ ایسی چیز ہے جو انسان کو اللہ کے غضب، اسکی عقوبت، سزا اور ناراضگی سے بچاتا ہے۔ اور تقویٰ ہی کے بدولت بہت سے چہرے قیامت کے دن روشن اور نورانی ہوں گے۔ یہی تقویٰ اللہ کی رضامندی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ تم تقویٰ سے جس قدر حصہ لے سکتے ہو لے لو اور اس میں کمی نہ کرو! اور اللہ کی اطاعت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم کے لئے کتاب اتاری اور ہدایت کا راستہ واضح کر دیا تاکہ سچے اور جھوٹے دونوں جدا جدا ہو جائیں۔

پس جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا تم بھی اسی طرح حسن وخوبی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو! اس کی راہ میں جہاد کرو اور جہاد کا حق ادا کرو! اور اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب کیا ہے اور تمہارا نام ولقب ہی مسلمان

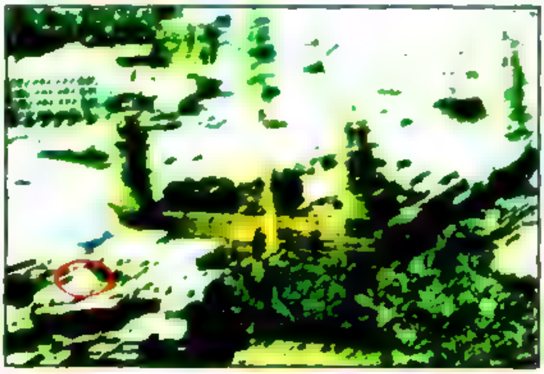

دائیں طرف سفر ہجرت کا راستہ، بائیں جانب اوپر مسجد قبا، اور دائرے میں بند وہ مکان جہاں آپ علیہ السلام نے قیام کیا، نیچے مسجد جمعہ

یعنی مطیع اور فرمانبردار رکھا ہے. بس اس نام کی لاج رکھو! خدا کا قانون یہ ہے کہ جو ہلاک ہو وہ اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی اتمام حجت کے بعد بصیرت کے ساتھ زندہ رہے۔ گناہ سے بچنے کی ہمت اور نیکی کی طاقت و قوت اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔ پس کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور آخرت کے لیے عمل کرو! جو شخص اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست کرلے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے مقابلے میں اس کے لئے کافی ہو جائیں گے. کوئی شخص اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتا. کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سب پر چلتا ہے اور اللہ پر کسی کا حکم نہیں چلتا. اور اللہ ہی سب کا مالک ہے اور لوگ اللہ کی ملکیت میں کسی چیز کے حصہ دار نہیں. اللہ اَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم۔

درس نمبر: ۴۱

مدینہ منورہ میں داخلہ: (۱۶ ربیع الاول ۱ھ)

محلہ بنو سالم میں نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے. مسلمانوں کا ایک جم غفیر آپ ﷺ کے ساتھ تھا، مدینے کی خواتین اور بچے گھروں کی چھتوں پر آپ کے دیدار اور زیارت و استقبال کا منظر دیکھنے کھڑے تھے. مدینہ منورہ کا چپہ چپہ دمک رہا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رکھا تھا مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی (۱) خوشی کا عجیب سماں تھا، مدینہ کے بچے اور بچیاں یہ ترانہ پڑھ رہے تھے: (۲)

(۱) طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا — مِنْ ثَنِيَّةِ الْوَدَاعْ
(۲) وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا — مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعْ
(۳) أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا — جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعْ
(۴) جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَةْ — مَرْحَبًا يَا خَيْرَ دَاعْ

ترجمہ:

(۱) ثنیۃ الوداع سے ہم پر بدرِ منیر طلوع ہو رہا ہے۔

(۲) ہم پر شکر لازم ہے کیونکہ اس پیغمبر نے ہمیں نورِ ہدایت کی طرف بلایا ہے۔

(۳) آپ قابلِ اتباع دین لے کر آئے ہیں

(۴) آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور مدینہ کو شرف سعادت بخشا

اے سید المرسلین! اہل مدینہ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

(۱) ابن ماجہ (۲) بخاری ۱/۵۵۸

ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام:

ہر مسلمان کی یہ آرزو تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس کے گھر پر قیام کریں.لیکن آپ ہر ایک کو جواب دیتے کہ میری اونٹنی کو جانے دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے وہیں رُکے گی جہاں اللہ کی طرف سے حکم ہوگا.اونٹنی چلتے چلتے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے ٹھہرگئی.رسول اللہ ﷺ اُتر گئے اور یہیں آپ کا قیام رہا.یہ دومنزلہ مکان تھا.رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں نیچے والے حصے میں رہوں گا اور آپ اوپر والے حصے میں رہیں گے.کیونکہ مجھ سے لوگ ملنے کے لیے آئیں گے تو اس میں دونوں کے لئے آسانی ہوگی.لیکن ایک رات ایسا ہوا کہ دوسری منزل پر ان سے پانی گرگیا.انہوں نے اس خوف سے کہ پانی نیچے نہ ٹپکنے لگے اور اس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے کمبل اس پانی پر ڈال دیا اور خود ساری رات اسی طرح سردی میں گزار دی.صبح کو رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی:اللہ کے رسول! آپ اُوپر والے حصے میں منتقل ہوجائیں کیونکہ ہمیں ہر وقت بے ادبی کا خطرہ لاحق رہتا ہے.رسول اللہ ﷺ اُوپر والے حصے میں منتقل ہوگئے۔(۱)

ایک حقیقت:

عجیب بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد سے سات سو سال قبل یمن کا بادشاہ تبع یہاں سے گزرا تھا.اس کے ساتھ جو علماء تھے انہوں نے اس کو بتایا تھا کہ یہاں کی زمین اور آب وہوا یہ اشارے دیتے ہیں کہ یہ نبی آخرالزماں کی ہجرت کی جگہ ہے اس لئے ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دی جائے.یہ سن کر اس نے ان تمام علماء کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی.ان کے لیے گھر بنوائے اور ایک مکان رسول اللہ ﷺ کیلئے بنوایا اور ایک خط بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ احمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں اور میں ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان سے ہر غم دور کردوں گا۔ وہ خط ایک معتمد عالم کے حوالے کیا کہ یہ اس پیغمبر تک پہنچا دینا اور اپنی اولاد کو اس کی وصیت کر دینا.حضرت ابوایوب اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں اور بقیہ انصار مدینہ میں قیام پذیر انہی علماء کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مکان وہی مکان تھا جو بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کیلئے تعمیر کرایا تھا گویا رسول ﷺ اپنے ہی مکان میں ٹھہرے۔

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ۳/ ۲۹۲ تہذیب سیرت ابن ہشام ۱۲۱

تیسرا حصّہ

ہجرت تا وفات

اسلامی ریاست کی تاسیس

- تمہید
- پہلا مرحلہ: خطرات
- دوسرا مرحلہ: صلح
- تیسرا مرحلہ: فتح

درس نمبر: ۴۲

تمہید

مدینہ کا جغرافیہ

مدنی دور کو سمجھنے سے قبل مدینہ منورہ کا جغرافیہ سمجھنا ضروری اور اہم ہے، کیونکہ اس دور کے حالات کا تعلق اسی علاقے سے ہے، اگر اس علاقہ کا زمینی جغرافیہ اور آبادی کی معلومات ذہن میں ہوں تو واقعات کے اسباب اور نتائج کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

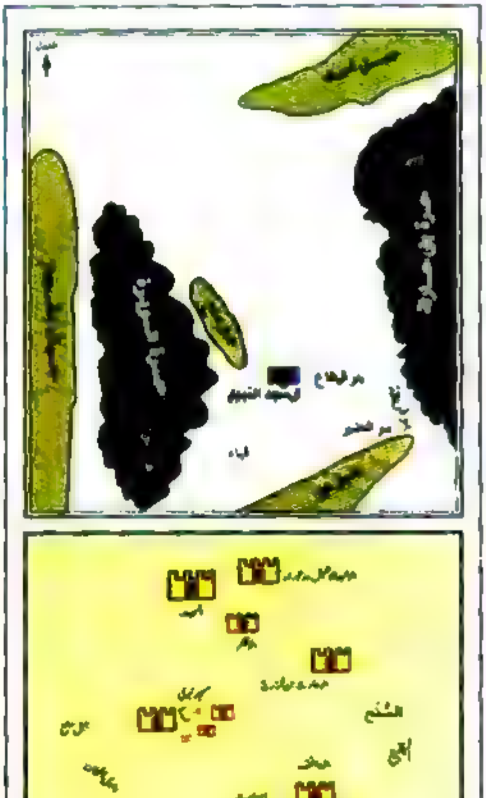

دونوں نقشوں سے مدینہ کا اندرونی اور بیرونی جغرافیہ نمایاں ہے

طبعی جغرافیہ:

مدینہ کے مشرق میں "اَلْحَرَّۃُ الشَّرْقِیَّۃ" ہے اس کو "حَرَّۃُ وَاقِم" بھی کہتے ہیں، مغرب میں "اَلْحَرَّۃُ الْغَرْبِیَّۃ" ہے، اس کو "حَرَّۃُ وَبْرَۃ" بھی کہتے ہیں (حرہ پتھریلی اور نوکیلے پتھر والی زمین کو کہتے ہیں، جس پر چلنا انتہائی دشوار ہوتا ہے) مدینہ مشرقی اور مغربی جانب سے اس پتھریلی زمین کی وجہ سے محفوظ تھا، جنوب میں جبل عیر نے مدینہ کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے، شمال میں بھی اگرچہ کئی کلو میٹر پر مشتمل پہاڑی سلسلہ جبل احد نے شمالی سمت کو گھیر رکھا ہے لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر ہے اس لئے شمالی سمت سے مدینہ کسی حد تک غیر محفوظ تھا باقی تین اطراف سے بالکل محفوظ تھا۔

آبادی:

مدینہ کے اندر جنوب مشرق میں یہود کے تین قبیلے بَنُو قُرَیْظَۃ، بَنُو قَیْنُقَاع اور بَنُو نَضِیْر کی آباد تھے، جنوب میں اَوس اور شمال میں خَزْرَج کا قبیلہ تھا۔ مدینہ کا ماحول مکہ کے مقابلے میں بہت مختلف تھا، یہاں مختلف سوچ رکھنے والے افراد آباد تھے، یہود خود کو تعلیم یافتہ اور آسمانی مذہب کا حامل کہتے تھے۔(۱)

(۱) جزیرۃ العرب از مولانا رابع ندوی، اطلس السیرۃ از شوقی خلیل

درس نمبر:۳۳

مدنی دور کا اِجمالی خاکہ

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت سے تاریخ اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، مظلومیت کا دور ختم ہوتا ہے، کفر سے اس کے جبر واستبداد کی پوچھ گچھ شروع ہوتی ہے، غرور وہٹ دھرمی کا راستہ روکا جاتا ہے، معافی ودگز سے اگر کوئی ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو سختی سے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے، مہاجرین وانصار کے باہمی مواخات سے ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کی بنیاد ڈال دی گئی، ہٹ دھرم، مغرور اور سرکش کفار کے بارے میں حکمت عملی ترتیب دی جانے لگی۔ اس حکمت عملی کو سمجھنے کے لئے اس نئی اسلامی ریاست کا جغرافیہ دیکھئے! اور اس کے پڑوس میں آباد اقوام کا ملاحظہ کیجئے!

مدینہ منورکی اسلامی ریاست کو تین اطراف سے کفار نے گھیر رکھا تھا، جنوب میں نہایت طاقتور اور پورے جزیرہ پر بااثر بازو قریش آباد تھے، مشرق میں جنگجو قبائل عرب آباد تھے اور شمال میں اس تکون کا دماغ اور سازشی ٹولہ یہود آباد تھے، اسلامی ریاست کے اس بیرونی تکون کے گھیراؤ کے بعد اب اندرونی صورت حال دیکھئے کہ مدینہ منورہ کے اندر مسلمانوں کے علاوہ عرب کے دو قبیلے اَوس اور خَزرَج جبکہ یہود کے تین قبیلے بَنُو قَینُقَاع، بَنُو نَضِیر اور بَنُو قُرَیظَہ آباد تھے۔ گویا اندرونی اور بیرونی اعتبار سے مدینہ منورہ خطرات میں گھرا ہوا تھا۔

مدنی دور کو بھی تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے مرحلے میں دعوت وتبلیغ، نئے احکامات کی تعلیم وتنفیذ کے ساتھ ساتھ اندرونی اور بیرونی خطرات کا مقابلہ کیا جارہا تھا، دوسرے مرحلے میں آسانی کے آثار نمودار ہوئے، غرور کے نشے میں مست کفار کی آنکھیں کھلیں اور صلح کے ذریعے اسلام کی قوت کو تسلیم کرا لیا گیا، تیسرے مرحلے میں حق کو فتح نصیب ہوئی، حق غالب آیا، کفر وغرور کا سر نیچا ہوا، جبر واستبداد کی زنجیریں ٹوٹ گئیں، خلق خدا کے سامنے حق عیاں ہوا، حق کو سمجھنا آسان ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

پہلا مرحلہ: خطرات

- ......بنیادی اِقدامات
- ......غزوات وسرایا
- ......احکامات وواقعات

درس نمبر: ۴۴

پہلا مرحلہ خطرات اور ان کا مقابلہ

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد مدینہ منورہ روئے زمین پر ایک اسلامی ریاست بن چکا تھا، اسلامی معاشرے کی تشکیل کی گئی، معاشرتی نظام، تعلیم وتربیت کا نظام اور اسلامی ریاست میں داخلی امن کا نظام، اسلامی ریاست کے پڑوس میں آباد قبائل سے دفاعی معاہدوں کا نظام سب طے کرلیا گیا۔

یہ سب کچھ طے ہوجانے اور منظر عام پر آنے کے بعد اس ریاست کو تین طرف بلکہ اندر سے بھی خطرات پیش آئے، مدینہ منورہ میں پہلا مرحلہ انہی داخلی اور خارجی خطروں سے نمٹنے میں طے ہوتا ہے، مدینہ منورہ کے جنوب میں قریش، شمال میں یہود اور مشرق میں دیگر قبائل عرب اسلام کی دشمنی میں ایک تھے، جبکہ داخلی طور پر مدینہ منورہ میں منافقین کا گروہ بھی اسلام کے خلاف سرگرم تھا۔

یہ پہلا مرحلہ انہی خطرات اور ان سے مقابلے کی روئیداد ہے جس میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حکمت عملی اور خطرات و مشکل حالات میں امت کے لئے ایک سبق اور اسلامی فکر کا ایک ماخذ ہے۔

۱ھ کے واقعات

بنیادی اقدامات اور ان کے مقاصد

تین اقدامات:

ایک اسلامی ریاست کی تین اہم اور بنیادی ضرورتیں ہیں:

۱۔ اللہ کے ساتھ صحیح تعلق کا نظام ہو۔

۲۔ آپس میں صحیح تعلق کا نظام ہو۔

۳۔ غیر مسلموں کے ساتھ صحیح تعلق کا نظام ہو۔

مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان تین مقاصد کے لئے تین اقدامات کئے: پہلے مقصد کے لئے مسجد نبوی تعمیر کی، دوسرے مقصد کے لئے مواخات کا نظام بنایا اور تیسرے مقصد کے لیے "میثاقِ مدینہ" کی بنیاد پر سب کو جمع کیا۔ (۱)

(۱) فقہ السیرۃ للغزالی ص ۱۳۵

درس نمبر: ۴۵

پہلا اقدام: مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیشِ نظر سب سے اہم بات یہ تھی کہ مسلمانوں کا ایک مرکز ہو، جہاں سب مسلمان جمع ہوں، اجتماعی طور پر عبادت کا اہتمام ہو، تعلیم وتربیت کا نظام ہو اور آپس میں ان کے تعارف کا ماحول بھی ہو۔

مدینہ تشریف آوری کے بعد چھ، سات ماہ تک رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا، اس عرصے میں نماز کی ادائیگی کی کوئی خاص جگہ نہیں تھی کہیں پر بھی نماز ادا کرلیا کرتے تھے، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا، اس مقصد کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہ "سَہْلؔ" اور "سُھَیْل" نامی دو بھائیوں کی جگہ تھی، انہوں نے بلاقیمت وہ جگہ رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کرنا چاہی لیکن آپ نے قیمت ادا فرما کر اس زمین کو خرید لیا اور مسجد نبوی کی تعمیر فرما کر ایک مرکز کا انتظام کردیا (۱) کچھ عرصہ بعد مسجد چھوٹی پڑ گئی تو اس میں مزید توسیع فرمائی۔

مسجد کے ساتھ ہی درس وتدریس کے لیے ایک چبوترہ بھی بنوایا جو صُفَّۃ کے نام سے مشہور ہوا، اصحابِ صُفہ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف ہوتی تھی، جب مدینہ منورہ میں وفود آتے تھے تو اصحابِ صُفہ کی تعداد بڑھ جاتی تھی اور عام حالت میں کم رہتی، عام طور پر سات سے اُوپر ان کی تعداد بتائی جاتی ہے، اور اُن کی کفالت مالدار صحابہ کرام کیا کرتے تھے۔

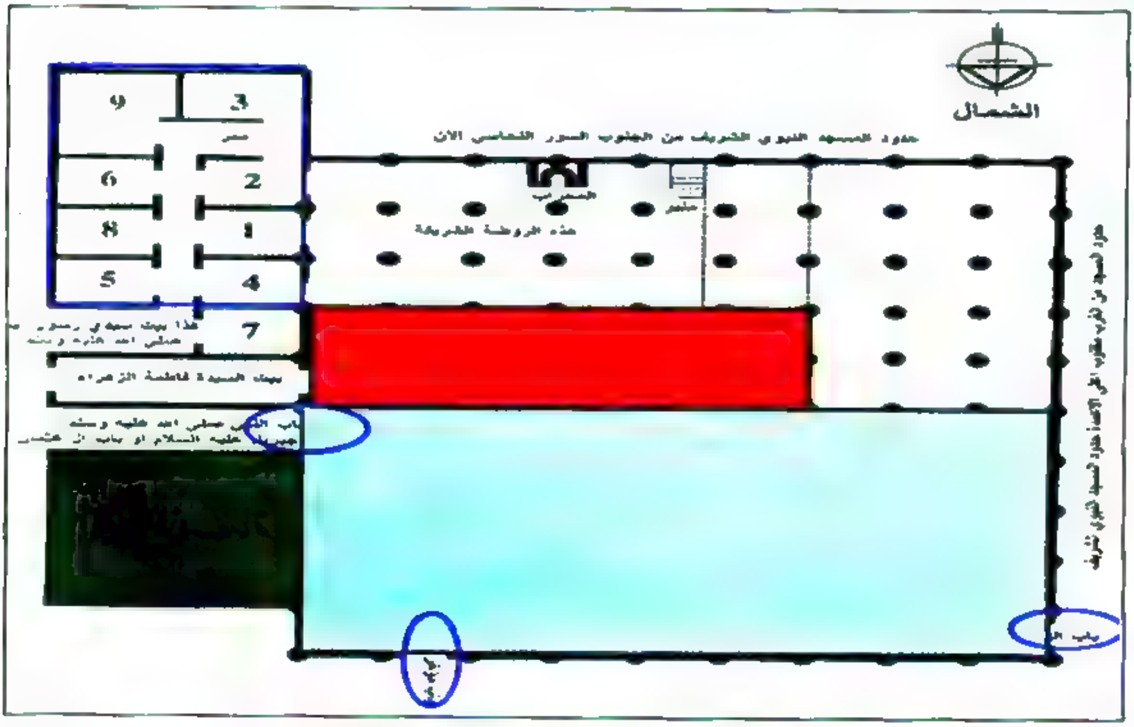

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی اور چبوترہ اصحاب صفہ اور ازواج مطہرات کے حجرے

(۱) بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ

رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجد کا کردار محض ایک عبادت گاہ کا نہ تھا بلکہ مسجد پورے معاشرے کو منظم کرنے کا ذریعہ تھی۔ مسجد نبوی میں بہت سے مناظر دیکھے جاسکتے تھے۔ کبھی ایک مدرسے کا منظر ہوتا، جہاں تعلیم و تربیت کے حلقے لگتے تھے، کبھی دَارُ الْاِفْتَاءِ کا منظر ہوتا، جہاں لوگوں کے مسائل سن کر ان کا حل پیش کیا جاتا تھا۔ کبھی عدالت کا منظر بنتا جہاں لوگوں کے فیصلے کئے جاتے تھے، مالِ غنیمت کی تقسیم کا مرکز بھی مسجد نبوی تھی۔

اصلاح معاشرہ میں مساجد کا کردار:

یہ ایک اہم موضوع ہے جس کی طرف مسلمانوں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مساجد مسلمانوں کی آبادی کے ہیڈکوارٹرز ہیں، جہاں سے مسلمانوں کے تمام حالات و معاملات کی اصلاح اور ان کی مشکلات کا حل نکالا جاتا ہے، لہٰذا مساجد میں تعلیم و تربیت کے حلقے لگیں اور مجالس رشد و ہدایت منعقد ہوں، مسلمان تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہوں، ان کو اپنے خالق سے ٹھیک تعلق کا انداز معلوم ہو اور مخلوق کے ساتھ صحیح برتاؤ و سلوک کا نظام معلوم ہو۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کیلئے بھیجا اور آپ کے ذمہ چار کام لگائے: تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ۔ ہم ان چار باتوں کو آسانی سے سمجھنے اور سمجھانے کیلئے یوں کہہ سکتے ہیں کہ تلاوت کتاب میں تجوید، تعلیم کتاب میں تفسیر، تعلیم حکمت میں حدیث و مسائل اور تزکیہ میں تصوف و سلوک آ گیا ہے، لہٰذا مساجد میں انہی عنوانات پر مجالس اور حلقوں کا اہتمام ہونا چاہیے اور مسلمانوں کو ان مجالس سے ہر حال میں جڑنا چاہئے۔

(۱) مجلس تجوید و عربی:

اس مجلس میں مسلمانوں کو قرآنِ کریم کی صحیح تلاوت سکھائی جائے، نماز کے الفاظ اور مسنون دعائیں صحیح تلفظ کے ساتھ یاد کرائی جائیں، اس کے بعد عربی زبان سکھائی جائے، کیونکہ یہ اسلام، قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کی زبان ہے اور اس کے جاننے سے مسلمان باشعور مسلمان بن سکتا ہے۔

(۲) مجلس تفسیر:

جس میں مسلمانوں کو قرآنِ کریم کا معنیٰ، مطلب اور مضامین سمجھائے جائیں تاکہ ایک مسلمان اپنی زندگی کے مقصد سے واقف ہو جائے اور اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے اس کے ذہن میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

(۳) مجلس حدیث:

جس میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین اور ارشادات مسلمانوں کو مؤثر انداز میں سنائے اور سکھائے جائیں کہ مسلمان تصور کی دنیا میں یوں محسوس کریں کہ گویا وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔

(۴) مجلس سیرت و تاریخ:

رسول اللہ ﷺ انسانیت کیلئے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ کے نقشِ قدم پر چل کر ہی کامیابی اور سعادت کی منزل تک پہنچنا ممکن ہے، اس کے بعد خلافت راشدہ اور تاریخ اسلام کے دیگر ادوار، دروس وعبرتوں کی روشنی میں بیان کئے جائیں، تاکہ ماضی کی روشنی میں بہترین مستقبل کی راہ متعین کی جاسکے اور تاریخ کی آڑ میں جو بہت سے حقائق کو مسخ کرکے نئی نسل کو اپنے اکابر سے بدظن کیا جاتا ہے، اس حقیقت کو جاننا آسان ہو جائے۔

(۵) مجلس مسائل:

اس مجلس میں عملی زندگی اور پیش آنے والے مسائل مسلمانوں کو سکھائے جائیں، طہارت کے مسائل ہوں یا نماز کے، زکوٰۃ کے ہوں یا روزے کے، حج کے ہوں یا قربانی کے، نکاح کے ہوں یا طلاق کے، کاروبار کے ہوں یا آپس کے تنازعات کے، وصیت کے ہوں یا میراث کے، خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق مسائل ان حلقوں میں سکھائے جائیں۔

(۶) خطبہ جمعہ وعیدین:

یہ نسبتاً مسلمانوں کے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں، اس لئے ان میں باہمی ربط واتفاق اور فکری اصلاح کے حوالے سے ایسے موضوعات وعنوانات پر بات ہو جس سے مضبوط اور مثبت اثرات مرتب ہوں۔

(۷) نظام فتویٰ:

اگر مسلمان اپنے مسائل تحریری طور پر پیش کرکے مستند اور معتبر حوالہ کے ساتھ فتویٰ حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے ہر مسجد میں ایک دارالافتاء کا قیام ضروری ہے، جہاں افتاء کے اصول کی روشنی میں مسائل کے جوابات زبانی اور تحریری دیئے جائیں اور اگر وہاں سے جواب کا صحیح انتظام نہ ہو سکے تو بڑے دینی اداروں سے جواب حاصل کیا جائے۔

درس نمبر: ۴۶

دوسرا اِقدام: مواخات کا نظام

وہ مسلمان جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے مدینہ میں اجنبی تھے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر سب کچھ قربان کرکے بے سروسامان اور خالی ہاتھ مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمادیا۔ اس موقع پر انصار نے ایثار وقربانی کی تاریخ رقم کردی، مہاجرین کو اپنے کاروبار اور تمام منافع میں شریک کرلیا، بعض نے تو یہاں تک کہا کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دوں گا تاکہ

میرا مہاجر بھائی اس سے نکاح کر لے لیکن مہاجرین بھی خود دار لوگ تھے. چونکہ وہ تجارت سے واقف تھے اس لئے انصار پر بوجھ بننے کی بجائے بازار کا راستہ اختیار کیا۔

مواخات کے فوائد:

بھائی چارے اور مواخات کے نظام کے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

۱۔سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سالہ صحبت سے حاصل کردہ فوائد و انوارات کو انصار کی طرف منتقل کر دیا گویا مدینہ منورہ کا گھر گھر مدرسہ بن گیا، یہ تعلیمی فائدہ ہوا۔

۲۔دوسرا اہم فائدہ یہ ہوا کہ مہاجرین نے خود کو مہمان سمجھنا اور انصار نے خود کو میزبان سمجھنا چھوڑ دیا، بلکہ ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے کی وجہ سے ان کے درمیان بے تکلفی کی فضا قائم ہوگئی، یہ معاشرتی فائدہ ہوا۔

۳۔تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ انصار کھیتی باڑی سے تو واقف تھے لیکن تجارت سے ناواقف تھے جس کی وجہ سے مدینہ کی تجارت پر یہود کا قبضہ تھا، مہاجرین تجارت میں ماہر تھے تو مہاجرین و انصار کے باہمی اشتراک سے مدینہ کی تجارت سے یہود کی اجارہ داری ختم ہوگئی اور یوں مسلمان اقتصادی اور معاشی میدان میں آگے ہوگئے، یہ معاشی فائدہ ہوا۔

تیسرا اِقدام: میثاق مدینہ

رسول اللہ ﷺ کا تیسرا ابتدائی اقدام "میثاقِ مدینہ" ہے، اس معاہدے نے مدینہ کی منتشر فضا کو یکجا کر دیا، اس اِقدام کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

۱......ہر ایک کو اپنے دین پر چلنے کا حق حاصل ہوگا۔

۲......ہر ایک اپنا خرچہ خود برداشت کرے گا۔

۳......جنگ کی صورت میں اتفاق ہوگا۔

۴......معاہدے کے غلط استعمال پر پابندی ہوگی۔

۵......حق دار کی حمایت کی جائے گی۔

۶......ہر قسم کے ہنگامے اور فساد پر پابندی ہوگی۔

۷......اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کو فیصلے کا حق حاصل ہوگا۔

۸......اندرونی و بیرونی حملے کی صورت میں سب مل کر دشمن سے دفاع کریں گے۔(۱)

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۳/ ۲۲۴ سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۴۵۵

درس نمبر: ۴۷

جہاد

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے لیکن کافروں کی ہٹ دھرمی اور غرور بدستور جاری رہا، چنانچہ ان کی طرف سے مسلسل دھمکیاں مل رہی تھیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت مل گئی۔ مدنی دور کے آغاز سے قبل ضروری ہے کہ چند حقائق کو سمجھ لیا جائے تاکہ آئندہ کے حالات و واقعات کو بصیرت کے ساتھ سمجھا جا سکے:

پہلی بات:

مدنی دور کو سمجھنے کے لئے مدینہ منورہ کا اندرونی اور بیرونی جغرافیہ انتہائی اہم ہے۔ دونوں قسم کے نقشے غور سے دیکھ لئے جائیں۔ ان نقشوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو اندرونی اور بیرونی طور جن طبقات سے خطرات لاحق تھے وہ اندرونی طور پر یہود اور منافقین اور بیرونی طور پر جنوب کی جانب سے کفار مکہ، مشرق کی جانب سے دیگر قبائل عرب اور شمال کی جانب سے خیبر کے یہود۔ یہ تینوں کفریہ بلاک کے بنیادی ارکان تھے۔ درمیان میں اور چھوٹے چھوٹے مخالفین اور دشمن موجود تھے۔

شام کی طرف مدینہ منورہ، اور عراق سے گزرنے والے تجارتی راستے جن سے کفار مکہ آتے جاتے تھے

دوسری بات:

مکہ مکرمہ کے لوگ شام کی جانب جو تجارت کیا کرتے تھے ان کا راستہ بحیرۂ قلزم کے ساحل پر مدینہ منورہ کے پاس سے گزرتا تھا۔ اس راستے کا محفوظ اور پر امن رہنا ان کی معاشی مضبوطی کے لئے انتہائی ضروری تھا۔

تیسری بات:

رسول اللہ صلی اللہ ﷺ نے جو حکمت عملی اختیار کی وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ کے داخلی امن کے لئے آپ نے میثاق مدینہ کر دیا۔ بیرونی امن کے لئے آپ نے مدینہ کے اطراف اور خصوصاً اس ساحلی پٹی پر آباد قبائل

سے دفاعی معاہدے کر لئے جس سے ایک طرف اہل مدینہ محفوظ ہوئے تو دوسری جانب اہل مکہ غیر محفوظ ہو گئے۔

چوتھی بات:

رسول اللہ ﷺ نے اس ساحلی پٹی پر نظر رکھی اور یہاں کی آمدورفت کو اپنی نگرانی میں لے لیا، یہاں آپ کے دستے گھومنے پھرنے لگے، کبھی آپ خود قیادت کرتے اور کبھی اپنے صحابہ میں سے کسی کو امیر بنا لیتے۔

پانچویں بات:

مدنی دور میں چونکہ جہاد کا تذکرہ کثرت سے آتا ہے لہٰذا آگے جانے سے قبل جہاد کے بارے میں مختصر گفتگو پیش خدمت ہے:

درس نمبر: ۲۸

جہاد کا حکم:

جہاد ظلم و جبر کے مقابلے میں اپنی پوری طاقت وقوت کو بروئے کار لانے اور جان ومال کی بازی لگانے کا نام ہے۔ مسلمان کے ضمیر وخمیر میں یہ بات شامل ہے کہ وہ کفر وظلم اور جبر واستبداد کے سامنے سر نہیں جھکاتا، باطل کی حمایت اور اس کی صف میں کھڑا نہیں ہوتا، اس لئے ہجرت اور جہاد کے دو سبق جڑواں چلتے ہیں، جہاں ظلم و جبر کا مقابلہ نہ ہو سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے اور جہاں مقابلے کی طاقت ہو وہاں جہاد فرض ہے۔

مکی دور مظلومیت کا دور تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مظالم کی انتہاء کی گئی لیکن ان کو معافی، درگزر اور صبر کا حکم کیا گیا، اس لئے اس دور میں اہل ایمان کی طرف سے کفار کی سختی اور ہٹ دھرمی کا کوئی جواب نہیں دیا گیا بلکہ مظالم کے مقابلے میں صبر ہی کا مظاہرہ ہوتا رہا۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد ایک اسلامی ریاست وجود میں آگئی مختلف علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے وہاں جمع ہو گئے۔ اس وقت دوسرے علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کو وہاں سے ہجرت اور اہل مدینہ کو جہاد کا حکم تین مرحلوں میں نازل ہوا:

پہلا مرحلہ: جہاد کی اجازت

پہلے مرحلے میں صرف اجازت دی گئی یعنی اگر ایک مسلمان ظلم و جبر کے مقابلے میں صبر کی بجائے جہاد کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس مظلوم کو اس کی اجازت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا (۱)

"جن مسلمانوں سے کفار لڑتے ہیں ان کو جنگ کی اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا"

(۱) الحج: ۳۹

دوسرا مرحلہ: دفاعی جہاد

دوسرے مرحلے میں مسلمانوں کو خاص طبقے کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے آئیں اور جنگ کے حالات پیدا کریں تو اب دفاع میں ان کے خلاف جہاد کا حکم ہے اور اس جنگجو طبقے کے خلاف کھڑا ہونا فرض ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾ (۱)

"جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو!"

تیسرا مرحلہ: اقدامی جہاد

تیسرے مرحلے میں ظلم و جبر اور طاغوت کے خلاف عمومی جہاد کا حکم دیا گیا یعنی حالات جنگ کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ کفار یا تو اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی صفوں میں آجائیں یا اسلام کے خلاف کسی بھی سازش اور منصوبے سے دستبرداری کا صاف اعلان کر دیں، وہ مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ کر لیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً﴾ (۲)

"اور سب مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں (اور ہر وقت اس کے لئے تیار رہتے ہیں)"

لیکن جہاد کا عمومی حکم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مزید تفصیلات بیان فرمائیں اور جانچ پڑتال کی ہدایت کرتے ہوئے کفار کی چار قسمیں کر دیں، کیونکہ مسلمان پوری دنیا میں امن کے علمبردار ہیں۔

کفار کی چار قسمیں:

۱...... ذِمِّي: جو مسلم ملک کا مستقل باشندہ ہو، ان کا مالدار اور برسر روزگار طبقہ اسلامی ریاست کو ٹیکس ادا کرتا ہے، ٹیکس کی وصولی میں بھی ان کی مالی حیثیت کو دیکھا جاتا ہے، اسلامی حکومت جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کے حفاظت کی ذمہ دار ہے، اسی طرح ذمیوں کے جان و مال کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے۔

۲...... مُسْتَامِن: وہ کافر ہے جو ویزہ یا اجازت لے کر چند دن کے لئے اسلامی ریاست میں آئے، چونکہ وہ مسلمانوں سے امان لے کر آیا ہے اس لئے اس کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کے ذمے ہے۔

۳...... مُعَاهِد: اُس کفریہ ملک کا باشندہ جس سے اسلامی حکومت کا معاہدہ ہے، اس سے بھی جنگ نہ ہوگی۔

۴...... حَرْبِي: جنگ کرنے والا، اس قسم کے کافروں سے جہاد ہوگا لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں،

(۱) البقرۃ: ۱۹۰ (۲) التوبۃ: ۵

معذوروں اور عبادت گزاروں کو کچھ نہ کہا جائے گا۔(۱)

کفر و اسلام کی جنگوں کا موازنہ:

اسلام کے اس نظام امن کو سمجھنا ہو تو رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور کفار کی باہمی جنگوں کا موازنہ کیا جائے، معلوم ہو جائے گا کہ کفار کی کسی بھی ایک جنگ میں ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد رسول اللہ ﷺ کے تمام غزوات میں مارے جانے والے افراد سے کہیں زیادہ ہے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی: ان تمام جنگوں میں لے دے کے سب کی کل تعداد ایک ہزار اٹھارہ ہے جو اتنی تعداد بھی نہیں جتنے نیویارک کی سڑکوں یا لندن کی شاہراہوں پر موٹروں کے نیچے سے روزانہ اٹھائے جاتے ہیں(۲)

سرایا

غزوہ اور سریہ کا فرق:

جس لشکر میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے وہ "غَزْوَة" اور جس میں خود شریک نہیں ہوئے بلکہ اپنے کسی صحابی کو امیر بنا کر بھیجا وہ "سَرِيَّة" کہلاتا ہے۔

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ:......(رمضان ۱ھ)

حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس مہاجرین کا دستہ قریشی قافلے کا پتا لگانے کیلئے روانہ ہوا۔ اس قافلے میں ابو جہل بھی تھا۔ مسلمان مقام "عَيْص" کے پاس پہنچے اور فریقین جنگ کیلئے آمنے سامنے بھی ہوئے لیکن قبیلہ "جُهَيْنَة" کے سردار نے بیچ میں پڑ کر جنگ رکوا دی۔(۳)

سریہ عُبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ:......(شوال ۱ھ)

ساٹھ مہاجرین کا دستہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی قیادت میں "رَابِغ" کے مقام پر ابوسفیان کے سامنے پہنچا۔ فریقین نے تیر بھی چلائے لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ مکی لشکر کے دو آدمی مقداد ابن اسود اور عتبہ بن غزوان جو کہ پہلے مسلمان تھے، مسلمانوں کی جماعت سے آ کر مل گئے۔(۴)

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:......(ذی قعدہ ۱ھ)

بیس آدمیوں کا دستہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قریشی قافلے کا پتا لگانے کیلئے روانہ ہوا۔ "خَرَّار" کے مقام تک ان کو پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔ خرار پہنچے تو قافلہ ایک دن پہلے نکل چکا تھا۔ اس لئے کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔(۵)

---

(۱) السیرۃ النبویۃ (دروس وعبر) ص۴۴۴ (۲) النبی الخاتم ص۱۱۵ (۳) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۰۷ (۴) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۰۳ (۵) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۹

درس نمبر:۴۹

۲ھ

سرایا و غزوات

غزوۂ ابواء/ودّان:.....(صفر ۲ھ)

ایک مرتبہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ کافروں کا ایک تجارتی قافلہ آرہا ہے، آپ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے، مگر وہ پہلے ہی نکل چکا تھا، البتہ یہاں آباد قبائل سے آپ نے معاہدہ کرلیا اور وہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔(۱)

غزوۂ بُواط:.....(ربیع الاول ۲ھ)

رسول اللہ ﷺ کو پھر اطلاع ملی کہ ایک قافلہ آرہا ہے، آپ تعاقب میں نکلے لیکن یہ قافلہ بھی نکل چکا تھا، یہاں بھی آپ نے قبائل سے معاہدہ کرلیا۔(۲)

غزوۂ سفوان یا بدر اولیٰ:.....(ربیع الاول ۲ھ)

کافروں کے سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو اس کے تعاقب میں بدر تک گئے، لیکن وہ نکل چکا تھا۔(۳)

غزوۂ عشیرہ:.....(جمادی الاولیٰ ۲ھ)

یَنْبُوْع کے پاس عُشَیْرَہ ایک مقام ہے، یہ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں تھا، رسول اللہ ﷺ اس کے تعاقب میں گئے، لیکن وہ نکل چکا تھا، یہاں سراقہ بن مالک کے قبیلے بَنُوْ مُدْلِج کیساتھ معاہدہ ہوگیا، بار بار آنے جانے کی وجہ سے یہ تمام قبائل مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور کافروں کے لیے یہ راستہ پُر خطر بن گیا، کفارِ مکہ نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا اور عراق کے راستے شام جانے لگے لیکن آپ نے یہاں بھی دستے متعین کر دیئے اور یوں کفارِ مکہ اب سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ ان کو اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجانا چاہیے۔(۴)

سریہ عبداللہ بن جحش:.....(رجب ۲ھ)

رسول اللہ ﷺ نے آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ بنایا اور فرمایا کہ اس کا امیر ایسے آدمی کو بناؤں گا جو بھوک پر بہت صبر کرنے والا ہوگا، اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، اور ان کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ اس خط کو دو دن سفر کرنے کے بعد پڑھنا، وہ روانہ ہوگئے اور دو دن کا سفر طے کر کے اس خط کو کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے بطن نخلہ پہنچو! جو واپس آنا چاہے اس کو مت روکو! بطن نخلہ پہنچ

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۰۳ (۲) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۰ (۳) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۳ (۴) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۰۰

کر کافروں کے حالات سے ہم کو آگاہ کرو! حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر ساتھیوں کو سنایا، سب نے کہا کہ ہم آگے جائیں گے، چنانچہ یہ لوگ بطن نخلہ پہنچے، وہاں کافروں کا ایک گروہ آرہا تھا، انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے لیکن مسلمانوں نے اپنے سر منڈوا دیئے، کافر مطمئن ہو گئے کہ یہ لوگ عمرہ کرنے جارہے ہیں، حرمت والے مہینے چل رہے تھے، مسلمانوں نے سوچا کہ اگر ان کو چھوڑتے ہیں تو یہ مکہ جا کر سازش کریں گے اور ان سے لڑتے ہیں تو حرمت والے مہینے ہیں، سوچ وبچار کے بعد لڑائی کو حالات کے مناسب بہتر سمجھا، چنانچہ لڑائی کی اور ایک کافر کو مار دیا اور دو کو گرفتار کرلیا، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: میں نے تو صرف نگرانی کا کہا تھا لڑائی کا نہیں کہا تھا، کافروں نے بھی کافی شور مچایا کہ حرمت والے مہینوں کا خیال نہیں کیا، قرآن نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۱)

یعنی حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا بری بات ہے مگر راہِ حق سے لوگوں کو روکنا، حق کا انکار کرنا، مسجد حرام سے لوگوں کو روکنا، اہل حق کو وہاں سے نکالنا اور فتنہ کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔ اس جواب سے کافروں کا غصہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ (۲)

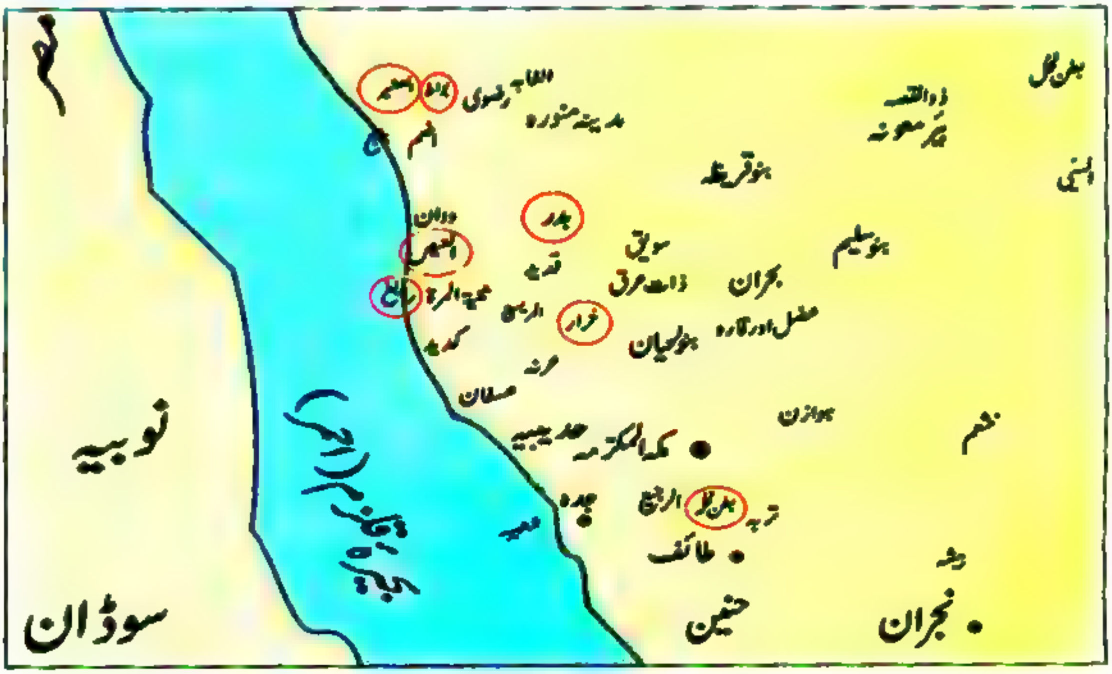

اس نقشہ میں غزوہ بدر سے پہلے کے واقعات کی جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے

(۱) سورۃ البقرۃ آیہ ۲۱۷ (۲) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۳

درس نمبر: ۵۰

غزوہ بدر کبریٰ (رمضان ۲ھ)

تاریخ اسلام کا ایک عظیم معرکہ جس کو "یَوْمُ الْفُرْقَان" کہا گیا ہے وہ غزوہ بدر ہے۔ اسی سے اسلام کی عزت وشوکت اور کفر کی ذلت ورسوائی کی ابتداء ہوتی ہے۔

معرکے سے پہلے

سبب:

رمضان کے شروع میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ کافروں کا ایک بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے واپس آرہا ہے اور اس میں مکہ کے ہر گھر سے سرمایہ شامل کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس کے بارے میں ترغیب دی جس پر صحابہ کرام تیار ہو گئے۔

مسلمانوں کی مدینہ سے روانگی:

رسول اللہ ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کو ساتھ لے کر قافلے کے تعاقب میں نکل گئے، "سُقْیَا" کے مقام پر لشکر کو ترتیب دیا، بچوں کو واپس کیا پھر "صَفْرَا" کے مقام سے دو جاسوس روانہ کئے کہ وہ تازہ ترین اطلاع لے کر آئیں۔

ابوسفیان کا قافلہ:

ابوسفیان کو مسلمانوں کے لشکر کی اطلاع ملی تو اس نے ایک شخص کو مکہ میں اطلاع کے لئے روانہ کیا اور خود بدر کے مقام پر پہنچ کر ایک سردار سے پوچھا: یہاں کوئی آیا تو نہیں تھا؟ سردار نے کہا: دو آدمی آئے تھے، ابوسفیان نے پوچھا: کہاں آئے تھے؟ اس نے کہا: اس کنویں کے پاس آئے تھے، ابوسفیان نے وہاں اونٹ کی مینگنیاں دیکھیں، ان کو توڑا تو ان میں سے کھجور کی گٹھلیاں نکلیں، سمجھ گیا کہ مسلمان یہاں پہنچ چکے ہیں، اس نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا، دریا (بحر احمر اور بحیرۂ قلزم) کے ساحلی راستے سے ہوتا ہوا سلامتی کے ساتھ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

ابوجہل کا لشکر:

مکہ مکرمہ میں جب ابوسفیان اور اس کے قافلے کے گھیرے میں آجانے کی اطلاع پہنچی تو ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لیکر بڑے غرور وتکبر کے ساتھ نکلا، گانے والی عورتیں ساتھ لیں تاکہ گانے کے ذریعے اپنے جنگجوؤں کا حوصلہ بڑھایا جائے۔ جُحْفَة کے مقام سے ابوسفیان نے ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ میں بحفاظت نکل گیا ہوں، لہٰذا تم لوگ واپس ہو جاؤ! لیکن ابوجہل جس پر گھمنڈ اور غرور سوار تھا، کہنے لگا: اب ہم مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے اور پورے عرب پر اپنی دہشت اور دھاک بٹھائیں گے۔

قافلے سے لشکر کی طرف:

"ذَفِرَان" نامی مقام پر مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا تجارتی قافلہ تو نکل چکا ہے، البتہ ابوجہل لشکر لے کر آرہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ شروع کیا، کیونکہ صحابہ کرام جنگ کے ارادے سے تو نہیں آئے تھے اس لئے ان کے پاس جنگی ساز و سامان بھی نہیں تھا، مہاجرین نے کہا کہ ہم ہر طرح سے تیار ہیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کا حکم ہو ہم اس کے تابع ہیں، رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: کوئی اور مشورہ دے:

حضرت مقداد کی تقریر:

"اس موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"اللہ کے رسول آپ حکم کیجئے! ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی کہ آپ جائیں اور آپ کا رب، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر آپ ہمیں "بَرْكُ الْغِمَادُ" تک جانے کا کہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے"۔

اس تقریر سے رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، لیکن اس کے باوجود دوبارہ ارشاد فرمایا کہ کوئی اور مشورہ دے! دراصل رسول اللہ ﷺ کا اشارہ انصار کی طرف تھا، اب تک جتنی بات آئی تھی وہ مہاجرین کی طرف سے تھی اور اس میں اصل وجہ یہ تھی کہ انصار سے بیعت کے وقت جو بات طے ہوئی تھی اس میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ وہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑیں گے۔

بدر کی جانب دونوں جانب سے لشکروں کی روانگی اور راستے کے مقامات

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کا اشارہ ہماری طرف ہے، کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں ہم نے اس کی تصدیق کی ہے، ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں، اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے، اگر آپ کا حکم ہو کہ اس دریا میں کود جاؤ! تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی واپس نہیں جائے گا، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں"۔

مسلمان بدر میں:

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "سِيْرُوْا عَلٰى بَرَكَةِ اللهِ" چنانچہ مسلمان بدر کی جانب چل پڑے، کافر پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود ہی روانہ ہو گئے، بدر کے مقام پر ایک بوڑھے شخص سے ملاقات ہوئی، اس سے پوچھا کہ یہاں کوئی آیا ہے؟ بوڑھے نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: پہلے تم بتاؤ، اس نے کہا: آپ کس کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا: مکہ کے کافر یا مدینہ کے مسلمان؟ اس نے جواب دیا: ابھی تک تو نہیں آئے لیکن جو اطلاعات ہیں اس کے مطابق کافروں کا لشکر جس تاریخ کو نکلا ہے اس کو فلاں جگہ پر ہونا چاہیے اور ٹھیک وہ جگہ بتا دی۔ رسول اللہ ﷺ حالات معلوم کر کے لوٹ آئے، کافروں نے بدر کے میدان میں اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى میں اپنی جگہ بنالی اور مسلمانوں نے اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا (مدینہ کی جانب) رسول اللہ ﷺ بدر کے میدان میں ایک جگہ ٹھہر گئے، ایک صحابی حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس جگہ کا انتخاب اللہ کی طرف سے وحی ہے یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ میری رائے ہے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس جگہ کی بجائے کنویں کے پاس

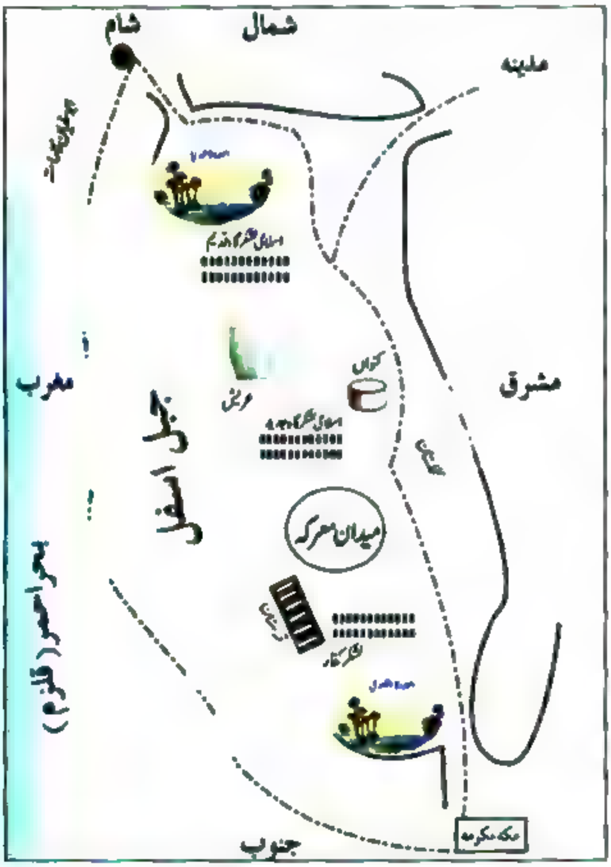

اس نقشہ میں میدان بدر کی وضاحت کی گئی ہے

ٹھہرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کو لے کر کنویں کے پاس آگئے۔ صحابہ کو نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا۔ فلاں کافر یہاں مارا جائے گا۔ صحابہ نے بعد میں بتایا کہ اللہ کی قسم! ایک انچ کا فرق بھی نہیں تھا۔ جو جگہیں آپ نے بتائی تھیں وہیں وہ سارے کافر مردار پڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک عریش (چھپر) بنایا گیا اور آپ اس میں ٹھہر گئے۔

مسجد عریش جہاں آپ ﷺ نے آرام فرمایا اور کافروں کے حق میں بددعا فرمائی

کافروں اور مسلمانوں کی فوجی قوت کا موازنہ:

قبل اس کے معرکے کے حالات بیان کیے جائیں، ضروری ہے کہ دونوں طرف کی قوت کا موازنہ کیا جائے

قوت	مسلمان	کفار	تناسب
تعداد	۳۱۳	۱۰۰۰	۱:۳
گھوڑے	۲	۱۰۰	۱:۵۰
اونٹ	۷۰	۷۰۰	۱:۱۰

عقل پرستوں کے نزدیک ظاہری صورتحال کے مطابق مسلمانوں کے لشکر کو فوری شکست ہونی چاہیے اور تھوڑی ہی دیر میں کافروں کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو جانا چاہیے لیکن ہوا کیا؟ اللہ نے مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب فرمائی اور کافروں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

اسلامی لشکر کی ترتیب:

رسول اللہ ﷺ مسجد عریش سے لشکر کی کمان کر رہے تھے اور ایک جماعت آپ کا پہرہ دے رہی تھی، جس کے امیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے، رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو ترتیب دیا اور تین جماعتیں بنائیں، ایک جماعت نیزہ بازوں کی، ایک جماعت تیر اندازوں کی اور ایک جماعت تلوار برداروں کی، اور یہ ہدایت کی کہ جب تک کافر حملہ نہ کریں تم پہل نہ کرنا اور اپنے تیر بچا بچا کر رکھنا! کافروں کو یہ ترتیب معلوم نہ تھی۔

درس نمبر: ۵۱

حالات معرکہ

معرکے کا آغاز:

اگلے دن معرکہ شروع ہوا، کافروں کی طرف سے تین آدمی میدان میں اترے: ولید، عتبہ اور شیبہ اور آواز لگائی هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ؟ "ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟" مسلمانوں کی طرف سے تین انصاری صحابی مقابلے پر آئے مگر کفار کہنے لگے کہ تم سے ہماری کوئی لڑائی نہیں، ہمارے مقابلے کیلئے مہاجرین کو بھیجو! چنانچہ حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم مقابلے کے لئے آئے۔ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے اپنے مقابل کو ہلاک کر ڈالا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مقابل نے ایک دوسرے کو زخمی کر دیا، حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے بڑھ کر اس کو قتل کر دیا اور اپنے ساتھی کو اٹھا کر لے آئے۔

معرکے میں تیزی:

کافروں کی طرف سے جئے "ھُبل" کے نعرے بلند ہوئے اور عام لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو منظم کر کے دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تین مرتبہ آئے، دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا و مافیہا سے بے خبر، پوری الحاح وزاری کے ساتھ دعاؤں میں مشغول ہیں اور یوں دعاء کر رہے ہیں:

"اے اللہ! آج اگر یہ قلیل جماعت ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا تو ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! ان کے پاس سامان نہیں ہے تو ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! ان کے پاس گھوڑے نہیں ہیں تو ان کی مدد فرما۔"

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ تیز ہو گئی اور گھمسان کا رن پڑنے لگا کہ اچانک میری دائیں طرف ایک چھوٹا لڑکا آیا اور ابو جہل کا پوچھا؟ میں نے اس سے کہا کہ وہ کافروں کا بڑا کمانڈر ہے تم اس کا کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو گالیاں بکتا ہے، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں نے اُسے دیکھا تو اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک ہم میں سے کوئی ایک مر نہ جائے۔ اتنے میں میرے بائیں طرف بھی ایک چھوٹا سا لڑکا اسی طرح کا آیا اور یہی بات دہرائی۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ابو جہل اپنی صفوں

کو منظم کر رہا تھا، میں نے اُس کی طرف اشارہ کیا، وہ دونوں لڑکے بجلی کی طرح اُس کی طرف لپکے۔ ایک نے اس کے گھوڑے پر حملہ کر کے اس کو نیچے گرا دیا، جبکہ دوسرے نے ابو جہل پر حملہ کر دیا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذ کے کندھے پر حملہ کر دیا، ہاتھ کٹ گیا، کچھ حصہ لٹکتا رہا، وہ اسی حالت میں لڑتے رہے۔ آخر اپنا زخمی ہاتھ نیچے رکھ کر زور سے کھینچا اور الگ کر دیا۔ لڑائی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کا پتا لگانے کیلئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ابو جہل زخمی حالت میں ہے، میں جا کر اس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھ کھولی تو مجھے کہا تو بہت اُونچی جگہ بیٹھ گیا ہے پھر مجھ سے جنگ کے بارے میں پوچھا کہ کیا نتیجہ نکلا؟ میں نے کہا اللہ نے اپنے رسول کی مدد کر دی ہے۔ ابو جہل کہنے لگا، اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا تیرا سر تن سے جدا کروں گا۔ اس نے کہا، یہ لے میری تلوار تیز ہے۔ اس سے کاٹ دے اور گردن نیچے سے کاٹ دے تا کہ میرا سر دوسروں سے اُونچا نظر آئے اور محمد کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ آج میرے دل میں تجھ سے نفرت پہلے کی نسبت زیادہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اس کا سر الگ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ یہ اس اُمت کا فرعون تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پورے جذبے کے ساتھ لڑ رہے تھے اور قربانیاں دے رہے تھے۔ عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کا شوقین کون ہے؟ انہوں نے کھجوریں پھینکیں اور میدان میں کود پڑے اور بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

وہ قبرستان جہاں بدر کے شہداء ابدی نیند سو رہے ہیں، دوسری جانب ایک چوک پر ان کے ناموں کی تختی نظر آ رہی ہے

جنگ کا اختتام:

جنگ ختم ہوئی، کافروں کے ستر افراد مارے گئے اور ستر گرفتار کر لیے گئے جبکہ مسلمانوں کے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے، کفار کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا، آج اس جگہ پر بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا کفار کی لاشوں سے خطاب:

رسول اللہ ﷺ اس کنویں کے پاس تشریف لائے جہاں کفار کی لاشیں پھینک دی گئیں تھیں، وہاں کھڑے ہو کر آپ نے اس طرح ان کو مخاطب کیا:

﴿يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ: أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾(۱)

"اے فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں! کیا اب تم کو یہ بات اچھی لگ رہی ہے کہ کاش! تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے، ہم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پالیا، کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسے لوگوں سے بات کر رہے ہیں جن میں روح نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تم سے زیادہ سنتے ہیں، مگر جواب نہیں دے سکتے۔

قلیب بدر، جہاں کفار کی لاشوں کو ڈال کر آپ ﷺ نے ان سے خطاب فرمایا تھا، آج اس جگہ پر بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں

(۱) صحیح البخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل

مدینہ میں فتح اور مکہ میں شکست کی خبر:

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے اور مدینہ میں فتح کی خوشخبری دینے کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کر دیا۔ مکہ میں شکست کی خبر خیثمہ بن عبداللہ نے دی، اس نے مکہ پہنچ کر بتایا کہ سرداران قریش ابوجہل، عتبہ اور شیبہ ہلاک کر دیے گئے ہیں، مکہ کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔

درس نمبر: ۵۲

معرکے کے بعد

قیدیوں کے ساتھ سلوک:

جو کفار گرفتار ہوئے مسلمانوں کا سلوک ان کے ساتھ بہت ہی کریمانہ و رحیمانہ تھا کہ خود بھوکے ہیں مگر ان کو کھلا رہے ہیں، انہی کافروں کے خلاف مسلمان کچھ دیر قبل بجلی بن کر برس رہے تھے، تلواریں چل رہی تھیں لیکن اب انہی کافروں کے لیے مسلمان نرم ہو گئے ۔ یہ دین اسلام کی ہدایات ہیں کہ مظلوم اور کمزور قوم کو اپنی بہادری نہیں دکھائی جاتی، بلکہ ظالموں کے خلاف بہادری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا، بعض حضرات نے مشورہ دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ سانپ کے بچے ہیں، ان کو چھوڑ دیں گے تو پھر ہم کو ڈسیں گے، ان کو مار دیا جائے، یہ لیڈر لوگ ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔ بہر حال فیصلہ ہوا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور ان میں جو پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، بعض قیدیوں کو پیسے لیکر چھوڑ دیا گیا۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کا داماد ابو العاص بن ربیع بھی تھا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو چھڑانے کے لیے فدیئے کے طور پر وہ ہار بھیجا جو ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ راضی ہو تو یہ ہار اس کو واپس کر کے اسے چھوڑ دو! یہ ہار زینب کے پاس اس کی ماں کی نشانی ہے، سب صحابہ نے کہا، اللہ کے رسول ہمیں منظور ہے۔

ابو العاص بن ربیع وہ ہار لے کر مکہ لوٹ گئے اور مسلمان ہو کر واپس مدینہ آگئے (۱)

غزوۂ بدر کے نتائج:

۱..... پورے جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کا رعب دبدبہ قائم ہو گیا اور یہ بات پھیل گئی کہ ایک چھوٹے سے لشکر نے بہت بڑے لشکر کو شکست فاش دے دی ہے اور کافروں کے بڑے بڑے لیڈروں کا صفایا کر دیا گیا ہے، جزیرۃ العرب سے مشرکین کی بالادستی، ہیبت اور شان و شوکت کا خاتمہ ہو گیا جن کو اپنے مال و اسباب پر بڑا بھروسہ اور اعتماد تھا۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۸_۲۹۳، سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۵۲۵_۶۳۶، الرحیق المختوم ۲۷۹_۳۱۷

۲...... یہودی مسلمانوں کی شاندار فتح سے حسد میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنے گھناؤنے اور سازشی کھیل کا آغاز کر دیا۔

درس نمبر: ۵۳

غزوہ بنو قینقاع: (شوال ۲ھ)

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد، ۱۔بَنُوْ قَیْنُقَاع ۲۔بَنُوْ نَضِیْر ۳۔ بَنُوْ قُرَیْظَة۔ ان میں بنوقینقاع مدینہ سے قریب بھی تھا اور سب سے مالدار اور خطرناک بھی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی پر انہوں نے کہا کہ تمہارا واسطہ ہم سے نہیں پڑا، اگر تمہارا واسطہ ہم سے پڑتا تو ہم تمہیں بتا دیتے۔ اس بات سے ان کا مسلمانوں سے بغض وحسد ظاہر ہو گیا، یہ سنار لوگ تھے۔ ایک مرتبہ ایک باپردہ مسلمان عورت ان کے محلے میں ایک دکاندار کے پاس گئی۔ انہوں نے اس کا چہرہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس عورت نے انکار کیا۔ اس یہودی دکاندار نے اس کا کپڑا کسی چیز کے ساتھ باندھ دیا لیکن اس عورت کو اس کا پتا نہ چلا، جب وہ اٹھنے لگی تو اس کا کپڑا پھسل گیا اور اس کے چہرے سے نقاب اُتر گیا اور وہ بے پردہ ہو گئی۔ اس نے مدد کے لیے پکارا۔ وہاں پر موجود ایک مسلمان نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ جس پر شور مچ گیا اور یہود نے آکر اس مسلمان مرد کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ صحابہ کو ساتھ لے کر آئے اور بنوقینقاع کا محاصرہ کر لیا، آپ نے ان کو یاد دلایا کہ آپ کا ہمارے ساتھ معاہدہ ہے، انہوں نے کہا کہ وہ معاہدہ آج سے ختم ہے اور یہ بھی کہا کہ آپ لوگ بدر میں عربوں کو مار کر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں، ہمارے ساتھ واسطہ پڑے گا تو تمہیں پتا چل جائے گا! یہود کی ان باتوں سے ان کا غیظ وغضب اور مسلمانوں سے ان کی نفرت کھل کر سامنے آگئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں بند ہو گئے۔ مدینہ میں خزرج کے قبیلے سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے، چنانچہ عبد اللہ بن اُبی رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی سفارش لے کر آیا لیکن آپ نے

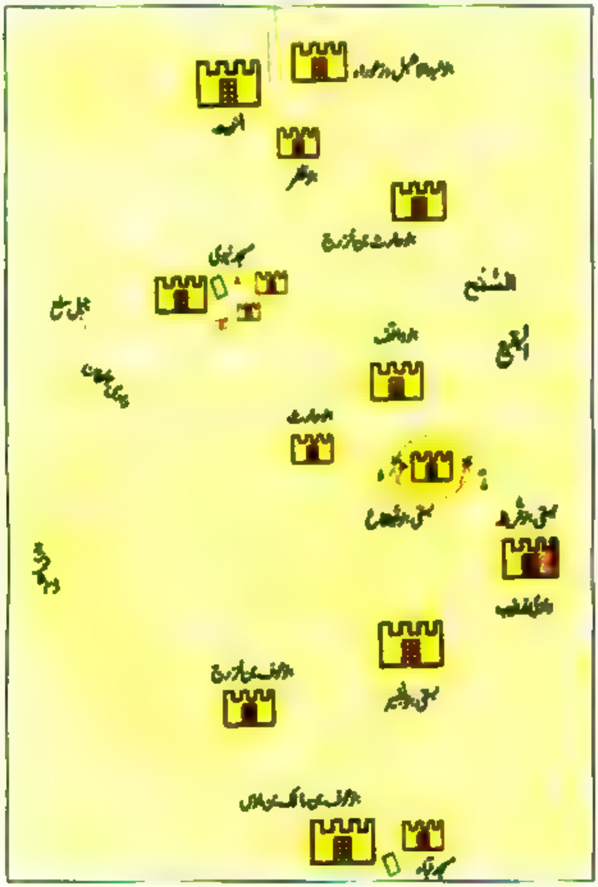

اس نقشہ سے بستی بنوقینقاع کے محل وقوع کا پتہ چلتا ہے

اس کو بیچ سے ہٹ جانے کی ہدایت کی، وہ آپ کی زرہ سے چمٹ گیا اور لجاجت کرنے لگا کہ آپ یہود پر حملہ نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زرہ چھوڑ دو! اس نے کہا: نہیں چھوڑوں گا، رسول اللہ ﷺ سخت غصے میں تھے، کیونکہ یہود کی یہ مجرمانہ حرکت مسلمانوں کی عزت پر حملہ تھا۔ عبداللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ کی بہت منت سماجت کی۔ ایک اور صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بھی اسی قبیلے سے تعلقات تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان سے اپنی براءت کا اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو! انہوں نے یہ فیصلہ سنایا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے اور ان کا اسلحہ اور ہتھیار ضبط کر لئے جائیں۔ چنانچہ یہودی وہاں سے نکل کر شام کے علاقے اَذْرَعَات میں آباد ہو گئے اور پھر وہاں سے بھی جلاوطن کر دیے گئے۔ (۱)

غزوۂ سویق: (ذوالحجہ ۲ھ)

غزوہ بدر کے واقعہ سے کفار مکہ شدید غم و غصہ میں مبتلا تھے، کیونکہ ان کے ستر افراد اور خاص کر سرکردہ لیڈر ہلاک کر دیے گئے تھے۔ ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہیں لیا جائے گا غسل جنابت نہ کرے گا۔ ایک رات وہ خفیہ طور پر مدینہ آیا اور وہاں کے یہود سے مدد مانگی، واپسی پر مدینہ کی ایک چراگاہ پر حملہ کیا اور وہاں ایک مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ لشکر لے کر نکلے اور بَنُو سُلَیم کے قبیلے تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ بھاگ چکا تھا اور اتنا بدحواس تھا کہ اس کے ساتھ ستو وغیرہ کھانے پینے کی جو چیزیں تھیں، وہ سب چھوڑ کر چلا گیا، چونکہ عربی میں ستو کو سَوِیق کہتے ہیں اس لئے اس غزوہ کا نام "غزوۂ سویق" پڑ گیا۔ (۲)

غزوہ سویق کا محل وقوع "بنو سلیم" جہاں تک رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کا پیچھا کیا

(۱) سبل الہدیٰ والرشاد ۴/ ۲۶۵ (۲) سبل الہدیٰ والرشاد ۴/ ۲۵۸

درس نمبر: ۵۴

احکامات وواقعات سنہ ۲ھ

(۱) تحویل قبلہ شعبان ۲ ھ :

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنوسلمہ کے محلے میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وحی نازل ہوگئی کہ اپنا رخ بیت اللہ اور مسجد الحرام کی طرف پھیر دیں، چنانچہ آپ نے دورانِ نماز ہی اپنا رُخ "بیت المقدس" سے "بیت اللہ" کی طرف پھیر دیا، اس مسجد کا نام "مَسْجِدِ قِبلَتَین" پڑ گیا۔ (۱)

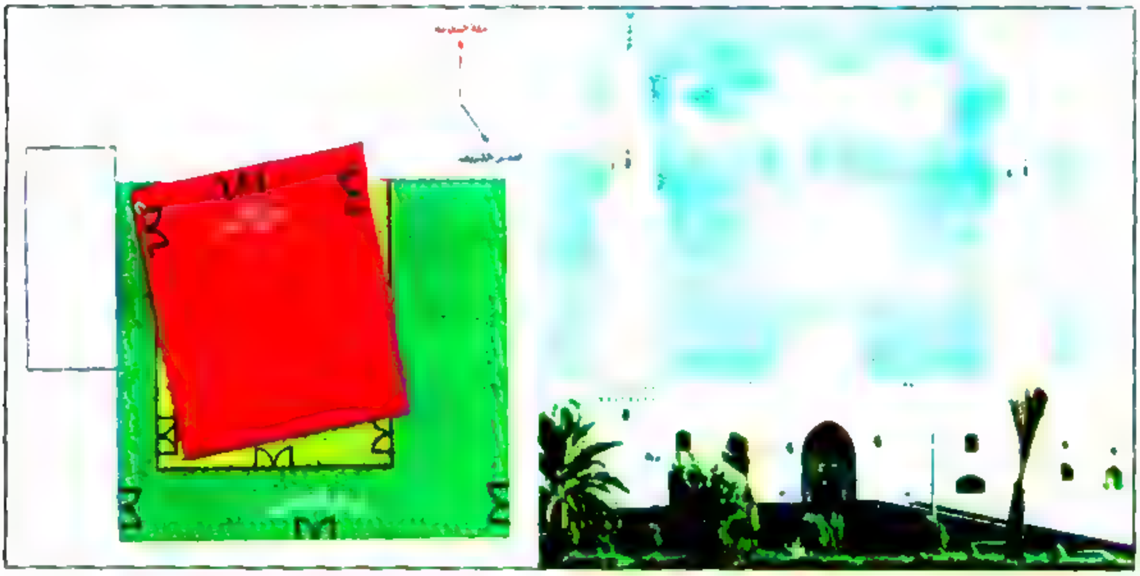

دائیں جانب مسجد قبلتین کی تصویر اور بائیں جانب مکہ مکرمہ اور بیت المقدس کی جانب قبلے کی سمت واضح کی گئی ہے

(۲) فرضیت صوم شعبان ۲ ھ :

مسلمان پہلے عاشورہ کا روزہ یعنی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے، بعد میں ۲ھ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی، ہر بالغ، عاقل، صحت مند اور مقیم مسلمان پر رمضان کے تیس روزے فرض کر دیے گئے۔ (۲)

(۳) عید الفطر اور صدقہ فطر شوال ۲ ھ :

رمضان کے اختتام پر مسلمانوں کو خوشی کا ایک دن دیا گیا یعنی عید الفطر اور خوشی منانے کا انداز بھی بتایا گیا یعنی دو رکعت نماز عید الفطر اور اپنے غریب مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی یعنی صدقہ فطر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ (۳)

(۱) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۱۸ (۲) سیرت سید الانام ۳/ ۱۳۸، عیون الاثر ۱/ ۲۷۶ (۳) سیرت سید الانام ۳/ ۱۳۹

(۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی شوال ۲ ھ:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے تین سال قبل شوال کے مہینے میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور رخصتی ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شوال ۲ ھ میں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ۵۸ ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۵) عید الاضحیٰ اور قربانی، ذوالحجہ ۲ ھ:

عید الفطر کے بعد مسلمانوں کیلئے عید الاضحیٰ کا دن عید کے طور پر مقرر کیا گیا اور ساتھ ہی قربانی کا حکم بھی نازل ہوا۔(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید کی ادائیگی مسجد نبوی سے نکل کر مختلف سالوں میں مختلف مقامات پر کی۔ بعد میں خلفائے راشدین نے حالات کی مناسبت سے اپنے لئے ان میں سے کسی ایک مقام کو مستقل طور پر نماز عید کے لیے مختص کر لیا۔ آج ان مقامات پر انہی خلفاء کے نام سے مساجد قائم ہیں۔

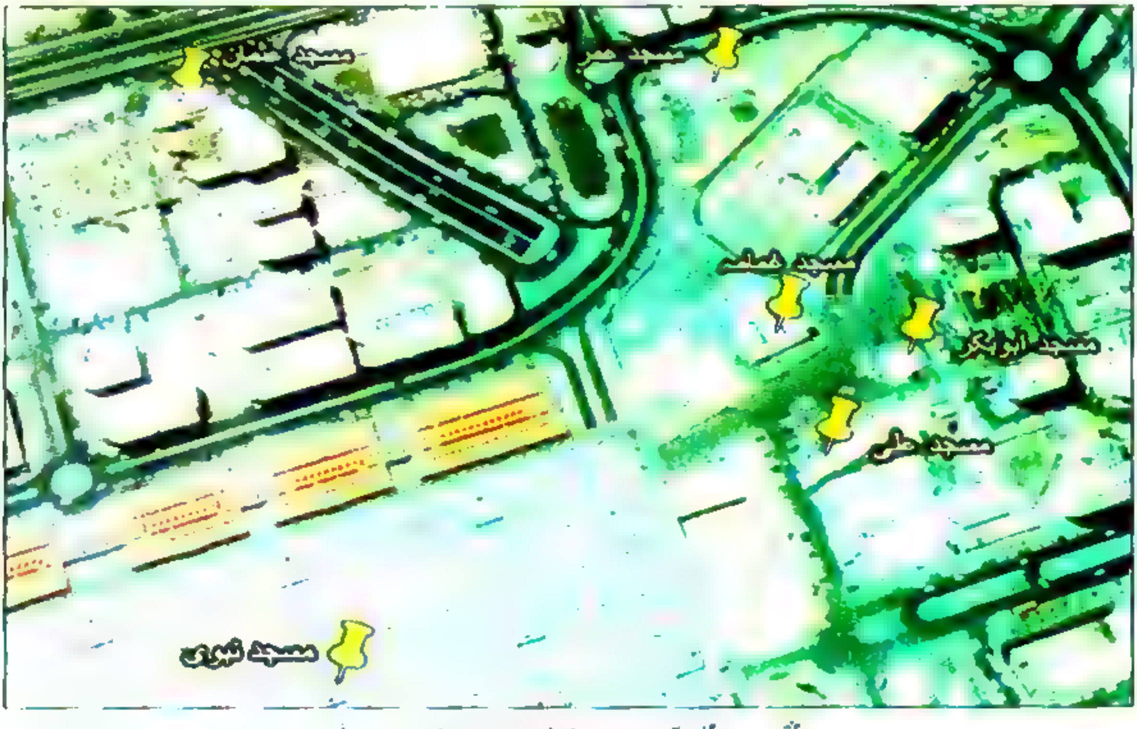

مختلف مساجد کا محل وقوع جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھائی

(۶) نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، ذی الحجہ ۲ ھ:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے رشتہ کا پیغام دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ ان حضرات نے حضرت علی کو پیغام دینے کا مشورہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما لیا اور بہت سادگی کے ساتھ خاتون جنت اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر کی رخصتی ہوئی۔(۲)

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۴۲۳ عیون الاثر ۱/ ۲۷۹ (۲) سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۴۲۳، زرقانی ۱/ ۳۵۷

درس نمبر: ۵۵

سنہ ۳ھ

سرایا و غزوات

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، ربیع الاول ۳ھ:

غزوہ بدر میں جب کافروں کو شکست فاش ہوئی تو کعب بن اشرف یہودی کفار مکہ کے پاس آیا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف خوب جوش دلایا، شاعر بھی تھا، اپنی شاعری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب برائیاں بیان کرتا اور پھر اتنے کمینے پن پر اتر آیا کہ مسلمان خواتین کی برائی اپنے اشعار میں بیان کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کیا لیکن یہ بدفطرت باز نہ آیا، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کون اس سے مسلمانوں کو نجات دلائے گا؟ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! میں یہ کام کروں گا لیکن مجھے اس کام کے لیے حیلہ وتدبیر کی اجازت چاہیے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے کہ یہ جو آدمی آیا ہے محمد، ہم سے زکوۃ اور صدقات کا مطالبہ کرتا ہے، یہ بات ہمیں پسند نہیں ہے، کعب بن اشرف سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت سے الگ ہو گئے ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ مجھے کچھ اناج کی ضرورت ہے، میں پھر آپ کے پاس آؤں گا، اس نے کہا ٹھیک ہے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کچھ دن کے بعد چند ساتھیوں کو لے کر اس کے پاس گئے اور اس کو آواز دی، کعب کی بیوی نے اس کو جانے سے منع کیا اور کہا کہ مجھے اس آواز سے خطرے کی بو آرہی ہے، اس نے کہا نہیں، یہ محمد بن مسلمہ ہے، ان سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں اس کو پکڑوں گا تم اس کا کام تمام کر دینا، کعب جیسے ہی ان کے قریب آیا، انہوں نے اس سے کہا کہ بڑی بہترین خوشبو لگائی ہے، وہ اور زیادہ اکڑ گیا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس کو گردن سے پکڑا اور ان کے ساتھیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس طرح مدینہ سے برائی کی ایک جڑ کا خاتمہ ہو گیا، یہود کو جب پتا چلا تو وہ بھی ٹھنڈے ہو گئے کہ شرارت کرنے کا یہی انجام ہو گا۔ (۱)

غزوہ غطفان، ربیع الاول ۳ھ:

مکہ سے شام کی جانب دو تجارتی راستے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تجارتی راستوں پر دستے مقرر فرما دیئے تھے، جن سے کافر لوگ کچھ نرم پڑ گئے تھے کہ اب شرارت سے باز آجانا چاہیے، اس تجارتی راستے پر غَطَفَانْ کا قبیلہ آباد تھا جو بہت جنگجو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ غطفان والے مسلمانوں کے خلاف لشکرکشی کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر ان سے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے لیکن وہ لوگ بھاگ گئے اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ (۲)

(۱) سیرت مصطفی ۱/ ۲۲۹، سیرت ابن ہشام ۳/ ۹۳ (۲) سیرت احمد مجتبی ۲/ ۳۷۲

غزوہ بنو سلیم، ربیع الثانی ۳ھ:

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو سلیم والے بھی مسلمانوں کے خلاف جمع ہو رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ ان سے مقابلے کیلئے روانہ ہوئے لیکن یہ لوگ بھی بھاگ گئے اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔(۱)

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، جمادی الاخری ۳ھ:

کفار مکہ کا ایک تجارتی قافلہ عراق کے راستے شام جانے کیلئے روانہ ہوا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے "اَلْقِرْدَۃ" نامی جگہ تک اس کا پیچھا کیا لیکن وہ لوگ نکل چکے تھے اور ان واقعات سے کافروں کو یہ بات سمجھ آ گئی کہ اب ان کے دونوں راستے محفوظ نہیں رہے۔(۲)

سریہ محمد بن مسلمہ، غزوہ غطفان اور غزوہ بنو سلیم کے مقامات کی نشاندہی

(۱) سیرت مصطفی ۱/ ۶۴۷، الرحیق المختوم ۳۳۵ (۲) سیرت سید الانام ۳/ ۲۸۱، الرحیق المختوم ۳۳۶

درس نمبر: ۵٦

غزوۂ اُحد، شوال ۳ھ

معرکے سے پہلے

سبب:

بدر میں بدترین شکست اور تجارتی راستوں کے بند ہو جانے کے بعد کفار مکہ بہت پریشان تھے، چنانچہ وہ "دَارُ النَّدْوَة" میں جمع ہوئے اور اس بارے میں مشورہ کرنے لگے. ابوسفیان جو تجارتی قافلہ لیکر لوٹا تھا، اس کے منافع ابھی تک تقسیم نہیں ہوئے تھے. ان کو مکہ کے نئے سرداروں نے اجازت دیدی کہ اس کا سارا نفع جنگ میں لگا دیا جائے۔

کفار کی روانگی:

اس طرح تقریباً تین ہزار کا لشکر بھرپور تیاری کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے روانہ ہوا. رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے، ایک قاصد کو خط دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا، جس میں کافروں کے منصوبے کی تفصیلات کا ذکر تھا، یہ قاصد وہ خط لیکر روانہ ہوا اور کافروں سے پہلے مدینہ پہنچ گیا. کفار کا لشکر جب "اَبْوَا" کے مقام پر پہنچا جہاں رسول اللہ ﷺ کی والدہ کی قبر مبارک ہے تو انہوں نے ان کی قبر کی بے حرمتی کرنے کا سوچا، لیکن پھر اس حرکت سے باز رہے کہ اس طرح ہماری ہی بدنامی اور رسوائی ہوگی. آخر یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے۔

مدینہ میں اطلاع اور مشورہ:

جب قاصد خط لے کر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ قباء میں تھے، شب جمعہ کو یہ اطلاع پہنچی تھی، آپ نے حالات کی تحقیق کے لئے انس اور مونس کو بھیجا، انہوں نے اطلاع دی کہ کفار کا لشکر بالکل قریب پہنچ گیا ہے، اس کے بعد آپ نے حباب بن منذر کو لشکر کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا، انہوں نے آ کر صحیح اندازہ بتا دیا کہ دشمن کی تعداد تین ہزار ہے، رات کے وقت انصار کے اکابر نے مسجد نبوی کا پہرہ دیا اور مدینہ کے اطراف میں پہرہ لگایا۔

صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر؟ بزرگ مہاجرین اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے اور یہی رسول اللہ ﷺ کا بھی خیال تھا لیکن نوجوان صحابہ کی رائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی تھی، انہوں نے اپنی بات پر بہت اصرار کیا، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے بھی اندر رہ کر لڑنے کا مشورہ دیا، نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور تیاری کا حکم دیا۔

نماز عصر کے بعد آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے، بعض اکابر صحابہ کرام نے پرجوش نوجوانوں کو سمجھایا کہ آپ

لوگوں کے اصرار پر آپ ﷺ باہر نکل رہے ہیں۔ ایسا اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ زرہ پہن کر باہر تشریف لائے تو اکابر صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی مرضی کے خلاف اصرار کیا۔ ہم سے غلطی ہوئی ہے جیسے آپ کی مرضی ہو ویسا کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر کے لئے جائز نہیں کہ ہتھیار باندھ کر اُتار دے۔ اب اللہ کے حکم پر چلو اور جو میں کہوں اس پر عمل کرو!

مسلمانوں کی روانگی:

۱۱ شوال بعد نماز عصر رسول اللہ ﷺ ایک ہزار کا لشکر لے کر اُحد کی جانب روانہ ہوئے۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پر واقع مسجد شیخین میں عشاء کی نماز ادا کی اور لشکر کو ترتیب دیا اور چودہ سال کے بچوں کو واپس بھیج دیا۔ ایک کم سن صحابی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ جو اچھے تیر انداز تھے قد اُن کا دراز تھا پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ اِن کو اجازت مل گئی۔ یہ دیکھ کر ایک اور کم سن صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی اجازت طلب کی کہ اُن کا رافع سے مقابلہ کروا لیا جائے، چنانچہ مقابلہ کروایا گیا۔ اس نورا کشتی میں رافع سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت چت ہو گئے اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت مل گئی۔

صبح سے کچھ دیر پہلے رسول اللہ ﷺ نے روانگی کا حکم دیا۔ کیونکہ کفار اُحد کے میدان میں پہنچ چکے تھے۔ "شَوْط" نامی مقام پر پہنچ کر عبداللہ بن اُبی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی گئی تو ہم کیوں جائیں۔ خاص اس مقام اور بیچ راستے سے واپس جانے کا مقصد جماعت میں انتشار ڈالنا تھا ورنہ روانگی سے قبل بھی

مدینہ سے شیخین کی طرف روانگی اور مسجد شیخین

انکار کرسکتا تھا، رسول اللہ ﷺ باقی ساتھیوں کو لیکر آگے بڑھے، اُحد کے میدان پہنچے، لشکر کو منظم کیا، جَبَلُ الرُّمَاۃ پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ مقرر فرمایا اور ان کو ہدایت کی کہ جب تک ہماری ہدایت نہ ملے، ہمیں فتح ہو یا شکست، یہاں سے کسی صورت میں نہیں ہٹنا ہے۔

درس نمبر: ۵۷

حالاتِ معرکہ

لشکر کی ترتیب:

دونوں لشکر میدان میں پہنچ کر آمنے سامنے ہو گئے، اسلامی لشکر کی ترتیب اس طرح دی گئی کہ سب سے آگے سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کے دستے تھے، دائیں طرف عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اپنے دستے کی کمان کر رہے تھے، بائیں طرف کے دستے کی قیادت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور مرکزی کمان رسول اللہ ﷺ خود فرما رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے چاروں طرف پہرے کیلئے یہ حضرات موجود تھے: سامنے کی طرف غیر زرہ پوش دستہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور دائیں طرف علی رضی اللہ عنہ، بائیں طرف زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور پیچھے کی جانب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ۔

کافروں کی مرکزی کمان ابوسفیان کے پاس تھی، مَیْمَنَۃ (دایاں حصہ) میں خالد بن ولید، مَیْسَرَۃ (بایاں حصہ) میں عکرمہ بن ابو جہل اور پیدل فوج صفوان بن امیہ کی قیادت میں تھی اور اس کے علاوہ تیر اندازوں کا ایک دستہ بھی تھا جبکہ جنگ بدر میں کفار کے پاس یہ ترتیب نہیں تھی، یہ انداز انہوں نے مسلمانوں سے سیکھا تھا۔

دونوں لشکروں کا موازنہ:

قوت	لشکر اسلام	لشکر کفار	تناسب
لشکر کی تعداد	700	3000	4:1
گھوڑے	2	200	100:1
اونٹ	0	3000	3000:0
زرہ	100	700	7:1

پہلی سازش:

ابھی مقابلہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ابو عامر راہب جو اسلام سے پہلے مدینہ کا باشندہ تھا، بڑا نیک و پارسا مشہور تھا، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ حسد میں مبتلا ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور کافروں کے ساتھ مل گیا۔ غزوہ اُحد میں یہ کافروں کا ساتھی بن کر آیا، کافروں سے کہا: تم دیکھنا میں مسلمانوں میں کیسے پھوٹ ڈالتا ہوں۔ میدان میں اُترا اور پکار کر کہا کہ اوس والو! تم مجھے جانتے ہو، میں ابو عامر ہوں! اس کا مقصد یہ تھا کہ میری پارسائی کو یاد کر کے کچھ لوگ مسلمانوں سے الگ ہو جائیں گے، لیکن مسلمانوں نے صاف جواب دیا کہ تم ایک فاسق آدمی ہو، ہمیں تمہاری بات پر کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ ناکام واپس لوٹ گیا۔

دوسری سازش:

ابوسفیان نے مسلمانوں کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کے لیے انصار کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے، تم درمیان سے ہٹ جاؤ! لیکن مسلمانوں نے ایک ہی جواب دیا کہ ہم سب ایک ہیں اور سب ہی سے تمہارا جھگڑا ہے، اس طرح کفارِ مکہ کی دونوں سازشیں ناکام ہو گئیں۔

جنگ کا پہلا مرحلہ:

کافروں کی طرف سے جھنڈا بردار قبیلے "عَبْدُ الدَّارْ" کے لوگ یکے بعد دیگرے للکارتے ہوئے میدان میں کودے، مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت حمزہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے میدان میں نکلے اور کفار کے تقریباً ۲۲ افراد ہلاک کر دیئے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی، دونوں طرف سے خوب زور و شور سے حملے ہو رہے تھے، مسلمانوں کا خفیہ کوڈ "اَمِتْ یَا مَنْصُوْر!" اور کافروں کا "یَا لَلْهُبَلْ" تھا۔ صحابہ کرام پورے جذبہ ایمانی سے لڑ رہے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار اُٹھائی اور پوچھا کہ اس کا حق کون ادا کرے گا؟ کئی صحابہ آگے بڑھے لیکن آپ نے کسی کو نہ دی، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور پوچھا کہ اللہ کے رسول! اس تلوار کا کیا حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں اللہ کے دشمنوں کو ہلاک کرے اور کسی مسلمان پر نہ اُٹھے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار لی اور اکڑ کر میدان میں چلنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا چلنا اللہ کو ناپسند ہے لیکن جہاد کے میدان میں ابو دجانہ کا یہ چلنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ وہ میدان میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں نے اس نخلستان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اللہ کے دشمنوں کو ماروں گا۔ جنگ کا پہلا مرحلہ ختم ہوا اور اس میں مسلمان کامیاب ہو گئے۔

درس نمبر: ۵۸

جنگ کا دوسرا مرحلہ:

کوہِ رُمَاۃ پر جس جماعت کو رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمایا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ کافروں کو شکست ہوگئی ہے۔ تو وہ اپنی جگہ چھوڑ کر ٹیلے سے نیچے اتر آئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور یہ کہا کہ جنگ ختم ہوگئی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ٹیلے پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سمیت صرف دس آدمی رہ گئے۔ کافروں کے میمنہ (دائیں طرف کا دستہ) کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ٹیلے پر زیادہ لوگ نہیں رہے تو پیچھے سے آکر حملہ کر دیا۔ ٹیلے پر موجود صحابہ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکے۔ کافروں کیلئے راستہ صاف ہوگیا اور انہوں نے زوردار حملہ کیا جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید ہوگئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی نے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ کفار رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کے ارادے سے نزدیک پہنچ گئے۔ جبکہ آپ ﷺ کے ارد گرد چند صحابہ رہ گئے۔ خصوصاً چار اشخاص رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کے لیے۔ بہت بیتاب تھے:

۱۔ عبداللہ بن شہاب، ۲۔ عبداللہ بن قمیہ، ۳۔ عتبہ بن ابی وقاص، ۴۔ ابی بن خلف

عبداللہ بن شہاب نے رسول ﷺ کو چہرے پر پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ عبداللہ بن قمیہ نے آپ پر تلوار کا وار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی زرہ چہرہ میں گھس گئی۔ عتبہ بن ابی وقاص نے بھی پتھر مارا اور ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اسے آنے دو! آپ نے نشانہ لے کر نیزہ مارا جو اس کی گردن پر لگا وہ چیختا ہوا بھاگا۔ لوگوں نے اسے کہا کہ ایک نیزے سے اتنے گھبرا گئے؟ اس نے کہا کہ تمہیں معلوم نہیں، یہ محمد (ﷺ) کی مار ہے۔ بالآخر وہ "سَرِف" کے مقام پر ہلاک ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ:

ایسے شدید حالات میں ایک بات یہ ہوئی کہ عبداللہ بن قمیہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ یہ چونکہ رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے اور ان کے ہاتھ میں اسلامی لشکر کا جھنڈا بھی تھا۔ اس لئے کفار نے یہ افواہ پھیلا دی کہ محمد (ﷺ) شہید ہوگئے۔

یہ افواہ سن کر مسلمانوں کی تین جماعتیں بن گئیں:

۱۔ ایک جماعت مایوس ہو کر واپس مدینہ کی جانب چل پڑی۔

۲۔ دوسری جماعت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں مصروف ہوگئی۔

۳۔ تیسری جماعت کافروں کی صفوں میں گھس کر بڑی بے جگری سے لڑنے لگی کہ جب رسول اللہ ﷺ ہی نہیں رہے تو ہماری زندگی اور جینے کا کیا فائدہ!

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کے گرد نو صحابہ کرام تھے، لیکن شہید ہوتے ہوتے صرف دو صحابہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ڈھانپ لیا اور اپنی کمر پر تیر کھا کر آپ کی حفاظت کی۔ ان کی کمر تیروں سے چھلنی ہوگئی، انگلیاں کٹ گئیں، ہاتھ شل ہوگیا لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا اور جب رسول اللہ ﷺ کمزوری کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اُونچی جگہ پر لا کر بٹھایا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا جو کسی شہید کو زندہ زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کی حفاظت کرو! اس نے اپنے لئے جنت واجب کر لی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جنگ اُحد کی فتح کا سہرا طلحہ کے سر ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب کافروں کو تیر مارتے تو رسول اللہ ﷺ صحابہ سے کہتے کہ ان کو تیر اُٹھا کر دو! رسول اللہ ﷺ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ مارو! اے سعد! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ ایک کافر نے ایک مسلمان خاتون کو نیزہ مارا جس سے ان کا پردہ کھل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا: اس کا نشانہ لیکر مارو! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا نشانہ لے کر تیر مارا کہ وہ کافر لڑھکتا ہوا زمین پر جا گرا اور اس طرح اس کا ستر کھل گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ کر اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آنے لگے۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع:

زور کا معرکہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی، انہوں نے چلا کر کہا کہ مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں، چنانچہ مسلمان پروانہ وار جمع ہونا شروع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر اُحد سے ایک طرف آ گئے جو تین اطرف سے پہاڑ سے ڈھکا ہوا تھا۔

ابو سفیان سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سمیت، مسلمانوں کی مرکزی قیادت شہید ہوگئی ہے، وہ ایک پہاڑی پر چڑھا اور آواز لگائی: "کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں؟ کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے ہیں؟ کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جواب مت دو! اس نے نعرہ لگایا "اُعْلُ هُبَلْ" جے ہُبل! حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جواب دے دو! "اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ" اس نے کہا "لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جواب دو! "اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ" اس نے کہا کہ کیا تم میں محمد (ﷺ) ابو بکر اور عمر موجود ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں موجود ہیں اور تمہاری باتیں سن رہے ہیں، ابو سفیان نے کہا کہ ہمارا اگلا معرکہ بدر کا میدان ہوگا، تمہارے

شہیدوں کا اس جنگ میں مثلہ کیا گیا۔ میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا لیکن میں اس پر ناراض بھی نہیں ہوں۔

معرکہ ختم ہوا:

اُحد کا معرکہ ختم ہو گیا، ستر مسلمان اس معرکے میں شہید ہو گئے، خود رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور بہت سے مسلمان زخمی ہوئے۔

واپسی پر "مَسْجِدِ فَتْح" میں زخمیوں کا علاج کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے زخموں پر خون بند کرنے کے لئے چٹائی جلا کر لگائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آئے اور فرمایا کہ اگر مجھے اپنی پھوپھی "صفیہ" کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی لاش کو بغیر دفن کئے یوں ہی چھوڑنے کا حکم دیتا۔ جانور ان کی لاش کھا جاتے اور قیامت کے دن حمزہ ان کے پیٹوں سے نکل کر میدانِ حشر میں آتے۔ لیکن بہن سے برداشت نہ ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی والدہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھنے سے روک دو! حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ میرا بھائی اللہ کے راستے میں قربان ہوا ہے۔ میں اس پر کیوں جزع فزع کروں گی؟ شہدائے اُحد کو اُحد کے دامن میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے رشتہ داروں نے خیال ظاہر کیا کہ ان کو مدینہ منتقل کر دیا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ

اُحد کے معرکے کا منظر اور نیچے وہ مقام جہاں آپ ﷺ آخر میں فروکش ہوئے۔

نے فرمایا کہ نہیں ان کو یہاں پر ہی دفن کیا جائے ۔ رسول اللہ ﷺ اُحد کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے "جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ" تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اور اپنے جاں نثار اصحاب کے ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے ۔

شہداء اور مقتولین کی تعداد :

خزرج	اوس	مہاجرین	کل شہداء
۴۱	۲۴	۶	۷۲
کل مقتولین مشرکین		۳۷	

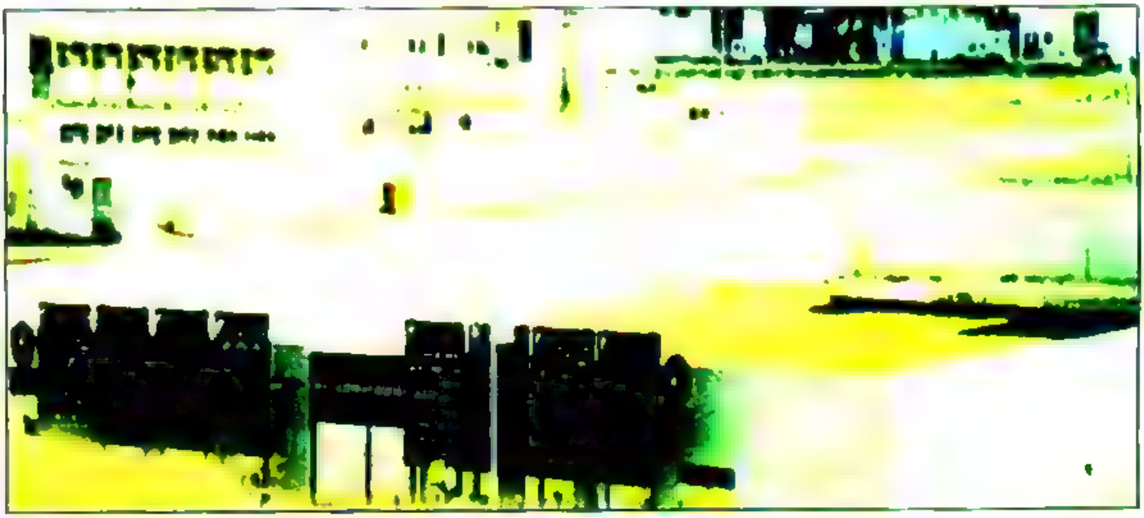

مقام مسجد فتح اور شہدائے احد کا مرقد

صحابہ کرام کا عشق رسول:

مدینہ منورہ کی جانب واپسی کے موقع پر عشق اور محبت نبوی کے عجیب رقت آمیز واقعات پیش آئے:

۱۔قبیلہ "بَنُو دِینَار" کی ایک خاتون کو جب یہ افواہ پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیے گئے تو بے تابانہ احد کی جانب دوڑی، راستے میں مختلف لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ یکے بعد دیگرے اس کو بتایا گیا کہ تیرا شوہر عمرو بن جموح، بھائی عبداللہ اور بیٹا خلاد شہید ہو چکے ہیں، اور ایک روایت میں والد کے شہید ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اس خاتون صحابیہ پر ان اطلاعات کا کوئی اثر نہ ہوا "اِنَّا لِلّٰہِ" کہتی رہیں اور بے تابانہ اُحد کی جانب چلتی رہیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ پر ان کی نظر پڑی تو بے ساختہ کہا: كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ يَارَسُولَ اللهِ جَلَلٌ

"یارسول اللہ! آپ کو دیکھنے کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے"۔

۲۔بنو عبد الاشہل کے قبیلے کے پاس سے آپ ﷺ گزرے تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بوڑھی ماں نکلی۔ جس کا ایک بیٹا شہید ہو چکا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو تسلی دی تو اس نے کہا کہ اللہ کے رسول! جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تجھے خوشخبری ہو اور تمام شہداء کے گھر والوں کو خوشخبری ہو کہ سب شہداء جنت میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور اپنے اپنے گھر والوں کی سفارش کی ہے۔

ام سعد نے کہا: ہم سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہیں اور اس خوشخبری کے بعد کون روسکتا ہے۔

درس نمبر: ۵۹

غزوہ حمراء الاسد:...... (شوال ۳ھ)

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ رات کے وقت مدینہ پہنچے، سب زخموں سے چور چور تھے لیکن صحابہ کرام پھر بھی پر جوش اور باہمت تھے۔ مدینہ کے تمام راستوں پر پہرہ لگا دیا گیا کیونکہ دوبارہ مدینہ پر حملے کا خطرہ تھا۔

فجر کی نماز کے بعد ایک صحابی حضرت عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی کہ میں مدینہ سے باہر "ملل" نامی جگہ ٹھہرا ہوا تھا، وہاں سنا کہ کافر پھر حملہ کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم نے واپس ہونے میں جلدی کی ہے۔ ہمیں مسلمانوں کو ختم کرنا چاہیے تھا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سنتے ہی اعلان کیا کہ ہم ان کے تعاقب میں جائیں گے اور ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ جائیں گے جو کل اُحد میں ہمارے ساتھ تھے، صحابہ کرام باوجود اس کے کہ زخموں اور تھکاوٹ سے چور تھے، رسول اللہ ﷺ کا یہ اعلان سن کر فوراً جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

جب مسلمان "حَمْرَاءُ الْاَسَدْ" کے مقام پر پہنچے تو کافر "رَوْحَاءْ" کے مقام پر تھے، معبد الخزاعی جو ایک قبیلے کا سردار تھا، وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے آیا ہوا تھا، اس نے واپسی پر کافروں کو جا کر بتایا کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ! مسلمان زخمی شیروں کی طرح تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں، وہ لوگ ڈر گئے اور کسی کو پیسے دے کر پیغام بھیجا کہ کافر بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں، جب مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ کافر پھر پلٹ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ "ہمارے لیے اللہ کافی اور کارساز ہے"۔ کافروں کو جب پتا چلا کہ مسلمانوں پر ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ واپس مکہ کی طرف فرار ہو گئے اور مسلمان مدینہ کی طرف واپس لوٹ آئے۔

غزوہ اُحد کا نتیجہ:

غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی، البتہ نقصان ضرور پہنچا، کیونکہ شکست کا تعین کرنے کے لیے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱)......کافروں نے کیا غلبہ پایا؟

(۲)......کافروں کو کتنا مالِ غنیمت ملا؟

(۳)......کتنے مسلمان قیدی بنائے گئے؟

(۴)......کیا مسلمانوں کی عسکری حیثیت تباہ کر دی گئی؟

(۵)......کیا فاتح میدان سے بھاگتا ہے؟

(۶)......کیا مسلمانوں کے حوصلے پست ہوئے؟

(۷)......اسلامی ریاست کو کیا نقصان پہنچایا گیا؟

(۸)......کیا مفتوح فاتح کا تعاقب کرتا ہے؟

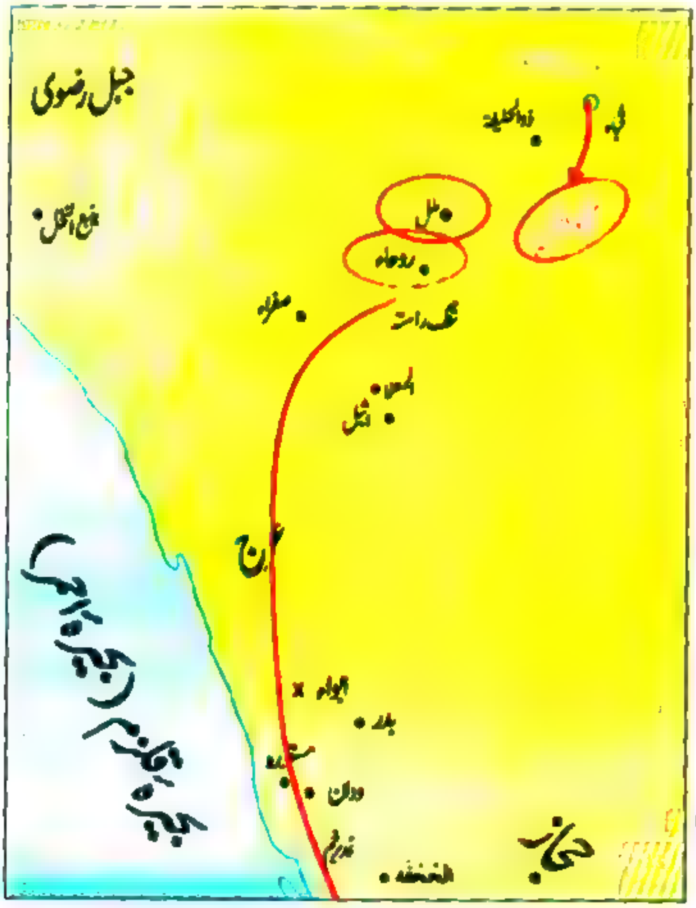

مسلمانوں کا حمراء الاسد تک تعاقب اور کافروں کا فرار

ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ ہاں! امیر کی اطاعت نہ کرنے کی غلطی سے وقتی طور نقصان ضرور پہنچا۔(۱)

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/ ۶۸ تا ۱۸۷

درس نمبر: ۲۰

احکامات وواقعات ۳ھ

۱۔شراب کی حرمت:

شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً آتے آتے ۳ ہجری میں قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

۲۔نکاحِ مشرکات کی حرمت:

مسلمانوں کو مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا۔

۳۔قانون وراثت:

وراثت کا قانون نافذ ہو گیا کہ قریبی رشتے دار ایک دوسرے کے وارث بنیں گے ورنہ اس سے پہلے انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔

۴۔اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح: شعبان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ سہمی سے ہوا۔غزوۂ بدر میں وہ شدید زخمی ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد انتقال فرما گئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی کے نکاح کی فکر ہوئی۔انہی دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئیں تھیں۔ان سے بات کی تو انہوں نے غور کرنے کا وعدہ کیا۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بات کی وہ بھی خاموش ہو گئے۔کچھ دنوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہ حفصہ کا نکاح ایسے شخص سے ہو جو عثمان سے بہتر ہو اور عثمان کا نکاح ایسی عورت سے ہو جو حفصہ سے بہتر ہو"اس طرح ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔

۵۔اُم المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: رمضان

یہ حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔غزوۂ اُحد میں وہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔یہ بہت فیاض اور سخی خاتون تھیں۔اُمُّ الْمَسَاکِیْن کے لقب سے مشہور تھیں۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا دو ازواج مطہرات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وفات پا گئی ہیں۔

درس نمبر: ۲۱

سنہ ۴ھ

سرایا وغزوات

رجیع کا حادثہ صفر ۴ ھ:

مدینہ کے جنوب میں مکہ مکرمہ ہے، مکہ اور طائف کے درمیان ایک علاقہ "ھَدَاۃ" ہے۔ اس علاقے کا دوسرا نام "رَجِیع" ہے۔ یہاں سفیان بن خالد ہذلی نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس نے کافروں کے اشارے پر مسلمانوں سے ایک دھوکہ کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارا قبیلہ مسلمان ہونا چاہتا ہے، آپ دین کی تعلیم کے لئے کچھ لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے! رسول اللہ ﷺ نے تقریباً دس صحابہ کرام کی ایک جماعت اس کے ساتھ روانہ کردی۔

جب یہ صحابہ ان کے علاقے میں پہنچے تو انہوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، صحابہ خالی ہاتھ تھے۔ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہوں نے کہا کہ نیچے اترو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ان کے کہنے پر تین صحابہ، خبیب بن عدی، زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم نیچے اتر آئے اور باقی نے اُترنے سے انکار کردیا۔ ان کو بڑی بے دردی سے شہید کردیا گیا۔ اسی مجمع میں ایک بہت بہادر صحابی حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کافروں نے ان کے سر کی قیمت لگائی تھی، جب وہ ان کی لاش کو لینے کے لیے آئے تو ان کو شہد کی مکھیوں نے گھیر لیا۔ اس طرح ان کی لاش ان کی دست برد سے محفوظ رہی۔ باقی صحابہ جب نیچے اُترے تو وعدہ خلافی کرتے ہوئے ان کو باندھنا شروع کردیا گیا۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے تمہارے وعدے پر اعتماد نہیں ہے اور آگے چلنے سے انکار کردیا۔ ان کو بھی شہید کردیا۔ اس طرح دو صحابی رہ گئے "تَنعِیم" کے میدان میں لاکر ان کو سولی پر چڑھایا گیا۔ شہادت سے قبل خبیب سے ابو سفیان نے کہا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور تم اپنے گھر میں آرام وراحت سے ہوتے۔ انہوں نے جواب دیا: "واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور ہم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں"۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز ادا کی اور درج ذیل پردرد اشعار پڑھے: (۱)

وَمَا بِیْ حَذَارُ الْمَوْتِ اِنِّیْ لَمَیِّتٌ	وَاِنَّ اِلٰی رَبِّیْ مَاٰبِیْ وَ مَرْجِعِیْ
وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا	عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَ ذٰلِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَا	یُبَارِكْ عَلٰی اَوْ صَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ
فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا	وَلَا جَزَعًا اِنِّیْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعِیْ

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/ ۱۸۷

"مجھے موت سے کوئی خطرہ نہیں. میرا ٹھکانہ اپنے رب کی طرف ہے اور اسی کی طرف مجھے پلٹ کر جانا ہے. جب میں اسلام کی حالت میں مارا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کس کروٹ پر گروں! یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہے وہ چاہے تو میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے میں برکت ڈال دے. میں دشمن کے سامنے کسی قسم کی عاجزی یا فریاد کی درخواست نہیں کرتا. مجھے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے."

اپنا سلام رسول اللہ ﷺ کو بھجوایا اور بڑی بے دردی سے شہید کر دیے گئے. ان کی لاشیں وہیں لٹکی رہیں. رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تھے جب ان حضرات کا سلام پہنچا. آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ کون ان کی لاشیں وہاں سے لیکر آئے گا؟ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما اس کام کے لیے تیار ہوئے. رات کے وقت مکہ پہنچے اور ان کی لاشیں وہاں سے لیکر نکلے. کافروں کو اطلاع ملی تو انہوں نے پیچھا کیا. ایک مقام پر جا کر آملے. آپس میں مقابلہ ہوا. ادھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین نے نگل لیا. اسی لیے ان کا لقب ہے "بَلِیْعُ الْاَرْضِ"۔

بیر معونہ کا حادثہ، صفر ۴ھ:

جس مہینے میں رجیع کا حادثہ پیش آیا. اسی مہینے اس سے زیادہ سنگین حادثہ پیش آیا. تفصیل یہ ہے کہ نجد کے علاقے سے ابو برا، عامر بن مالک نامی سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا. آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی. اس نے قبول تو نہیں کی لیکن یہ درخواست کی کہ ہمارا بڑا قبیلہ ہے. آپ ہمارے ساتھ کسی کو بھیج دیں. ہوسکتا ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرلیں. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نجد والوں پر اعتماد نہیں ہے. لیکن اس سردار نے بہت اصرار کیا تو آپ نے ستر قُراء اور اہل علم صحابہ کو منتخب کر کے اس کے ساتھ بھیج دیا. بِئْرِ مَعُوْنَہ کے علاقے میں ان صحابہ کو گھیر لیا گیا. اس ذمہ دار سردار نے کچھ مزاحمت کی لیکن اس کی بات نہیں سنی گئی اور ان سب قرا، کو شہید کر دیا گیا. دو صحابی عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو جانوروں کو چرانے گئے تھے بچ گئے. انہوں نے پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھا تو کچھ تشویش ہوئی آ کر دیکھا تو سب ساتھی شہید ہو چکے تھے۔

ان دونوں کے درمیان مشورہ ہوا تو حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دینی چاہئے. اس لئے ان شہداء کو چھوڑ کر یہاں سے نکلنا چاہئے. منذر بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے. انہیں کے نقش قدم پر چل کر ہمیں بھی شہید ہونا چاہئے. چنانچہ یہ حضرات بھی گئے. ان میں حضرت منذر رضی اللہ عنہ تو شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمر بن امیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہو گئے. پھر ان کی بعض لوگوں سے اچھی واقفیت تھی جس کی بناء پر ان کو رہا کر دیا گیا. جب یہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان کو اسی قبیلے بنو عامر کے دو شخص نظر آئے. انہوں نے ان دونوں کو انتقاماً قتل کر دیا۔

مدینہ پہنچ کر دونوں واقعات رسول اللہ ﷺ کو بتائے۔ آپ رنجیدہ ہوئے اور ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ نام لے لے کر ان ظالموں کے لیے بددعاء کرتے رہے۔(۱)

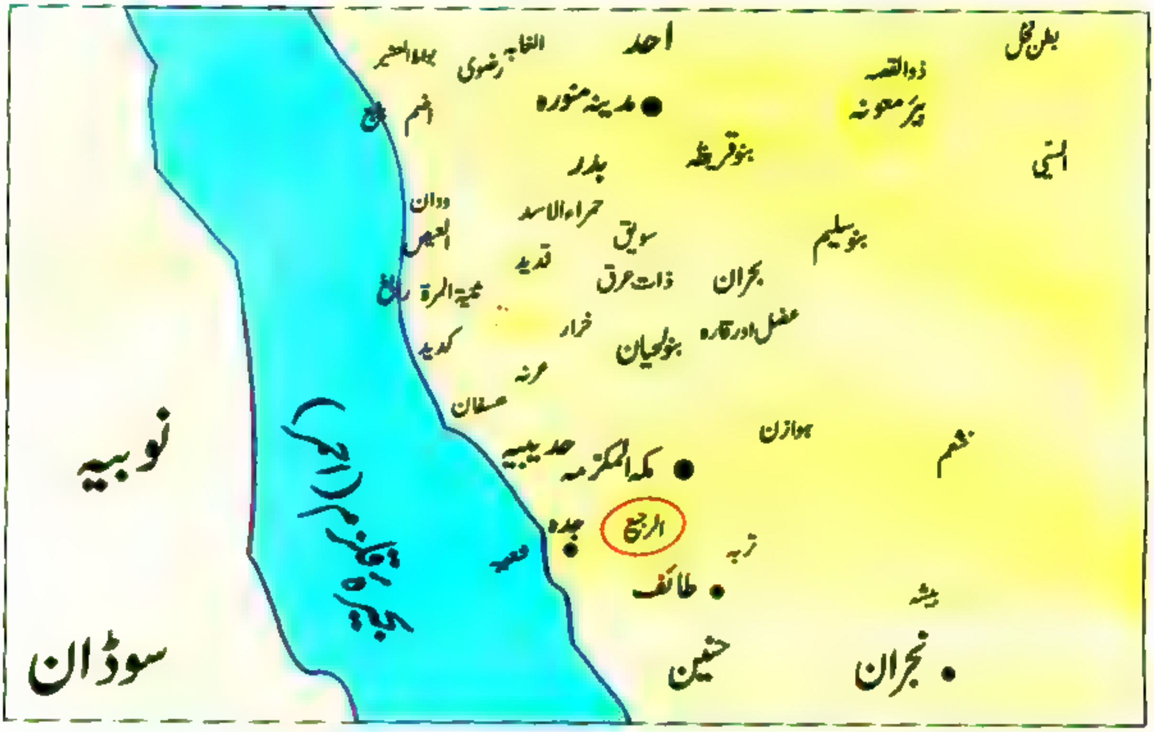

رجیع اور بیر معونہ کے مقامات کی نشاندہی جہاں مظلومیت سے صحابہ کرام کو شہید کر دیا گیا

درس نمبر: ۶۲

غزوہ بنو نضیر، ربیع الاول ۴ ھ :

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے یہود سے میثاق مدینہ کیا تھا، جس کے تحت اگر مسلمانوں پر کچھ تاوان آتا تو یہودی بھی اس میں حصہ ڈالتے تھے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو اشخاص کو ہلاک کر دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کو حسب وعدہ ان کا تاوان ادا کرنا تھا اور معاہدے کی رو سے یہودی بھی اس میں حصہ دار تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ہمارا اس طرح کا ارادہ ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا اور اپنا حصہ ڈالنے کا ارادہ ظاہر کیا اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کے دو منصوبے بنائے، ایک تو یہ کہ آپ کے اوپر دیوار گرا کر شہید کر دیا جائے، دوسرا یہ کہ زہر آلود خنجر کے ذریعے شہید کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی یہود کی اس سازش کی اطلاع مل گئی، آپ ﷺ وہاں سے بغیر کچھ بتائے اٹھ کے آ گئے، جو صحابہ آپ کے ساتھ وہاں گئے تھے وہ کچھ دیر تک آپ کا انتظار کرتے رہے پھر وہ لوگ بھی چلے آئے۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/ ۲۰۳

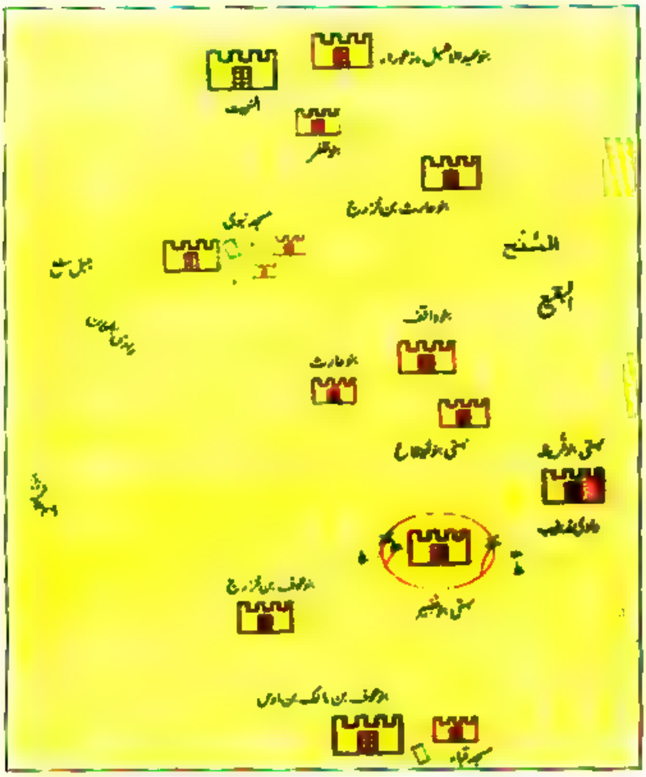

بستی بنو نضیر جن کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا

واپس آکر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سازش کی اطلاع دی اور ان کو ساتھ لیکر یہود بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا۔ ان کو پیغام بھیجا کہ تم کو دس دن کی مہلت ہے، یہاں سے نکل جاؤ! یہ لوگ تیار نکلنے کے لئے بھی ہو گئے لیکن مدینہ کے منافقین نے کہا کہ مت نکلو! ہم تمہارے ساتھ ہیں، یہودی اڑ گئے اور نکلنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے دس دن تک محاصرہ کیا، جب وہ نہ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے درختوں کو آگ لگا دی جائے، جب درختوں کو آگ لگی تو یہ لوگ گھبرا کر اپنے قلعوں سے نکل آئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فیصلہ کیا کہ ان میں سے ہر تیسرے آدمی کو ایک اونٹ اور اس پر جتنا سامان آسکتا ہے لے جانے کی اجازت ہے لیکن اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں۔ تقریباً اٹھارہ سو افراد چھ سو اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر مدینہ منورہ سے نکل گئے۔ (۱)

واقعات ۴ھ

۱۔ اُم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: شوال ۴ھ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قریش کی شاخ بَنُو مَخْزُوْم سے تھا۔ اپنے خاندان ہی کے ایک فرد ابوسلمہ سے نکاح ہوا تھا دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں۔ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرتیں کیں۔ جمادی الثانیہ ۴ھ میں ابوسلمہ کا انتقال ہوا۔ عدت کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ سے نکاح فرمالیا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا ان کا حجرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں فوت ہونے والی ہیں۔ ۵۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/ ۲۰۰

سنہ ۵ھ

دومۃ الجندل کے جائے وقوع کی نشاندہی

سرایا وغزوات

غزوہ دومۃ الجندل، ربیع الاول ۵ھ

دُوْمَۃُ الْجَنْدَل مدینہ کے شمال میں عیسائیوں کا علاقہ ہے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ یہاں کے لوگ اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں، جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی آپ یہاں پہنچے اور ان کی سازش ناکام بنادی۔ (۱)

درس نمبر: ۲۳

غزوہ خندق، شوال ۵ھ

معرکے سے پہلے

غزوہ خندق سیرت اور تاریخ کے بڑے غزوات میں سے ہے جو شوال ۵ھ میں پیش آیا، بنونضیر کے یہود نے مدینہ سے نکالے جانے کے بعد تخریب کاری شروع کی اور جزیرۃ العرب میں گھوم پھر کر سارے عرب کو اسلام اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کے خلاف کھڑا کر دیا، چنانچہ مدینہ کے جنوب سے قریش اور ان کے حلیف، مشرق سے نجد کے قبائل اور شمال کی سمت خیبر سے خود یہود، تقریباً دس ہزار کا لشکر اسباب ووسائل سے لیس ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ یہ اتنا بھاری بھرکم لشکر تھا کہ اہل مدینہ سے ان کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی، اگر اچانک یہ طوفان مدینہ منورہ سے آٹکراتا تو کیا ہوتا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان حالات میں بہتر یہ ہے کہ مدینہ کا جو حصہ غیر محفوظ ہے، اس جانب ایک خندق کھود دی جائے، آپ ﷺ کو یہ مشورہ پسند آیا اور خندق کی کھدائی کا حکم دے دیا۔

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/۲۳۶

مدینہ منورہ کے شمال میں جَبَلِ اُحُد ، جنوب میں جَبَلِ عِیْر ، مشرق میں حَرَّۃُ وَاقِم اور مغرب میں حَرَّۃُ وَبَرَہ واقع تھا، اس طرح جنوب، مشرق اور مغرب کی جانب سے مدینہ منورہ محفوظ تھا لیکن شمال سے کھلا ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ تھا، اس طرح حرۂ وبرہ اور حرۂ واقم کے درمیان طویل خندق کھودی گئی۔

خندق کی پیمائش:

لمبائی	چوڑائی	گہرائی
500ہاتھ	9ہاتھ سے زائد	7تا10ہاتھ

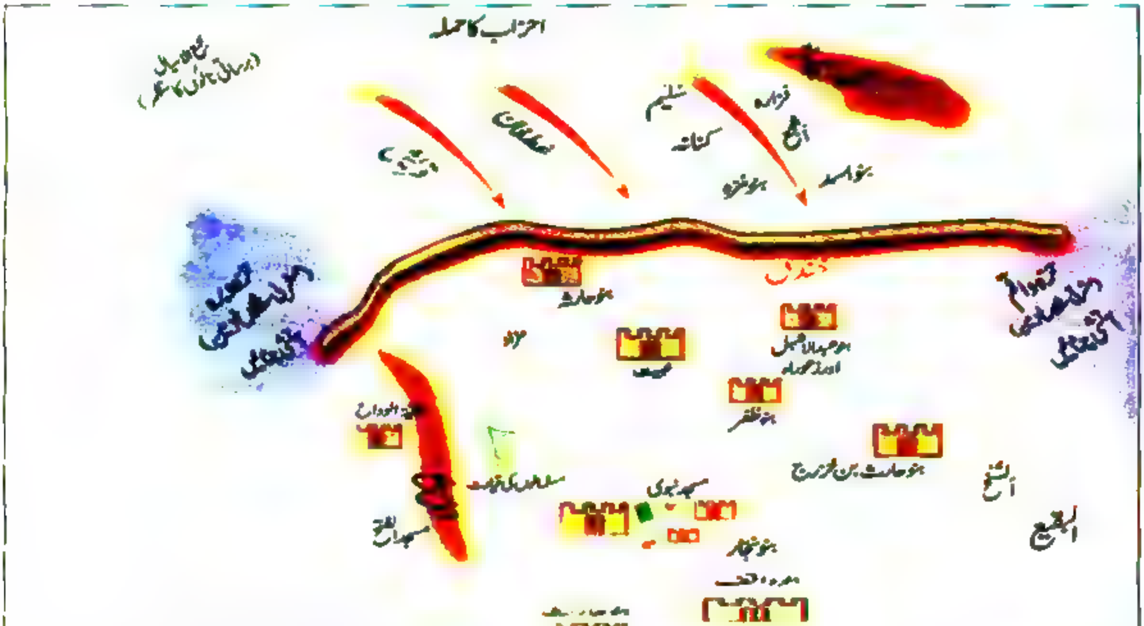

لشکر	تعداد	قائد	مقصد
مسلمان	3000	رسول اللہ ﷺ	دفاع حق
کفار	10000	ابوسفیان	استیصال حق

غزوہ خندق میں خندق کی حد اور دونوں لشکروں کے کیمپ

خندق کھدائی کے دوران عجیب واقعات اور معجزات پیش آئے:

ا۔ جبل ذباب کے نزدیک ایک سخت چٹان آگئی، جس کے توڑنے سے صحابہ کرام عاجز آگئے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ خود تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے کدال لیکر چٹان پر تین ضربیں لگائیں، ہر مرتبہ اس سے چنگاریاں اڑیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ لگایا، چٹان مکمل ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ جو

چنگاریاں اُڑیں مجھے ان میں فارس، روم اور یمن کے محلات نظر آئے اور یہ سب آپ کو مل کر رہیں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدائن کے جن محلات کا ذکر کیا تھا، وہ میرے دیکھے ہوئے تھے، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا بیان بالکل درست ثابت ہوا۔

۲۔ خندق کھودی جارہی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھوکے ہونے کے باوجود پورے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھے، خود آنحضرت ﷺ کے پیٹ مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو برداشت نہ کرسکے، اپنے گھر تشریف لے گئے، ایک بکری کا بچہ گھر میں موجود تھا اس کو ذبح کر کے سالن تیار کروایا، واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کے کان میں کہا کہ تھوڑا سا سالن تیار کیا ہے، آپ چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لے چلیں، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو اعلانِ عام فرمادیا کہ جابر کے گھر پر سب کی دعوت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ تمام صحابہ کا کھانا کیسے پورا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پریشانی دیکھی تو فرمایا: جابر فکر مت کرو! تم سالن مت نکالنا، میں خود نکالوں گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے سالن نکالا اور چند آدمیوں کا سالن پورے لشکر کے لیے کافی ہوگیا۔

بنو قریظہ کی غداری:

مدینہ منورہ کے مشرق اور جنوب کے درمیان بنو قریظہ کے یہود آباد تھے، ان کا سردار کعب بن اسد تھا، ان سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا، حُیَی بن اَخطب، کعب بن اسد سے ملا اور کہا کہ پورا عرب مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے، تم کو اگر یہاں رہنا ہے تو ہمارے ساتھ مل جاؤ! اس طرح باہر سے پورا عرب حملہ آور ہوا اور اندر سے بنو قریظہ بھی مخالف ہوگئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان سے جا کر کہو تم سے تو ہمارا معاہدہ ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم کسی محمد اور کسی معاہدے کو نہیں جانتے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بہت قلیل وقت میں تین چکر لگائے، رسول اللہ ﷺ ان کی اس پھرتی سے اتنے خوش ہوئے کہ ان سے فرمایا: "زبیر میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں!"

معرکہ کی تیاری:

رسول اللہ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو مغربی جانب ایک قلعہ میں منتقل کردیا اور ان پر چند صحابہ کا پہرہ لگادیا، باقی صحابہ کرام خندق کی کھودی ہوئی مٹی کی آڑ میں بیٹھ گئے، کفار کے لشکر نے آ کر گھیراؤ کرلیا۔ اب ذرا تصور کی آنکھ سے منظر سامنے لائیے! مٹھی بھر جماعت ہے جس کے خلاف تمام کفار پوری تیاری کے ساتھ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے پہنچ چکے ہیں اور اندر سے یہود ان کے ساتھ مل چکے ہیں، اسلام کا مرکز مدینہ کی بستی ہر طرف سے جان خطرے میں ہے، خواتین اور بچے خوف کی کیفیت میں ہیں۔

قرآن نے اسی پر خطر ماحول کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ

"جب کفار تمہارے خلاف مدینہ کے بالائی اور نچلے حصے سے آئے اور جب آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے"۔

رسول اللہ ﷺ کی دعائیں:

ان مشکل اور خطرناک حالات میں جہاں رسول اللہ ﷺ ظاہری تدبیر اور اسباب کے دائرے میں اپنی منصوبہ بندی فرما رہے تھے، وہیں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف درج ذیل دعاؤں کے ذریعے اپنی عبدیت اور عجز و انکساری کا اظہار بھی فرما رہے تھے:

۱) اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشَ الْآخِرَةْ فَاغْفِرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

۲) اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، هَازِمَ الْأَحْزَابِ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ

۳) اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا

صحابہ کرام کے جذبات:

حضرات! صحابہ کرام بڑے جذبے اور ایمانی ولولے میں خندق کھودنے میں مصروف ہیں اور یہ ایمان افروز اشعار بھی پڑھ رہے ہیں:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا	عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدَا
اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا	وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا	وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا	وَإِنْ أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

اور مغربی جانب میں واقع "جبلِ سلع" کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی پشت پر رکھا۔

درس نمبر: ۲۴

معرکہ کے حالات:

کفار نے پچیس دن تک محاصرہ جاری رکھا لیکن خندق کو پار نہ کر سکے،کئی مرتبہ کوشش کی لیکن ناکام رہے، کفار کے ایک مشہور پہلوان "عمرو بن ود" نے مسلمانوں کو للکارا کہ ہے کوئی جو مجھ سے مقابلہ کرے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بٹھا دیا، اس نے پھر للکارا حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو بٹھا دیا لیکن جب اس نے تیسری مرتبہ للکارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار دی اور فرمایا کہ جاؤ! حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کیا نام ہے؟ آپ نے نام بتایا، اس نے کہا ابو طالب میرا دوست تھا، میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا مگر میں لڑنا چاہتا ہوں، اور اس کو تین باتوں کی پیشکش کی: یا تو اسلام لے آؤ! یا واپس لوٹ جاؤ! یا مقابلے پر آجاؤ! اس نے کہا کہ اسلام بھی نہیں لاتا، واپس بھی نہیں جاتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر مقابلہ پر آجاؤ! اس نے ایک زوردار وار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا دفاع کیا اور پھر اس پر تلوار کا وار کر کے اس کو ڈھیر کر دیا، مسلمانوں نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا زوردار نعرہ بلند کیا، کفار کی طرف سے ایک تیر چلایا گیا جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی گردن میں لگا جس سے ان کا کافی خون بہ گیا۔

اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا قبیلہ "غَطَفَان" کا ایک شخص نعیم بن مسعود مسلمانوں سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ مجھے کوئی خدمت بتائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم واپس جا کر ان کے لشکر میں پھوٹ ڈال دو! وہ بنو قریظہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ تمام قبائل ابھی واپس چلے جائیں گے، تم یہاں مسلمانوں کے ساتھ کس طرح رہو گے، تمہاری خیر نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اب کیا کریں نعیم نے کہا: تم ان قبائل سے بطور ضمانت کچھ لوگ اپنے پاس رکھو کہ ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے، بنو قریظہ نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ وہاں سے حضرت نعیم اپنے قبیلے والوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ بنو قریظہ والے اب پشیمان ہیں اور ان کا اعتماد بھی باقی نہیں رہا، اسی وجہ سے وہ تم سے ضمانت کا مطالبہ کرنا چاہتے ہیں، یہ سن کر وہ لوگ بہت پریشان ہوئے اور بروز ہفتہ بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم باہر سے حملہ کرنے والے ہیں اور تم اندر سے حملہ کرو! بنو قریظہ نے جواب دیا کہ ہفتے کا دن ہماری عبادت کا دن ہے، ہم اس دن لڑائی نہیں کرتے اور ہمیں تم پر اعتماد بھی نہیں ہے، ضمانت کے طور پر پہلے اپنے کچھ افراد ہمارے پاس رکھواؤ! اس صورتحال سے کفار کو بہت پریشانی ہوئی اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

یہ حالات چل رہے تھے، سخت سردی کا موسم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو دشمن کے حالات کی خبر لائے؟

سب خاموش تھے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا دعاء کی تلقین کی۔ وہ یہ دعاء پڑھ کر روانہ ہوئے۔ان کا بیان ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں! جب دشمنوں کے علاقے میں پہنچے تو سب ابوسفیان کے خیمے میں جمع تھے اور کوئی خفیہ اجلاس ہو رہا تھا۔یہ چپکے سے جا کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ابوسفیان نے کہا: باہر کا کوئی شخص ہمارے درمیان آیا ہے۔سب اپنے اپنے ساتھی کا جائزہ لیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور فوراً اپنے پاس والے کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ہوازن سے ہوں۔ابوسفیان نے اطمینان حاصل کر کے اجلاس دوبارہ شروع کر دیا۔ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو گیا ہے اور سردی بھی بڑھ گئی ہے۔اب ہمیں واپس لوٹنا چاہیے۔اس طرح پچیس دن کے محاصرے کے بعد کفار جو مسلمانوں کی تباہی کے خواب دیکھ کر آئے تھے۔ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

غزوہ خندق کی سات مساجد جہاں مسلمانوں کے مورچے تھے

مشکلات میں مؤمنین اور منافقین کی گفتگو:

غزوہ خندق کے مشکل حالات امت کے لئے عبرتوں کا سامان ہے۔ان حالات میں اہل ایمان اور منافقین کی گفتگو ملاحظہ ہو:

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (۱)

"جب ایمان والوں نے کفار کی جماعتوں کو دیکھا تو کہنے لگے، یہ وہی ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور تابعداری میں اضافہ کیا"

﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ (۲)

"اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک کی بیماری تھی، کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے دھوکے کا وعدہ کیا"

درس نمبر: ۶۵

غزوہ بنو قریظہ، ذی قعدہ ۵ ھ:

مدینہ میں یہود کے تین قبائل میں سے دو اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے،"بنو قریظہ" باقی رہ گئے تھے،غزوہ خندق کے واقعے میں عین موقع پر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سے خطرات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور کفار کا لشکر پچیس دن تک ٹھہر کر ناکام واپس لوٹ گیا۔

رسول اللہ ﷺ معرکے سے واپس ہوئے،ظہر کی نماز پڑھی،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبریل امین "حضرت دحیہ کلبی" کی شکل میں آئے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ نے زرہ اُتار دی؟ ابھی تو بنو قریظہ جانا ہے،رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ظہر کی نماز کے بعد بنو قریظہ جانے کی تیاری کریں اور عصر کی نماز وہاں جا کر پڑھیں،رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کا جھنڈا دے کر لشکر روانہ فرمایا، جب یہ وہاں پہنچے تو یہود نے علی الاعلان رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیں بعد میں رسول اللہ ﷺ بھی پہنچ گئے، تین ہزار کے لشکر نے سات سو یہود کا محاصرہ کرلیا، وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے،ان کے سردار کعب بن اسد نے ان کو جمع کر کے کہا: میں تمہارے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں کسی ایک پر عمل کرلو!:

۱۔یہ برحق پیغمبر ہیں،ان پر سب ایمان لے آؤ!

۲۔اپنے ہاتھوں سے عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے بے دریغ لڑو!

٣۔ آج ہفتے کی شب ہے، یہ ہماری طرف سے غافل اور بے خبر ہوں گے۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شب خون مار دو۔'

یہود نے یہ تینوں باتیں مسترد کر دیں اور کہا کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ہمارے حلیفانہ تعلقات ہیں ان کے ساتھ بات چیت کر کے کوئی راستہ نکالتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو ہمارے پاس بھیج دیں۔ ہم کچھ بات کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیج دیا، وہ لوگ رونے چلانے لگے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے ان کو بتایا کہ تم کو قتل کر دیا جائے گا لیکن فوراً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی بجائے مسجد نبوی میں آ کر خود کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کافی انتظار کرتے رہے۔ صحابہ نے سارا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس آ جاتا تو میں استغفار کر لیتا لیکن اب اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔" بالآخر پچیس دن کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

چونکہ بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات "اوس" قبیلے سے تھے۔ اس لئے انہوں نے درمیان میں بات کرنا چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصلے کا اختیار دے دیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر ان کو گردن میں تیر لگا تھا اور خون نکل جانے کی وجہ سے کافی کمزور ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں جو فیصلہ کروں تم کو قبول ہوگا؟ یہود نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ سنایا کہ ان کے جتنے لڑنے کے قابل مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد! تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، چنانچہ اس فیصلے پر عمل کیا گیا۔ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کر دیئے گئے، خواتین اور بچوں کو قید کر کے نجد اور شام کے بازاروں میں فروخت کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ اس قیمت سے سامان جنگ خریدا گیا اور بنو قریظہ سے حاصل ہونے والا سامان صحابہ کرام میں بطور مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔

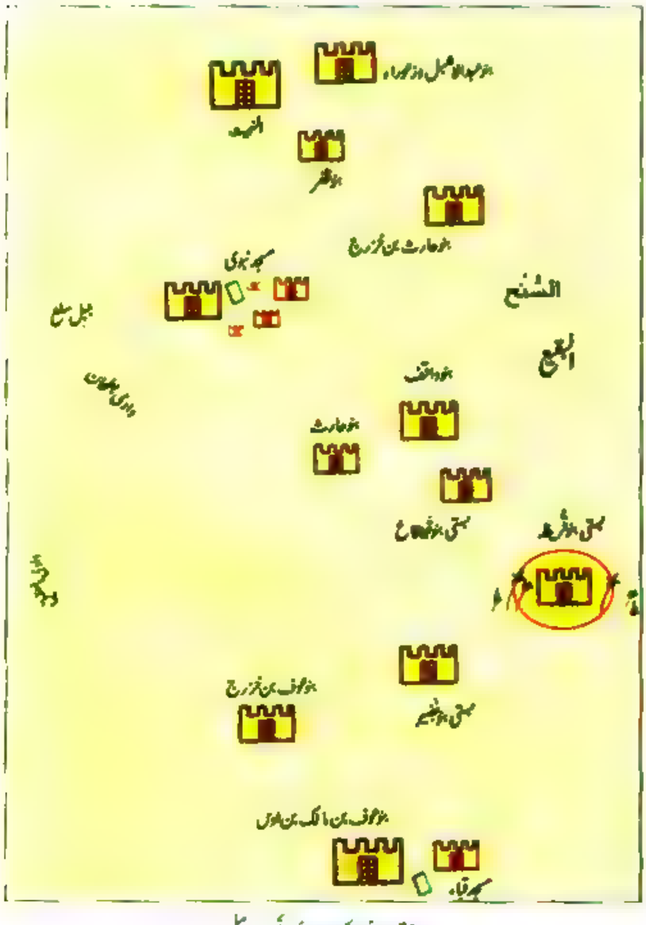

بنو قریظہ کو بدعہدی کی سزا

ایک شبہ اور اس کا جواب:

اس فیصلے کے بارے میں مستشرقین اگر یہ شبہ کریں کہ یہ تو بہت سخت فیصلہ تھا کہ پورے قبیلے کا صفایا کر دیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر غزوہ خندق میں کفار کا جو سیلاب امڈ آیا تھا، اگر یہ مدینہ کے در و دیوار سے ٹکرا جاتا جس کے لئے بنو قریظہ نے اندر سے راستہ دینے کی کوشش کی تھی، تو کیا نتائج نکلتے؟ کیا مدینہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجائی جاتی؟ کیا مسلمانوں کا بالکل صفایا نہ کیا جاتا؟ کیا ان کی لاشوں کا مثلہ نہ کیا جاتا؟ کیا ان کا مال و سامان نہ لوٹ لیا جاتا؟ کیا ان کی خواتین کی بے حرمتی نہ کی جاتی؟ اور مزید ان کے پیش رو بنو قینقاع اور بنو نظیر کو معاف کرنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ لہٰذا اَلْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ یعنی "جیسی کرنی ویسی بھرنی" کے تحت بنو قریظہ کو ان کی گھناؤنی حرکات کی بالکل ٹھیک سزا ملی۔(۱)

درس نمبر: ۲۶

احکامات و واقعات ۵ھ

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح، ذی قعدہ ۵ھ:

حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ اور متبنٰی زید بن حارثہ سے کرنا چاہا، اس مقصد کیلئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو رشتے کا پیغام بھیجا، حضرت زینب اور ان کے بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے خاندانی تفاوت کی وجہ سے انکار کر دیا، اس پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (۲)

"اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی کو کوئی اختیار نہیں رہتا"

یہ آیت کریمہ سن کر وہ راضی ہو گئے، دونوں کے درمیان نکاح ہو تو گیا لیکن طبیعت اور مزاج کا اختلاف خوشگوار زندگی کے راستے میں رکاوٹ بنا رہا، روزانہ کے اختلافات نے دونوں کی زندگی مشکل بنا دی، حضرت زید طلاق کی اجازت چاہتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صبر کی تلقین کرتے، آخر حضرت زید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انہوں نے طلاق دیدی، حضرت زینب کی مسلسل حوصلہ شکنی ہوئی، اول نکاح ان کی مرضی کے خلاف ہوا، پھر طلاق ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی کے بارے میں فکر مند رہتے، یہی ایک صورت تھی کہ آپ خود ہی ان سے نکاح فرما لیتے لیکن اس میں بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کو جاہلیت میں ایسا حرام اور معیوب سمجھا جاتا تھا جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی سے، اگر یہ نکاح ہو جاتا تو کیا طوفان بدتمیزی برپا ہوتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سامنے لا کر پھر سوچ میں پڑ جاتے۔

اسی سوچ و بچار کی کیفیت میں آپ تھے کہ قرآن کریم میں سورۃ الاحزاب کی آیات نازل ہوئیں، جن سے اس جاہلی تصور کا

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/۲۳۹ تا ۳۰۰ (۲) الاحزاب: ۳۶

خاتمہ ہوگیا کہ منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے جیسا ہے، یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر بتایا گیا کہ زینب سے آپ کی شادی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ دعوت ولیمہ کے موقع پر پردے اور حجاب کی آیات نازل ہوئیں اور پردے کو لازم قرار دے دیا گیا۔ (۱)

حکم حجاب یعنی پردہ۔ ذی قعدہ:

جیسا کہ پچھلے قصے سے معلوم ہوا کہ دعوت ولیمہ کے موقع پر پردے کا حکم آیا۔ مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم کیا گیا اور مردوں کی تقسیم ہوگئی کہ کن مردوں سے پردہ ضروری ہے اور کن سے ضروری نہیں۔

درس نمبر: ۶۷

سنہ ۶ھ

غزوات وسرایا

سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ محرم ۶ھ:

مدینہ کے مشرق میں عرب جنگجو قبائل آباد تھے، یہ نَجْد کا علاقہ تھا۔ جنوب میں مکہ اور مغرب میں یَمَامَہ کی ساحلی پٹی تھی۔ یہاں کے قبائل سے معاہدہ ہوچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان قبائل کی طرف سے حملے کی اطلاع ملی۔ آپ نے اس وقت حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر روانہ فرمایا۔ یہ لشکر رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپتا چھپاتا وہاں پہنچ گیا لیکن یہ قبائل منتشر ہوگئے۔ لشکر واپس لوٹ آیا اور آتے ہوئے ان کے ہاتھ مسیلمہ کذاب کا ایک شخص ثُمَامَہ بن أُثَال ہاتھ لگ گیا۔ جو رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے آرہا تھا۔ یہ لوگ اس کو گرفتار کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے پوچھا کہ بتاؤ! ہم تمہارے ساتھ کیا معاملہ کریں؟ ثمامہ نے کہا: "اگر آپ مجھے قتل کردیں تو یہ عین انصاف ہوگا اور معاف کردیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا اور اگر فدیہ لینا چاہیں تو میں بہت سا مال دیدوں گا"۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن پھر اس سے وہی سوال کیا۔ اس بار اس نے کہا: "اگر معاف کردیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں اور فدیہ لینا چاہیں تو بہت سا مال دوں گا"۔ رسول اللہ ﷺ پھر بھی خاموش رہے۔ تیسرے دن پھر اس سے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دراصل اس کو تین دن تک مسجد نبوی کا ماحول دکھایا کہ اذان ہوتی ہے تو کیسے پورا مدینہ نماز کے لیے مسجد میں چلا آتا ہے۔ مسجد میں تعلیم و تربیت کا کیسا عجیب اور روح پرور ایمانی ماحول ہوتا ہے۔ اس نے یہ پورا ماحول دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو! وہ چلا گیا۔ سامنے انگور کا باغ تھا۔ وہاں

(۱) سیرت المصطفیٰ ۳: ۳۰۷

جا کر غسل کیا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا اور کہا کہ مسلمان ہونے سے پہلے سب سے زیادہ نفرت مجھے رسول اللہ ﷺ سے تھی اور اب مجھے سب سے زیادہ محبت رسول اللہ ﷺ سے ہے۔کفار کو سبق سکھانے کے لیے ثمامہ نے کہا کہ یَمامَة سے ان کے لیے جو اناج جاتا ہے میں وہ بند کرادوں گا۔ان کے اس اقدام سے کفار چیخ اٹھے۔کیونکہ شام کا راستہ پہلے ہی مسلمانوں نے بند کر رکھا تھا۔اب یمامہ سے اناج کی رسد بھی بند ہوگئی۔کفار نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی اپیل کی۔رسول اللہ ﷺ نے ان پر رحم کھاتے ہوئے اناج کی ترسیل جاری کروادی۔ (۱)

غزوہ بنولحیان، ربیع الاول ۶ھ :

لحیان کا علاقہ مدینہ سے جنوب میں واقع ہے جہاں رَجیع کے واقعہ میں ستر قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کو سازش کے ذریعے شہید کر دیا گیا تھا۔جس کا رسول اللہ ﷺ کو بہت صدمہ تھا۔رسول اللہ ﷺ اس کا بدلہ لینے کے لیے روانہ ہوئے۔لیکن وہ لوگ منتشر ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعد واپس آگئے۔ (۲)

غزوہ غابہ، ربیع الآخر ۶ھ :

غَابَة مدینہ سے شمال میں ہے۔جبل احد کی پچھلی جانب غابہ کی زمین تھی جہاں صدقہ کے اونٹ اور جانور رکھے جاتے تھے۔کچھ صحابہ ان جانوروں کی نگرانی پر مامور تھے اور اپنے اہل وعیال کے ہمراہ وہیں رہتے تھے۔ایک دن کچھ جنگجو قبائل آئے اور لوٹ مار کرتے ہوئے جانوروں اور ایک صحابی کی بیوی کو لے گئے۔"حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ" جو دوڑنے میں بہت تیز تھے،ان کے پیچھے دوڑے اور ایک غلام کو رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دینے کے لیے روانہ کیا۔وہ لشکر کے پیچھے دوڑتے ہوئے تیر اندازی کر رہے تھے بالآخر وہ لوگ جانوروں اور خاتون کو چھوڑ کر فرار ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بہادری کی تعریف کی کہ "سلمہ" ہمارا بہترین پیدل مجاہد ہے۔ (۳)

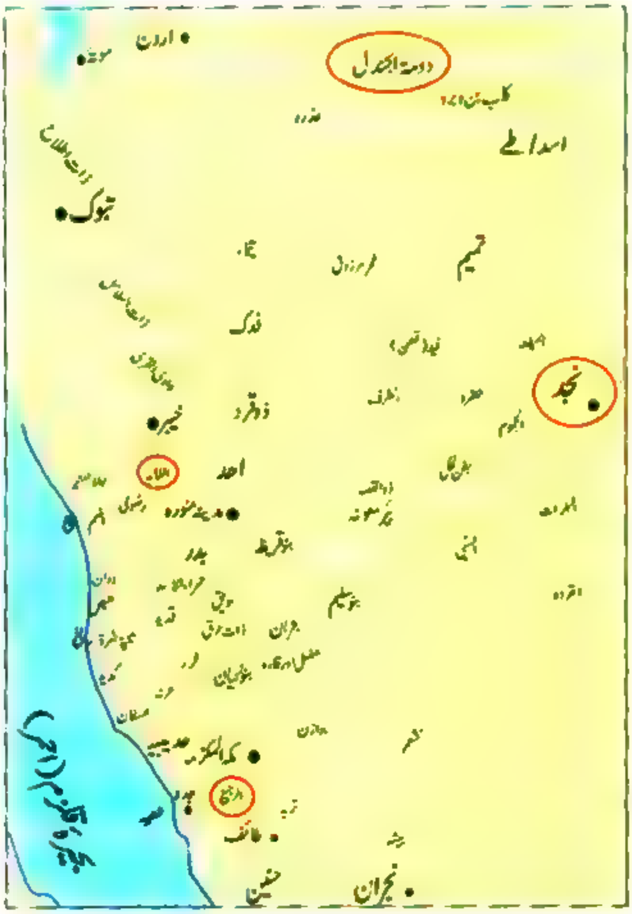

نقشہ میں بنولحیان، غابہ اور دومۃ الجندل کے مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے

(۱) السیرۃ النبویہ ۲۔ ۳۲۱ دیوان الاثر ۲۔ ۱۱۸ (۲) السیرۃ النبویہ دروس وعبر ۲۔ ۳۵۹ (۳) سیرت احمد مجتبیٰ ۳۔ ۹۳،۹۲ دیوان الاثر ۲۔ ۱۲۵

درس نمبر: ۶۸

غزوۂ بنو مصطلق شعبان ۶ ھ:

مدینہ منورہ کے جنوب میں مکہ اور مدینہ کے درمیان "قُدَیْدْ" نامی علاقہ ہے، قدید کے پاس ایک کنواں ہے جس کا نام "مُرَیْسِیْع" ہے۔ اس علاقے میں ایک قبیلہ "بَنُوْ مُصْطَلَقْ" آباد تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ اس قبیلے کا سردار مکہ کے کافروں کی تحریک پر مسلمانوں کے خلاف اپنی طاقت جمع کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیا اور مریسیع کی جانب روانہ ہوئے، لیکن عجیب حکمت عملی اختیار کی، جانا جنوب کو تھا لیکن آپ شمال کی جانب روانہ ہوئے، اور گھوم کر اچانک ان کے سر پر آ پہنچے، وہ لوگ حواس باختہ ہو گئے، دونوں طرف سے تیر چلے لیکن وہ لوگ بھاگ گئے، ان کے بہت سے افراد اور ان کے سردار کی بیٹی گرفتار ہو گئی اور بہت سا سامان ہاتھ آیا، رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ کی طرف لوٹ آئے، سامان اور قیدیوں کو بطور مال غنیمت تقسیم کیا گیا۔

اس سفر میں کچھ واقعات پیش آئے:

۱۔ ام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح:

غزوۂ بنو مصطلق میں سردار کی بیٹی "بَرَّۃ" ایک صحابی کے حصے میں آئی، اس نے ان صحابی کو عقد مکاتبت کی پیشکش کی، جو انہوں نے مان لی، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میں سردار کی بیٹی ہوں اور فلاں صحابی کے حصے میں آئی ہوں! اور میں نے ان سے عقد مکاتبت کر لیا ہے لیکن میرے پاس مکاتبت کی رقم ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے، لہٰذا آپ میری مدد فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے بہتر پیشکش کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم میرے ساتھ نکاح کر لو! اس نے اس پیشکش کو بخوشی تسلیم کر لیا، کیونکہ اس نے کچھ عرصہ قبل یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ سے ایک چاند نکل کر اس کی گود میں آ گرا ہے، اور یہ اس خواب کی تعبیر تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام "برہ" سے تبدیل کر کے "جویریہ" رکھ دیا، مسلمانوں کے پاس اس قبیلے کے تقریباً سو افراد غلام بن گئے تھے، جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی خبر سنی تو سب کو آزاد کر دیا کہ یہ قبیلہ تو اب ہمارا اسسرال بن گیا ہے اور جو قبیلہ جنگ کی سازشوں میں تھا وہ رسول اللہ ﷺ کا رشتہ دار بن گیا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد حارث ان کو چھڑانے کے لیے کافی اونٹ لیکر آیا، کچھ اونٹ "وَادِیْ عَقِیْقْ" میں چرنے کے لئے چھوڑ دیئے اور کچھ ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کی آزادی کی درخواست کی اور اپنے خالی ہاتھ ہونے کی فریاد بھی کی کہ میرے پاس زیادہ کچھ نہیں، بس یہ چند اونٹ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور وہ اونٹ جو تم نے "وادیٔ عقیق" میں چھوڑے ہیں؟ اس نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ حالانکہ یہ بات تو سوائے میرے اور اللہ کے اور کسی کو

معلوم نہیں، آپ نے فرمایا: مجھے اللہ نے بتایا ہے، یہ سن کر وہ بھی مسلمان ہوگیا۔

۲۔ قوم پرستی کی سازش:

ایک جگہ پر کنویں سے ایک مہاجر اور انصاری صحابی پانی پی رہے تھے کسی بات پر ان دونوں میں لڑائی ہوگئی اور انصاری صحابی نے مہاجر صحابی کو تھپڑ مار دیا، لڑائی تیز ہوگئی، دونوں نے مدد کے لیے اپنی اپنی قوم کو پکارا اور "یَاآلَلْمُهَاجِرِیْن !" اور "یَاآلَلْأَنْصَارْ !" کے نعرے لگنا شروع ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو جیسے ہی اطلاع ملی آپ فوراً تشریف لے آئے اور فرمایا:

"یہ جاہلیت کے نعرے کیسے؟ اس پکار کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دو! یہ ایک خبیث نعرہ ہے"

اس کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے قافلے کو روانگی کا حکم دیا، حالانکہ یہ سفر کا وقت نہ تھا، قافلہ مسلسل چلتا رہا، صحابہ تھکان سے چور چور ہو گئے، رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو سب ایسے سوئے کہ کسی کو کوئی ہوش ہی نہ رہا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سب اس لئے کیا تاکہ قومی لڑائی کے اس واقعہ پر کسی کو زیادہ سوچنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

جب یہ واقعہ پیش آیا تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابَی نے کہا کہ اچھا! یہ مہاجر لوگ مکہ سے آئے اور ہم نے ان کو ٹھکانے دیئے، اب یہ ایسی باتیں کرتے ہیں، یہ تو ایسا ہوا کہ اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں کھائے، مدینہ پہنچ کر ہم عزت والے ان ذلت والوں کو نکال دیں گے، ان کا خرچہ بند کرو تاکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے بکھر جائیں۔

یہ تمام باتیں ایک نوعمر صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سنیں اور آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں، عبداللہ بن ابَی حاضر ہوا اور قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں نے ایسا نہیں کہا، زید چھوٹا بچہ ہے، اس نے میری بات کو صحیح سنا نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، انصار نے بھی کہا کہ زید نے صحیح سنا نہیں، رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے ایسی باتیں کی ہیں اور ان سے مجھے بہت صدمہ پہنچا ہے، انصار صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ غم نہ کریں، اس شخص نے ایسی باتیں اس لیے کی ہیں کہ آپ کی آمد سے قبل یہ مدینہ کی سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا، آپ کی آمد سے اس کا یہ خواب چکنا چور ہوگیا۔ عبداللہ بن ابَی کے بیٹے عبداللہ کو جب پتا چلا کہ اس کے باپ نے اس طرح کی حرکت کی ہے، تو وہ مدینہ کے داخلی راستے میں کھڑا ہوگیا اور اپنے والد کی سواری کے پاؤں باندھ دیئے اور کہا کہ اس وقت تک مدینہ میں داخل نہ ہونے دوں گا جب تک یہ نہ کہہ دو کہ رسول اللہ ﷺ عزت والے اور تم ذلیل ہو، کہنے لگا کہ اے عبداللہ! تم تو میرے سب سے فرمانبردار بیٹے تھے تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟ بیٹے نے کہا کہ سب اپنی جگہ پر ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی عزت میرے نزدیک سب سے بڑھ کر ہے، بالآخر اس سے یہ الفاظ کہلوا کر چھوڑے۔

درس نمبر: ۶۹

۳۔ واقعۂ افک:

اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پر قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئیں اور وہاں ان کا ہار گر گیا۔ جس کو تلاش کرنے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ دوسری طرف ان کے ہودج کو اونٹ پر رکھنے والوں کو آپ رضی اللہ عنہا کی غیر موجودگی کا اندازہ نہ ہوسکا۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا وزن اتنا زیادہ نہ تھا۔ یہ سمجھ کر اونٹ پر رکھ دیا گیا کہ آپ اس میں بیٹھ چکی ہیں اور قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں رہ گئیں۔ جب وہ واپس قافلے کی جگہ پر آئیں تو دیکھا کہ قافلہ تو جاچکا ہے۔ وہیں بیٹھ گئیں کہ جب قافلے والوں کو اندازہ ہوگا تو اسی جگہ پر تلاش کرنے کے لیے آئیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ ایک سوار کو قافلے کے پیچھے رکھتے تھے تاکہ گمشدہ سامان وغیرہ پر نگاہ رکھے۔ اس دفعہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ پیچھے چلے آرہے تھے۔ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ قریب جاکر دیکھا تو پہچان گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا۔ فوراً إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ بٹھایا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہوگئیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اونٹ لیکر چل پڑے اور قافلے سے جا ملے۔ منافقین کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کو ایک نئی سازش کا موقع ہاتھ آگیا۔ ایک سازش تو ان کی ناکام ہوگئی تھی، اب دوسری سازش کا موقع ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صفوان کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہیں۔ قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا اور منافقین اس بات کو اپنی مجالس کا موضوع بنانے لگے۔ اس طریقے سے یہ بات مدینہ میں گردش کرنے لگی۔

رسول اللہ ﷺ پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ غمگین رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے۔ صحابہ مختلف قسم کے مشورے دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دبے لفظوں چھوڑنے کا مشورہ دیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رکھنے کا مشورہ دیا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی نے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے عجیب بات کہی کہ اگر تم عائشہ کی جگہ ہوتی اور اس حالت میں صفوان سے ملاقات ہوتی تو کیا ایسا کرتی؟ بیوی نے کہا: نہیں۔ حضرت ابوایوب نے کہا کہ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تو تم سے بھی بہتر ہیں اور کیا اگر میں صفوان کی جگہ ہوتا اور اس طرح ویرانے میں رسول اللہ ﷺ سے حرم کو پاتا تو کیا غلط سوچ سکتا تھا؟ بیوی نے کہا کہ نہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ پھر صفوان کیسے یہ کام کرسکتا ہے؟ وہ مجھ سے بہتر ہے۔ یہ چہ میگوئیاں یوں ہی چلتی رہیں اور منافقین اس کو بڑا موقع جان کر خوب اس میں پھونکیں مار رہے تھے۔

دوسری جانب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حال یہ تھا کہ سفر سے واپسی پر بیمار پڑ گئیں اور ایک مہینے تک مسلسل بیمار رہیں. اس قصے کو خود بیان فرماتی ہیں کہ مجھے اس واقعے کی بالکل اطلاع نہ تھی. البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ بیماری کی حالت میں جس توجہ اور شفقت کا مظاہرہ اور جو بے تکلفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھ سے پہلے ہوا کرتی تھی اب وہ باقی نہیں رہی تھی بلکہ میں آپ کی طبیعت پر ایک بوجھ سا محسوس کرتی تھی جس کی وجہ سے آپ بجھے بجھے نظر آتے تھے. بیماری ختم ہوئی تو ایک مرتبہ رات کے وقت میں اُمِ مِسطَح کے ساتھ تقاضہ کے لیے جا رہی تھی. ام مسطح کا پاؤں پھسلا تو اس کے منہ سے نکلا تَعِسَ مِسطَح مسطح ہلاک ہو جائے. میں نے ان سے کہا کہ مسطح تو بدری صحابی ہے. اس کو بددعا کیوں دی؟ ماں نے کہا: آپ کو نہیں معلوم کہ مدینہ میں اس طرح کی بات چل رہی ہے اور میرا بیٹا مسطح بھی اس میں شامل ہے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں واپس ہوئی تو واقعے کی تحقیق کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے والدین کے گھر چلی گئی. جب تحقیق ہوئی اور والدین سے بھی یہ بہتان معلوم ہوا تو بے اختیار میں نے رونا شروع کر دیا دو راتیں اور ایک دن اسی طرح روتے روتے گزر گیا. اس عرصے میں نہ نیند آئی اور نہ آنسو رکے. اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے. خطبہ پڑھا اور پھر فرمایا: عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی بات کا پتا چلا ہے. اگر تم اس سے بری الذمہ ہو تو اللہ تمہاری صفائی ظاہر کر دیں گے اور اگر تم سے غلطی ہو گئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو کیونکہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان باتوں سے میرے آنسو تھم گئے. میں نے اپنے والدین کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کچھ بات کریں. لیکن وہ خاموش رہے پھر میں نے خود ہی جواب دیا کہ میرے خلاف اتنے زور و شور سے یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں (اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میں واقعی بری ہوں) تو آپ کو یقین نہیں آئے گا. لہٰذا میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے اپنے بیٹوں سے کہی تھی (شدت غم کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی بھول گئیں) فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (۱) اس کے بعد میں ایک جانب جا کر لیٹ گئی اور مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری صفائی اور براءت ضرور بیان کریں گے. اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت شروع ہوئی. جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے اور فرمایا کہ اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تجھے بری کر دیا. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی والدہ نے کہا: اُٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو. انہوں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی. جس نے میری براءت کا اعلان کیا ہے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اتنا تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری براءت کا اعلان فرمائیں گے لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ میری براءت میں قرآن کی اتنی آیات نازل ہوں گی۔ (۲)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان سے مسجد نبوی تشریف لائے اور سب کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں نازل شدہ سورۂ نور کی آیات تلاوت فرمائیں۔

(۱) یوسف: ۱۸ (۲) سیرت ابن ہشام ۳/ ۳۲۵ تا ۳۳۳

اس فتنے کا اصل محرک عبداللہ بن اُبی تھا اور اس کی شرارت سے مسلمانوں میں حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ ان سب کو حدقذف اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔ عبداللہ بن اُبی کے بارے میں دونوں قسم کی باتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو سزا دی گئی، دوسری روایت یہ کہ چونکہ وہ منافق تھا اس لئے اسے سزا نہیں دی گئی۔

سریہ عبدالرحمن بن عوف، شعبان ۶ھ:

جزیرۃ العرب اور شام کی سرحد پر "دومۃ الجندل" کا علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ عیسائی ہو گئے تھے اور اسلام کے خلاف شرارتوں اور سازشوں کا حصہ بنتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا اور ان کو تاکید کی کہ ان قبائل سے بات چیت کریں اور ہو سکے تو ان کے سردار کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لی۔ (۱)

اس طرح رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی سے مدینہ کے ارد گرد عرب قبائل کی شرارتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

واقعات

حدِ قذف، شعبان ۶ھ:

حدِ قذف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو تہمت لگانے والے کو ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔

(۱) سیرت المصطفیٰ / ۱ / ۸۲۵، بیان القرآن ۲ / ۱۵۵

درس نمبر: ۷۰

صلح حدیبیہ، ذی قعدہ سنہ ۶ ھ

جزیرۃ العرب میں اسلام کے خلاف سازشوں کا سلسلہ تھم گیا تھا، سازش کرنے والے کچھ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور بعض اسلام کی استقامت اور ترقی سے تذبذب میں پڑ کر سوچنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ غیب پر ایمان کے سامنے مادہ پرستی اور توہم پرستی کا کھوکھلا پن واضح ہو چکا تھا، مکہ مکرمہ جو اس وقت اسلام کے خلاف کفار کا مرکز تھا، اب تکوینی طور پر اس کے فتح ہونے کی تمہید باندھی جا رہی تھی۔

تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوئے ہیں، عمرہ ادا کیا ہے، بعض نے سر منڈوایا ہے اور بعض نے بال کٹوانے پر اکتفا کیا ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ خواب سنایا، صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین جن کی پیدائش، بچپن اور پھر زندگی کا ایک حصہ سر زمین مکہ سے وابستہ تھا، مظلومیت کی حالت میں وہاں سے نکالے گئے، ان کے دلوں میں مکہ کی محبت رچی بسی ہوئی تھی، مکہ کی یادیں انہیں بار بار ستاتیں، خواب سنا تو ان کی یادوں نے پھر انگڑائی لی، بے قرار ہو کر کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اسی سال جانا چاہیے! پیغمبر کا خواب اگرچہ وحی ہوتا ہے، لیکن اس میں وقت کی تعیین نہ تھی کہ اسی سال ہی عمرے کی سعادت حاصل ہوگی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور یکم ذی قعدہ ۶ھ تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے، ذو الحلیفہ کے مقام پر آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے احرام باندھے، جانوروں کے گلوں میں قلادے ڈالے اور ایک صحابی کو معلومات کے لئے بھیجا کہ کافروں کو اس بات کی خبر ہے یا نہیں؟ "غَدِیْرِ اَشْطَاطْ" کے مقام پر قاصد نے آ کر اطلاع دی کہ ان کو نہ صرف معلوم ہے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے خالد بن ولید کو ایک دستہ دے کر "کُرَاعَ الْغَمِیْمْ" کے علاقے میں کھڑا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام تو جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے بلکہ احرام کی حالت میں تھے جس میں وہ لڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ آپ نے "کُرَاعَ الْغَمِیْمْ" کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا اور "حُدَیْبِیَۃ" کے مقام پر پہنچ گئے، خالد بن ولید کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو لشکر کو دوڑاتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور اہل مکہ کو اس کی اطلاع دی۔

حدیبیہ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی مکہ کی جانب موڑنی چاہی لیکن وہ بیٹھ گئی، بہت اس کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ اٹھی، لوگوں نے کہا: "قَصْوَاءْ" بیٹھ گئی، آپ نے فرمایا: اس کی عادت بیٹھنے کی نہیں، اللہ عز و جل نے اس کو روکا ہے۔ مجھ سے قریش شعائر اللہ کی تعظیم کے حوالے سے جس شرط کا بھی مطالبہ کریں گے میں وہ منظور کر لوں گا، یہ کہہ کر اونٹنی کو اٹھایا تو

اٹھ گئی. آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

بُدیل بن وَرقاء خزاعی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور کفار کی جنگی تیاری کا تذکرہ کیا. آپ ﷺ نے فرمایا ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے. صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، ویسے قریش کو لڑائیوں نے کمزور کر دیا ہے. اگر وہ چاہیں تو ایک مدت تک صلح کر لیں. مجھے اور عرب کو چھوڑ دیں اگر میں غالب آ گیا تو اس وقت چاہیں تو اسلام میں داخل ہو جائیں. فی الحال کچھ آرام کر لیں اور اگر عرب مجھ پر غالب آ گئے تو ان کی تمنا پوری ہو جائے گی لیکن میں یہ صاف کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر کے رہیں گے. بدیل یہ باتیں سن کر قریش کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ میں محمد ﷺ کے پاس سے آیا ہوں! تم چاہو تو ان کی بات تم کو سنا دوں! ان کے جوانوں نے کہا ہمیں کوئی ضرورت نہیں مگر سمجھدار لوگوں نے کہا: بیان کر دو! بدیل نے ساری بات سنا دی کہ وہ صرف عمرے کے لئے آئے ہیں اور تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں. قریش نے کہا بے شک وہ لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے. لیکن مکہ میں وہ داخل نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد قریش نے یکے بعد دیگرے تین قاصد بھیجے. پہلے مکرز بن حفص آیا. رسول اللہ ﷺ نے اس سے وہی بات کی جو بدیل سے کی تھی اور اس نے واپس جا کر قریش کو ساری بات بتا دی. اس کے بعد حلیس بن علقمہ آیا. یہ احابیش کا سردار تھا. اس کا قریش کے ساتھ مرنے تک ساتھ دینے کا معاہدہ ہوا تھا. جب یہ نمودار ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ مذہبی احکام کا احترام کرنے والے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ہدی کے جانوروں کی تعظیم کرنے والے ہیں. اس لئے ہدی کے جانور اس کے سامنے ہنکا کر لے جاؤ! صحابہ کرام نے ویسا ہی کیا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے اس کا استقبال کیا. حلیس یہ دیکھ کر واپس ہو گیا اور جا کر قریش کو پوری تاکید سے کہا کہ میں نے وہ باتیں دیکھی ہیں کہ ان کا روکنا کسی طرح جائز نہیں. قریش نے ان کو برا بھلا کہا اور کہا کہ تم ان کا فریب نہیں سمجھتے. اس پر حلیس بھی بگڑ گیا اور کہنے لگا کہ ہمارا حلف تمہارے ساتھ ناجائز باتوں کے لئے نہیں تھا. جو شخص بیت اللہ کا احترام دل میں رکھتا ہے اس کو مت روکو! ورنہ میں اپنے احابیش لے کر تم سے الگ ہو جاؤں گا. اس پر قریش نے کہا آپ صبر کریں، ہم ذرا ان سے اپنی شرائط منوا لیں. اس کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ اپنی جماعت کو مروانا چاہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور کوئی جواب نہیں دیا. اس نے اپنی بڑائی ظاہر کرتے ہوئے قریش کی بھرپور تیاری کا تذکرہ کیا اور مسلمانوں کا توہین آمیز تذکرہ کرتے ہوئے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ کل کو عرب غالب آتا ہے تو یہ سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس بات پر بڑا غصہ آیا اور آگے بڑھ کر اس کو جواب دیا کہ ارے جا! اپنے بت کی شرم گاہ کو چاٹ! ہم میں سے کوئی بھی بھاگنے والا نہیں. عروہ نے کہا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر ہیں. عروہ نے کہا: اس کا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں جواب دے

دیتا۔عروہ عرب کے دستور کے مطابق بار بار رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور ایسا اکثر اوقات برابر کے مرتبے کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے۔حضرت مغیرہ بن شعبہ جو زرہ پہن کر پہرے میں کھڑے تھے، تلوار سے اس کا ہاتھ ہٹاتے تھے۔عروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال محبت اور اتباع کو دیکھ کر متاثر ہوا اور واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بھی گیا ہوں لیکن وہ تعظیم کہیں نہیں دیکھی جو محمد ﷺ کے صحابہ آپ کی کرتے ہیں، میری تجویز بھی یہی ہے کہ ان کی پیشکش قبول کرلو!

قریش کے جوانوں نے جب دیکھا کہ ان کے سرکردہ لوگ صلح کی طرف مائل ہیں تو انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات کی تاریکی میں حملہ کر کے جنگ کی آگ بھڑکا دیں گے، چنانچہ رات کی تاریکی میں جبل تنعیم سے تقریباً ستر اسی کے لگ بھگ افراد آئے لیکن مسلمانوں کے پہرے داروں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کرلیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ کفار کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے کسی کو ان کے پاس بھیجنا چاہیے، چنانچہ اس مقصد کے لیے پہلے ربعی بن خراش خزاعی رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ جب مکہ پہنچے تو اہل مکہ نے ان کا اونٹ ذبح کر ڈالا اور ان کو قتل کرنا چاہا لیکن کچھ لوگ بیچ میں پڑ گئے اور اپنی جان بچا کر واپس آگئے۔اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول! میں سخت مزاج آدمی ہوں اور اہل مکہ کی دشمنی میرے ساتھ واضح ہے پھر میرا کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں جو مجھے پناہ دے سکے، ایسا نہ ہو کہ بات بننے کی بجائے خراب ہو جائے۔آپ ایسا کریں کہ عثمان کو بھیج دیں، وہ نرم مزاج بھی ہیں اور مکہ میں ان کا خاندان بھی آباد ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا گیا۔حضرت عثمان نے اندر پہنچ کر ان کو پیغام پہنچایا، کفار نے جواب دیا کہ محمد ﷺ تو نہیں آسکتے ،البتہ تم چاہو تو طواف کرلو! حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں ہی تھے کہ ان کے قتل کی افواہ پھیل گئی، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ سفیر کا قتل کسی بھی قانون میں صحیح نہیں ہوتا۔آپ نے صحابہ کرام سے بیعت لی کہ ہم عثمان کے قتل کا بدلہ لیں گے اور جب تک جان میں جان ہے کفار سے جہاد کریں گے، بھاگیں گے نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے ابوسنان اسدی نے بیعت کی، حضرت سلمہ بن اکوع نے تین بار بیعت کی، آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، کیکر کے درخت کے نیچے یہ بیعت جہاد ہوئی، جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔

اسی درمیان قریش کے کچھ جوانوں نے جو صلح کے خلاف تھے خفیہ طریقے سے مسلمانوں کے لشکر پر حملے کے لئے آئے

تاکہ صلح کی کوششیں ناکام ہوں مگر وہ گرفتار ہوئے اور سازش ناکام ہوگئی۔ان کی رہائی کے لئے قریش نے ایک وفد بھیجا جس میں سہیل بن عمرو تھا،آپ علیہ السلام نے جب سہیل کو آتے دیکھا تو آپ نے اُس کے نام سے نیک فالی کرتے ہوئے فرمایا: معاملہ آسان ہوگیا،سہیل نے پہلے تو اپنے گرفتار لوگوں کی رہائی کی بات کی کہ ان جوانوں کی یہ حرکت اِن کا ذاتی فعل ہے اس سے قریش میں کوئی بھی خوش نہیں اور نہ ہی ہمیں اس کی خبر ہے،اس لئے ہم آپ سے ان کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہیں،اس پر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا تو انہوں حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رہا کر دیا۔

درس نمبر: ۱۷

صلح اور اُس کی دفعات:

قریش کو جب اس بیعت کی اطلاع ہوئی تو مرعوب ہوئے اور اب سنجیدگی سے سوچنے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ صلح کے لئے راضی ہوگئے اور دوبارہ سہیل بن عمرو کو چند افراد کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ صلح کی شرائط طے کریں چنانچہ شرائط طے ہوئیں اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان معاہدہ طے پایا جو "صُلَحِ حُدَیْبِیَۃ" کے نام سے مشہور ہوا،بظاہر یہ ایک یک طرفہ معاہدہ تھا جس کی تمام دفعات بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔

مقام حدیبیہ اور میقات کی وضاحت

معاہدہ کی دفعات یہ تھیں:

۱)......اس سال مسلمان بغیر عمرہ کے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال صرف تین دن کے لیے آئیں۔

۲)......دس سال تک جانبین کے درمیان جنگ بندی ہوگی۔

۳)......مکہ مکرمہ کا کوئی شخص اگر مدینہ منورہ چلا جائے تو اہل مدینہ کو واپس کرنا ہوگا جبکہ اہل مکہ مدینہ منورہ سے آنے والے کو واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔

۴)......عرب قبائل کو مسلمانوں اور جو قریش میں سے اپنا حلیف چننے میں اختیار ہے، ہر ایک اپنے فیصلے میں آزاد ہوگا چنانچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔

۵)......صلح کی اس مدت کے دوران اہل مکہ اور اہل مدینہ کے درمیان آمد و رفت کی مکمل آزادی ہوگی۔

یہ شرائط طے ہوگئیں، صرف تحریری صورت میں لانا باقی رہ گیا مسلمان سخت غم اور اضطراب کی کیفیت میں تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: کیا ہم حق پر نہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیوں نہیں حق پر ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا: پھر اللہ کے دین کے معاملے میں ذلت کیوں گوارا کریں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر! اللہ کے رسول کے فیصلوں پر سر جھکاؤ، وہ اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے۔ اللہ ان کی مدد فرماتے ہیں۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور یہی باتیں وہاں بھی کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تقریباً وہی جواب دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس موقع پر برہمی اور غصہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی محبت میں تھا لیکن اس کے باوجود اُن کو آخر تک اِس بات افسوس رہا اور کفارے کے طور پر بہت سی نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، صدقہ خیرات کی اور بہت

وہ مقام جہاں صلح حدیبیہ لکھا گیا آج اُس مقام پر مسجد بنی ہوئی ہے

سے غلام آزاد کئے. غرض تمام معاملات طے ہو گئے. تحریر کی نوبت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے اوس بن خولہ کو تحریر کا حکم دیا مگر سہیل بن عمرو نے کہا نہیں! یہ تحریر آپ کے چچا کے بیٹے علی لکھیں گے ورنہ تو عثمان لکھیں گے. چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا اور انہوں نے لکھنا شروع کیا. رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" لکھوانے کا حکم دیا سہیل نے کہا ہم "رحمٰن" نہیں جانتے عرب کے قدیم دستور کے مطابق "بِسْمِكَ اَللّٰهُمَّ" لکھو. آپ نے وہی لکھوا دیا. اس کے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لکھو یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی ہے. سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیتے تو نہ آپ کو بیت اللہ سے منع کرتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو! رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی خواہش کے مطابق لکھنے کا حکم دیا. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ادباً و احتراماً مٹانے سے انکار کر دیا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا وہ جگہ مجھے دکھلاؤ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی رکھ کر وہ جگہ بتلائی. آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا۔

ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ سہیل کا بیٹا حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ جن کا اصل نام عاص بن سہیل ہے. زنجیروں میں جکڑے کفار کی قید سے فرار ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچے "سہیل" نے کہا کہ معاہدہ کے مطابق اسے ہمارے حوالے کر دو. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی تو معاہدہ مکمل ہی نہیں ہوا ہے لیکن سہیل اپنی بات پر ڈٹا رہا. آپ نے فرمایا میری خاطر چھوڑ دو. مگر سہیل نے اس سے بھی انکار کیا. رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر ابو جندل کو تسلی دی اور فرمایا: ابو جندل! صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھو! ہم عہد کے خلاف نہیں کر سکتے. یقین رکھو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری نجات کی کوئی صورت نکالیں گے. مسلمان اس صورتحال کو بہت مشکل سے برداشت کر رہے تھے۔

معاہدہ لکھا جا چکا. رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ سر منڈوا دیں. جانور قربان کر دیں اور مدینہ منورہ کی طرف واپس چلیں لیکن صحابہ کرام اس قدر غمگین تھے کہ تین بار ارشاد کے باوجود کوئی نہیں اٹھا. رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے غصے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے ساری بات بتائی. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ انہیں ملامت نہ فرمائیے کیونکہ وہ غم میں ڈوبے ہوئے ہیں. اور پھر مشورہ دیا کہ آپ خود ابتدا کیجئے. اپنا سر منڈوا دیں. آپ کو دیکھ کر سب سر منڈوا دیں گے. چنانچہ ایسا ہی ہوا صحابہ کرام نے آپ کو دیکھ کر سر منڈوا دیئے. جانور قربان کر دیئے اور واپس ہو گئے۔ اس موقع پر کچھ مسلمان خواتین بھی مکہ سے آ کر مسلمانوں سے ملیں. کفار نے معاہدے کا حوالہ دے کر اُن کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ معاہدے میں صرف "رَجُل" یعنی مرد کا ذکر ہے عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں. ان خواتین سے شرک اور دیگر محرمات سے باز رہنے کی

بیعت لی جاتی تھی، اگر وہ یہ بیعت قبول کرلیتیں تو ان کو واپس نہیں کیا جاتا تھا۔

واپسی پر کُرَاعَ الْغَمِیْمِ کے مقام پر رات کے وقت سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کو فتح مبین کی خوشخبری دی گئی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچ جانے کے بعد ایک روز حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر مدینہ منورہ آگئے، کفار نے دو آدمی ان کو طلب کرنے بھیج دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ابو بصیر! ہمارا تو اہل مکہ سے معاہدہ ہے ہم اس کے خلاف نہیں کر سکتے تم واپس چلے جاؤ۔ ابو بصیر نے کہا: وہ مجھے کافر بنادیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جاؤ اللہ سے امید رکھو۔ اللہ کوئی راستہ نکالیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں آدمی حضرت ابو بصیر کو اپنے ساتھ لے گئے۔ راستے میں ذُو الْحُلَیْفَة کے مقام پر یہ لوگ آرام کی غرض سے ٹھہر گئے، ابو بصیر نے ان میں سے ایک سے کہا کہ تمہاری تلوار تو بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کہا: ہاں میں نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے۔ ابو بصیر نے کہا ذرا مجھ کو دکھلاؤ۔ اس شخص نے تلوار دی، حضرت ابو بصیر نے تلوار لیکر فوراً اس شخص پر وار کیا اور اس کو ٹھنڈا کر دیا، دوسرے نے یہ واقعہ دیکھا تو فوراً بھاگا سیدھا مدینہ منورہ آیا اور قصہ بیان کر دیا۔ اتنے میں ابو بصیر بھی پہنچ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اپنا معاہدہ پورا کر چکے۔ میں نے اپنے دین کی حفاظت کی ہے تاکہ کوئی مجھے اپنے دین سے نہ پھیر سکے۔ اب تو مجھے مدینہ منورہ میں رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا: (بڑا ہی لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہو اگر کوئی اس کا ساتھی ہو) ابو بصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہاں رہا تو مجھے حوالہ کر دیا جائے گا چنانچہ مدینے سے نکل گئے اور بحر احمر کے کنارے "عیص" نامی علاقے میں پناہ گزین ہو گئے۔ اب جو مسلمان بھی مکہ سے بھاگ نکلتا وہ مدینہ منورہ کی بجائے یہاں آتا۔ اس طرح ابو بصیر کا ایک گروپ بن گیا جس نے وہاں سے گزرنے والے کفار کے قافلوں پر حملے شروع کر دیئے اور اسی سے اپنا گزر بسر کرنے لگے۔ آخر قریش نے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس خط بھیجا اور معاہدہ کی اس شق کو ختم کرنے کا اعلان کیا کہ جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آجائے ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں، آپ ان کو اپنے پاس ہی ٹھکانہ دیدیں، رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ ساتھیوں سمیت مدینہ واپس آجاؤ۔ جب یہ والا نامہ پہنچا ابو بصیر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، خط کو چوما، سینے سے لگایا اور انتقال کر گئے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر مدینہ منورہ آگئے۔

صلح حدیبیہ کو فتح مبین کیوں کہا گیا؟

کیونکہ...... مسلمانوں کی دفاعی قوت کو تسلیم کیا گیا۔

کیونکہ...... دعوت وتبلیغ کے کام میں زبردست کامیابی ہوئی۔

کیونکہ...... اسلامی ریاست کو استحکام حاصل ہوا۔

کیونکہ...... اسلامی ریاست تین اطراف سے مطمئن ہو کر شمال کی طرف متوجہ ہوئی۔(۱)

(۱) مقالات سیرت: مقالہ دوئم

دوسرا مرحلہ: صلح

- ...... سلاطین کو مکتوباتِ نبوی
- ...... یہود کی سازشوں کا خاتمہ
- ...... عرب کی شرارتوں کا سدِّ باب

دوسرا مرحلہ: صلح

اس مرحلہ میں سازشوں کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا۔ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے یا تو ختم ہو گئے یا اسلام میں داخل ہو چکے تھے یا ان سے صلح ہو چکی تھی۔ اس مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کامل اتباع اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کے سامنے اپنے جذبات کی قربانی جبکہ پر امن حالات میں کاہلی سستی اور بے خبری کی بجائے اپنے مشن کو تیز کرنے کا درس ایک اہم سبق ہے اور اسلامی فکر کا ماخذ ہے۔

درس نمبر: ۲۷

سلاطین کے نام مکتوباتِ نبوی

ذی الحجہ ۶ھ:

صلح حدیبیہ کے بعد خطرات کچھ کم ہوئے، جزیرۃ العرب میں امن کی فضا قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حق کی اس دعوت کو جزیرۃ العرب سے باہر پھیلانے اور وسعت دینے کیلئے نیا انداز اختیار کیا اور وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور اس کام کے لیے جن حضرات کا بطور سفیر انتخاب کیا، انہوں نے کسی کے رعب و دبدبے میں آئے بغیر بلا خوف و خطر، پوری بصیرت کے ساتھ یہ کام سر انجام دیا، بادشاہوں کی طرف سے ان خطوط کا جواب مختلف انداز میں آیا، بعض نے اس دعوت کو قبول کیا، بعض نے نہیں کیا، جنہوں نے قبول نہیں کیا ان میں بعض نے سفیروں کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا اور بعض نے توہین آمیز سلوک کیا۔ نقشہ ملاحظہ ہو

بادشاہ	ملک	سفیر	نتیجہ
نجاشی	حبشہ	عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	قبولِ اسلام
ہرقل، قیصر	روم	دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	اکرام کا معاملہ
خسرو پرویز	فارس	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	توہین کا معاملہ
مقوقس	مصر	حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اکرام کا معاملہ
حارث ابن ابی شمر	دمشق	شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ	توہین کا معاملہ
ہوذہ بن علی	یمامہ	سُلیط بن عمر رضی اللہ عنہ	اکرام کا معاملہ
منذر بن عمر	بحرین	علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ کا خط لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے "بسم اللہ" لکھتے اس کے بعد "مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ إِلٰى فُلَانٍ" پھر لکھتے: "اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى" اس کے بعد مکتوب الیہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے۔

(۱)......شاہِ حبشہ نجاشی:

جب رسول اللہ ﷺ کے سفیر نجاشی کے دربار میں پہنچے اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا خط دیا تو اس نے اس خط کو چوما اور پڑھنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارے کچھ صحابہ آپ کے پاس ہیں ان کو مدینہ بھیج دیجئے۔ اس نے کشتیوں کا انتظام کر کے ان تمام صحابہ کو مدینہ بھجوا دیا۔ جب یہ صحابہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ خیبر کی مہم پر تھے۔ خیبر فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین حبشہ کی آمد پر فرمایا:

"مجھے نہیں معلوم کہ فتح خیبر سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی یا جعفر کی آمد سے"۔

(۲)......قیصر روم ہرقل:

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جب روم پہنچے تو اتفاق سے وہاں کفار کا سردار ابوسفیان بھی آیا ہوا تھا۔ قیصر روم نے اس کو دربار میں بلوایا اور اپنے سامنے کھڑا کیا اور اس کے دیگر ساتھیوں کو اس کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ اور اس سے کہا کہ میں تم سے کچھ سوالات کروں گا تم مجھے ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔

قیصر روم: جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا حسب ونسب کیسا ہے؟

ابوسفیان: اس کا حسب ونسب بہت اونچا ہے۔

قیصر روم: کیا اس سے پہلے اس کے خاندان میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں کیا ہے۔

قیصر روم: کیا اس نے کبھی غلط بیانی کی ہے؟ ابوسفیان: نہیں، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

قیصر روم: کیا اس کے دین میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی واپس بھی ہوتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، جو ایک مرتبہ اس کے دین میں داخل ہو جائے کبھی واپس نہیں ہوتا۔

قیصر روم: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل برحق پیغمبر ہے۔

قیصر روم نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ بھی کیا لیکن اس کے دربار میں ایک شور وغل مچ گیا اور درباری اُٹھ کر جانے لگے۔ اس نے فوراً انداز بدلا اور کہا کہ میں تو تمہارا امتحان لے رہا تھا تم لوگ واقعی اپنے دین پر پکے ہو یا نہیں؟ اور اس نے اسلام قبول کیا نہیں البتہ سفیر کا اکرام کیا۔

(۳) شاہِ فارس خسرو پرویز:

"خسرو پرویز" کے پاس جب رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچا تو وہ سخت غصے اور طیش میں آ گیا اور خط کو پھاڑ کر پھینک دیا اور اپنے یمن کے گورنر "باذان" کو حکم دیا کہ (نعوذ باللہ) جناب رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر کے میرے حوالے کرو! اس نے اپنے دو سپاہی رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیئے۔ یہ سپاہی رسول اللہ ﷺ کے پاس رات کے وقت پہنچے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ ابھی تم لوگ آرام کرو! صبح کو بات کریں گے۔ صبح کو جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "کسریٰ" تو رات کو قتل ہو گیا ہے، دوسری کوئی بات کرو! وہ اس بات سے حیران ہوئے اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم جا کر اس بات کی تصدیق کر لو! وہ لوگ واپس باذان کے پاس آئے۔ اس کے پاس بھی ابھی تک کوئی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اطلاع آ گئی کہ کسریٰ کو رات کے وقت اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے، باذان اس واقعہ سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔

(۴) شاہِ مصر مقوقس:

"مَقُوقَس" کے دربار میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر گئے تھے، اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن اکرام کا معاملہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو باندیاں بھیجیں، ایک کا نام "مَارِیَہ قِبطِیَّہ" اور دوسری کا نام "شِیرِین" تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا جن کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے۔ (۱)

مختلف سلاطین کے نام آپ ﷺ کے نامہ مبارک

(۱) السیرۃ النبویۃ للصلابی ۲/ ۳۵۸ تا ۳۶۴

درس نمبر: ۴۳

سنہ ۷ھ

یہود کی سازشوں کا خاتمہ

صلح حدیبیہ کے واقعہ کے بعد کفار مکہ کا جوش کچھ ٹھنڈا ہو گیا اور ان کی طرف سے اطمینان حاصل ہو گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ یہود کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی سازشوں کا خاتمہ فرمایا۔

غزوہ خیبر محرم ۷ھ:

خیبر کا علاقہ مدینہ سے شمال میں ہے اور یہ یہود کی سازشوں کا ایک بڑا مرکز تھا۔ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے لیکن کسی کو اطلاع نہیں دی۔ خیبر کی طرف روانگی سے قبل "فدک" اور "نجد" کی طرف کچھ صحابہ کو روانہ فرما دیا تاکہ وہاں سے کوئی مزاحمت نہ ہو۔ اور خود ایسے راستے سے چلے جو غطفان اور خیبر کے درمیان پڑتا تھا تاکہ وہ لوگ ان کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ بنو غطفان روانہ بھی ہوئے لیکن اپنے پیچھے کچھ شور کی آوازیں سنیں جس سے ان کو اپنے علاقے اور بچوں کے بارے میں خطرہ پیدا ہوا اس لئے وہ وہیں سے واپس ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد تھی۔ رات کے وقت خیبر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کے وقت کاروائی شروع کرتے تھے۔ اس لئے صبح کا انتظار کیا۔ فجر کی نماز کے بعد خیبر کے قلعہ کی طرف بڑھے۔ صبح کے وقت یہودی اپنے سازو سامان کے ساتھ کام کاج کے لیے نکل رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے لشکر کے ساتھ موجود پایا۔ چیخنے چلانے لگے۔ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ وَاللّٰہ۔ خدا کی قسم محمد پانچ حصوں پر مشتمل لشکر لیکر پہنچ چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

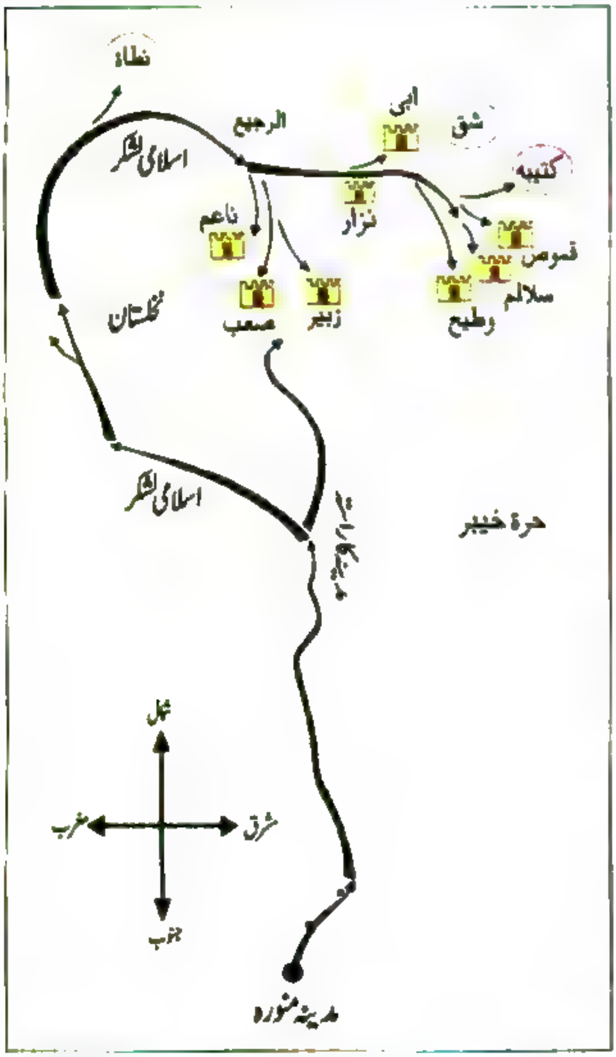

خیبر کی جانب آپ ﷺ کی پیش قدمی اور اسکے قلعے

فرمایا کہ اللہ اکبر! اِنَّآ اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ

خیبر کے اندر تین مختلف حصوں میں ان کے آٹھ قلعے بنے ہوئے تھے:

۱ نَطَاۃ: اس میں تین قلعے تھے: ۱۔ نَاعِم ۲۔ صَعَب ۳۔ زُبَیر

۲ شَق: اس میں دو قلعے تھے: ۱۔ نَزَار ۲۔ اُبَی

۳ کَتِیبَہ: اس میں بھی ان کے تین قلعے تھے: ۱۔ قَمُوص ۲۔ وَطِیح ۳۔ سَلَالِم

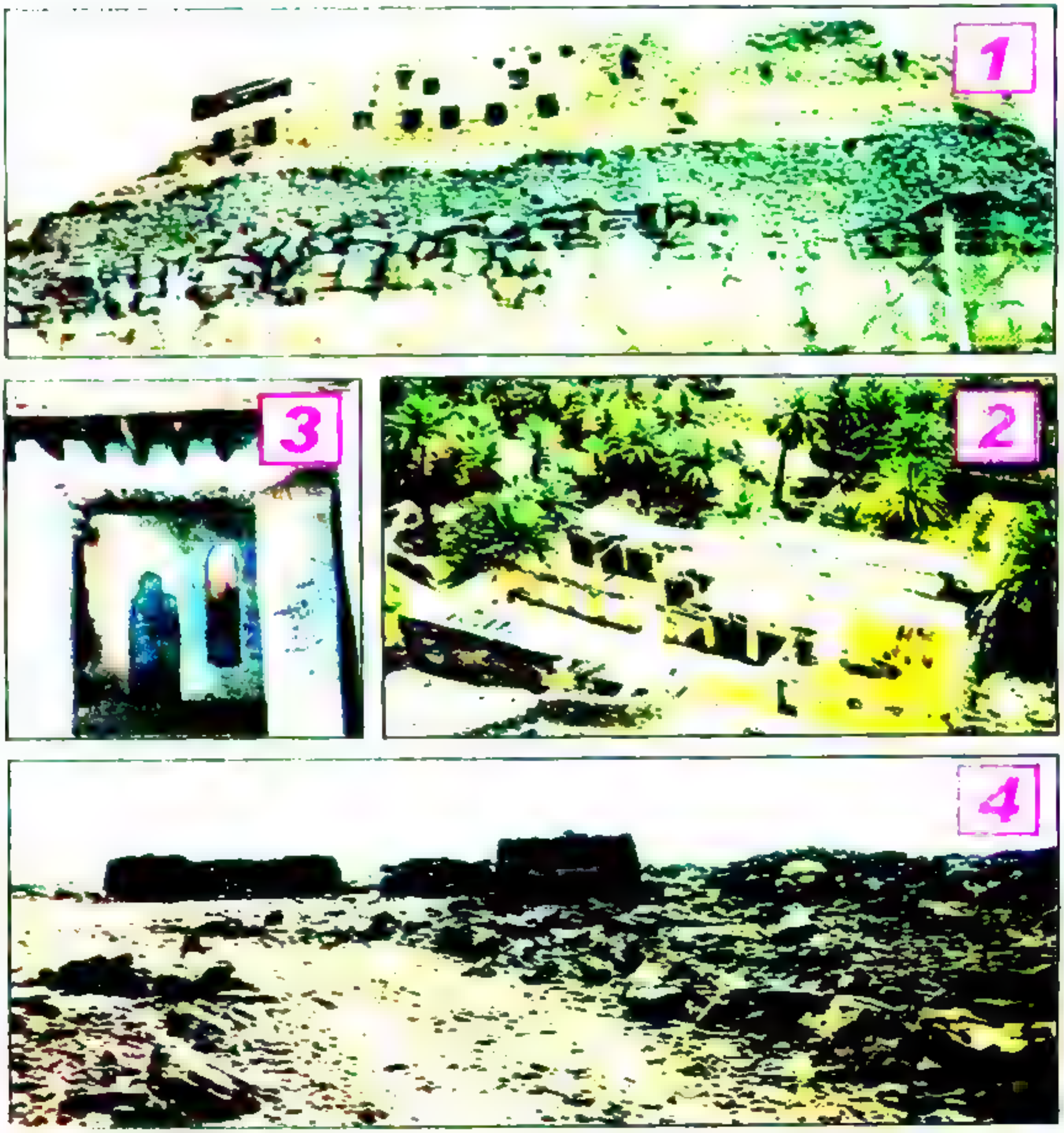

خیبر کے قلعوں کے [illegible]

یہ لوگ اپنے قلعوں میں چھپ گئے اور مسلمانوں نے محاصرہ کرلیا. جنگ شروع ہوگئی. مسلمان ان قلعوں کو یکے بعد دیگر فتح کرتے چلے گئے اور یہود ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ میں منتقل ہوتے رہے. سب سے پہلے "ناعِم" نامی قلعہ فتح ہوا. اس کے فتح کرنے میں بڑی مشکل پیش آئی. آخر جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا گیا. مَرْحَب سے ان کی لڑائی ہوئی جو بڑے غرور سے للکارتا ہوا نکلا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کردیا. یکے بعد دیگرے قلعوں کو فتح کرتے ہوئے بالآخر ان کے تمام قلعوں کو فتح کرلیا اور یوں سازشوں کے ایک بڑے مرکز کا خاتمہ ہوگیا. البتہ ایک معاہدے کے تحت یہود کو خیبر ہی میں رہنے دیا گیا۔

یہودِ خیبر سے معاہدہ کے نکات:

(۱)...... یہود آئندہ قلعوں میں سکونت اختیار نہیں کریں گے۔

(۲)...... اپنا تمام جنگی ساز و سامان مسلمانوں کے حوالے کردیں گے۔

(۳)...... تمام مدفون شدہ خزانے اسلامی حکومت کے حوالے کردیں گے۔

(۴)...... معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں بخشا گیا تمام سامان واپس لے لیا جائے گا۔

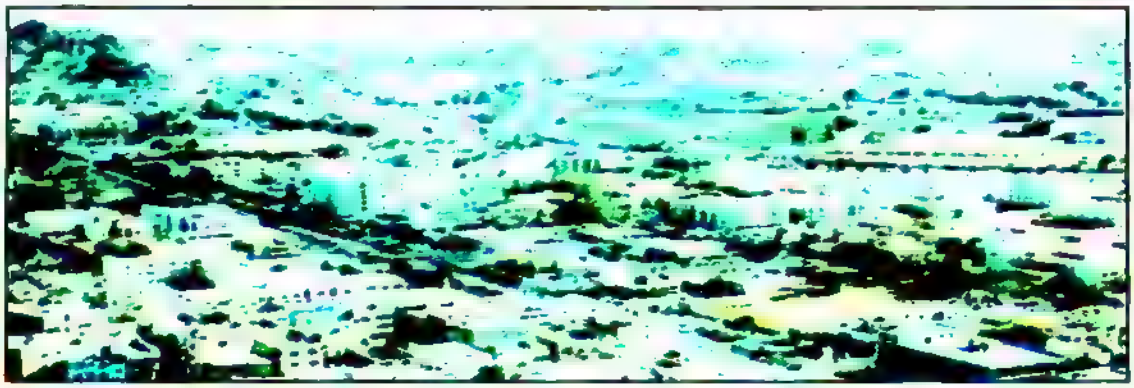

باب خیبر اور جدید شہر خیبر کا ایک منظر

خیبر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے وادی القراء، فدک اور تیماء کے علاقوں کو فتح کیا۔ اس طرح یہ پورا علاقہ جو جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک گڑھ تھا مکمل طور پر اسلامی حکومت کے زیرِ نگین آ گیا۔ (۱)

کچھ واقعات:

اسی غزوے میں حضرت صفیہ قید ہوئیں۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خرید کر آزاد کر لیا اور اپنے نکاح میں لے لیا۔ مدینہ کی طرف لوٹتے ہوئے راستے میں دعوت ولیمہ ہوئی اور جو کچھ حاضر تھا وہ پیش کر دیا گیا۔

اسی غزوہ میں ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کی دعوت کی اور بکری کے گوشت میں زہر ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے لقمہ منہ میں ڈال کر واپس کر دیا اور فرمایا اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ ایک صحابی بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ لقمہ لے چکے تھے۔ اس لئے زہر کے سبب ان کی موت واقع ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو قصاص میں قتل کروا دیا۔

درس نمبر: ۲۴

عرب کی شرارتوں کا سدِ باب

عرب کے مشرق میں کچھ جنگجو قبائل آباد تھے جو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف شرارتوں میں مصروف رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود اور کفارِ مکہ سے نمٹنے کے بعد اب ان کی خبر لینے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں کچھ غزوات اور سرایا پیش آئے:

سریۂ ابان بن سعید، محرم ۷ ھ:

حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف کچھ جنگجو قبائل کی طرف بھیجا۔ (۲)

مدینہ منورہ کے مشرق میں نجد کا علاقہ جہاں قبائل عرب اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے

(۱) البدایہ والنہایہ ۴/ ۲۲۹ تا ۲۳۳، سیرت ابن ہشام ۳/ ۳۵۷ (۲) سیرت سید الانام ۳/ ۳۱۳

غزوہ ذات الرقاع، ربیع الاول:

آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ نجد کی جانب کچھ قبائل مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ سات سو صحابہ کرام کا لشکر لے کر بلاد نجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر مقام نخل پہنچ کر بنو غطفان کی جماعت سے سامنا ہوا لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ اسی غزوہ میں اس قدر خوفناک حالات تھے کہ نماز کا جب وقت آیا تو صلوۃ الخوف پڑھی گئی جس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے سنگین حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نماز کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں۔ (۱)

اس غزوہ سے عرب کے جنگجو اور شریر قبائل خوف زدہ اور مرعوب ہو گئے اور اس کے بعد سر اٹھانے کی جرأت نہ کی۔ کمزور اور مایوس ہو کر بالآخر اسلام قبول کر لیا۔

درس نمبر: ۷۵

واقعات

عمرۃ القضاء، ذی قعدہ ۷ ھ:

صلح حدیبیہ میں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال تین دن کے لیے آئیں لہٰذا جب ۷ ھ میں ذی قعدہ کا چاند نظر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کی ادائیگی کا اعلان فرمایا۔ کچھ صحابہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ باقی صحابہ اور کچھ نئے صحابہ رضی اللہ عنہم مل کر تقریباً دو ہزار افراد آپ کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر سب نے احرام باندھا

عمرۃ القضاء کے لئے آپ ﷺ کا سفر، ذوالحلیفہ جہاں آپ ﷺ نے احرام باندھا

اور مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلے پر چند مسلح صحابہ کو بٹھا دیا گیا تاکہ اگر مکہ والے کوئی گڑبڑ کریں تو ان کو جواب دیا جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ مکہ والے دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ ان کو یثرب کے بخار نے لاغر کر دیا۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے سے داخل ہوئے اور عمرہ ادا فرمایا۔ اس کو عُمْرَةُ الْقَضَا عُمْرَةُ الصُّلْح اور عُمْرَةُ الْقِصَاص بھی کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے والے صحابہ جب عمرے کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو حفاظت کے پیش نظر مکہ سے باہر ٹھہرے تھے طلب کر لیا گیا اور انہوں نے بھی عمرہ ادا کیا۔ (۱)

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح ذی قعدہ ۷ھ

حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں۔ بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کی بہن لبابہ بنت حارث حضرت عباس کے نکاح میں تھیں۔ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اختیار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم کے عوض ان کا عقد رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔ یہ آخری ام المومنین ہیں۔ مقام سرف پر ان کی رخصتی ہوئی۔ سرف ہی کے مقام پر ان کا انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہیں۔ (۲)

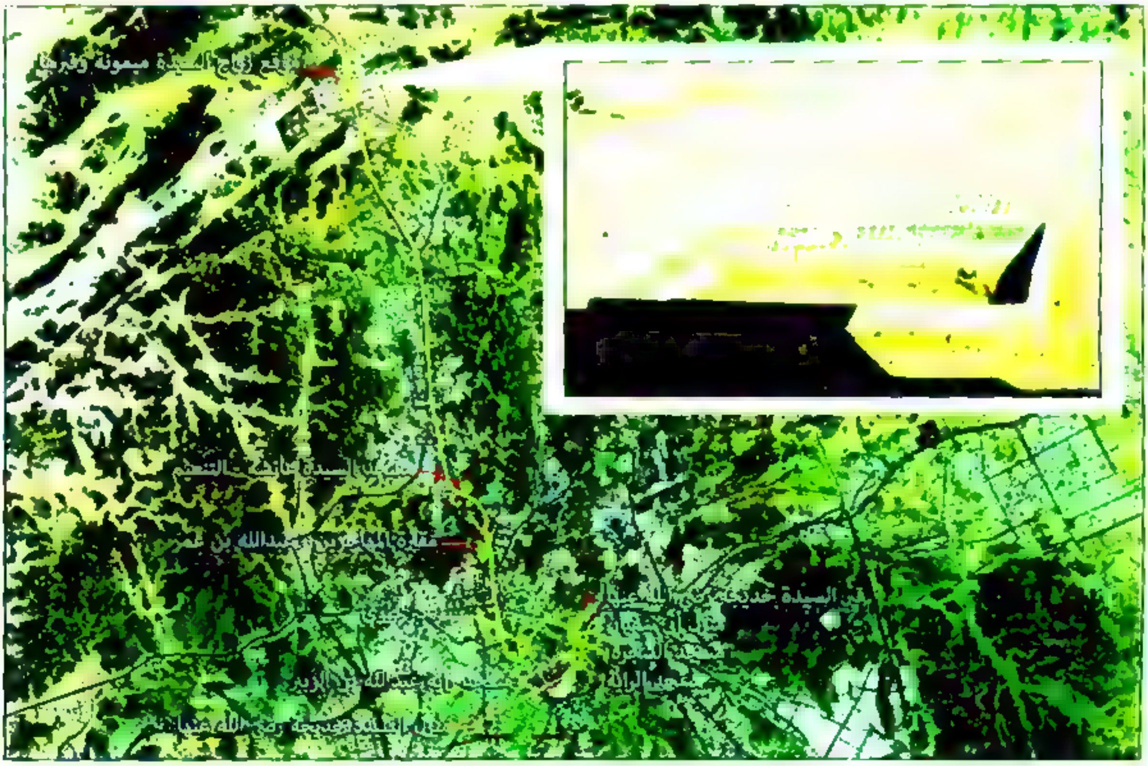

مقام سرف جہاں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ہوا اور یہیں ان کی تدفین ہوئی۔ چھوٹی تصویر میں ان کی قبر نظر آ رہی ہے

(۱) عیون الاثر ۲: ۲۰۳، ... (۲) سیرت ابن ہشام ...

درس نمبر: ۷۶

۸ھ

واقعات

مکہ کے جگر گوشوں کا قبول اسلام صفر ۸ھ :

عمرہ سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ ان کے بھائی مسلمان ہو چکے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے تشریف لائے تو یہ مکہ سے باہر جا کر ایک جگہ چھپ گئے کہ موقع پا کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں گے، وہ یہ بات جان چکے تھے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، ان کے ساتھ کوئی غیبی طاقت ہے اور اب اسلام ہی غالب ہو کر رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کر کے واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور خالد بن ولید کے نام ایک خط چھوڑ گئے، ان کے بھائی نے ان کو وہ خط دیا۔ انہوں نے اس خط کو پڑھا اس میں لکھا تھا:

"خالد! تمہاری عقل سے بہت بعید ہے کہ تم اسلام میں نہ آؤ، کیا ابھی تک تمہیں اسلام سمجھ میں نہیں آیا"۔

ان کے بھائی نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بار بار آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ خالد کہاں ہے؟ انہوں جب یہ سنا تو ان کو بہت عجیب معلوم ہوا کہ میں نے ہر موقع پر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور ہر محاذ پر مسلمانوں کے خلاف جرنیل کی حیثیت سے مقابلہ کیا، خصوصاً غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا اور رسول اللہ ﷺ اس کے باوجود پوچھ رہے ہیں کہ خالد کہاں ہے؟ ان کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا، وہ عثمان بن طلحہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے کے لیے روانہ ہوئے، کچھ فاصلے پر ان کی ملاقات عمرو بن العاص کے ساتھ ہوئی، وہ بھی ان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے، اس طرح کفار کے یہ تین بڑے بڑے لیڈر اور قابل ترین آدمی اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقع پر ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب حضرت عمرو بن العاص بیعت کرنے لگے تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیوں؟ کہنے لگے کہ میں اس شرط پر بیعت کروں گا کہ میرے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عمرو! تم کو معلوم نہیں ہے کہ اسلام لانے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔ (۱)

(۱) السیرۃ النبویۃ للصلابی ۲/ ۲۴۴

درس نمبر: ۷۷

غزوات

اس سے قبل جن غزوات اور سرایا کا بیان ہوا، ان کا تعلق مشرکین مکہ، کفار عرب اور یہود سے تھا، ان تمام مہمات سے جزیرۃ العرب کے اندر موجود باطل کی جو شکلیں تھیں اور ان کی جو سازشیں اور منصوبے تھے ان کا خاتمہ کر دیا گیا اور جزیرۃ العرب میں داخلی طور پر تقریباً امن قائم ہو چکا تھا، حج کے راستے میں رکاوٹوں کا زور ٹوٹ چکا تھا، اب عیسائیت کے خلاف مہم کا آغاز ہوتا ہے۔

غزوہ موتہ۔ جمادی الاولیٰ ۸ ھ:

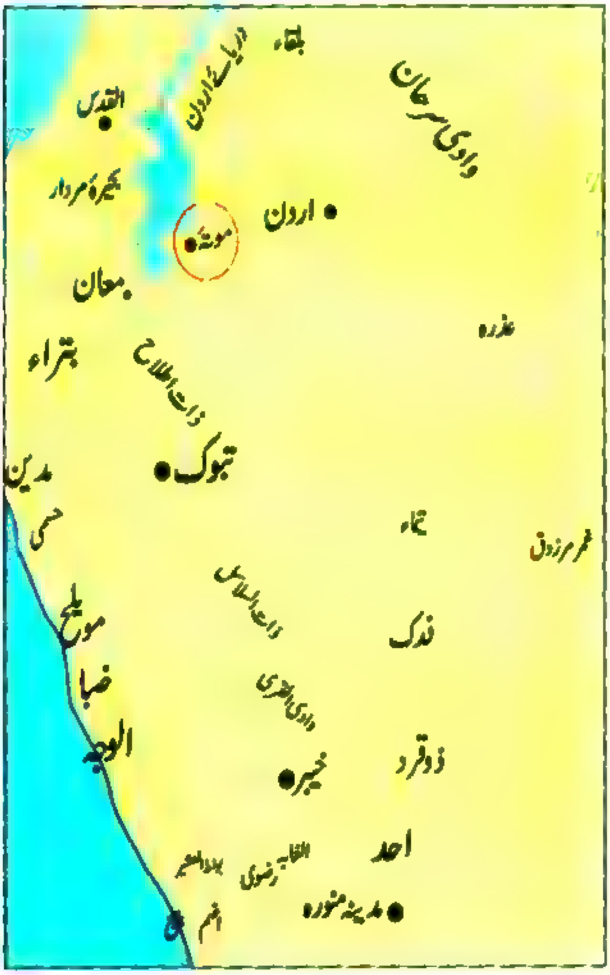

اردن کا وہ مقام جہاں غزوہ موتہ واقع ہوا

مُؤتَہ: اردن میں فلسطین کی سرحد پر ایک علاقہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے سفیر کو غسان کے حاکم نے شہید کر دیا تھا، اس کا بدلہ لینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو گئے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور اگر یہ بھی شہید ہو گئے تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے اور یہ بھی شہید ہو گئے تو تم اپنی مرضی سے اپنا امیر مقرر کر لینا، جب لشکر روانہ ہونے لگا تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے، لوگوں نے کہا کہ عبد اللہ! رونے کی کیا بات ہے؟ اللہ تمہیں صحیح سلامت غازی بنا کر لوٹائے گا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اس وجہ سے نہیں رو رہا کہ میں شہید ہو جاؤں گا، بلکہ میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ میں نے ایک آیت پڑھی ہے "وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا" "تم میں سے ہر ایک کو جہنم میں آنا ہے"۔ میں سوچتا ہوں کہ جہنم سے کیسے چھٹکارا ہوگا؟ لشکر اسلام روانہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ ہدایات دیں:

اُغْزُوْا بِسْمِ اللهِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مَنْ كَفَرَ بِاللهِ. لَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُغَيِّرُوْا. وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا امْرَاَةً وَلَا كَبِيْرًا فَانِيًا وَلَا مُنْعَزِلًا بِصَوْمِعَةٍ وَلَا تَقْطَعُوْا نَخْلًا وَلَا شَجَرَةً وَلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً۔ (۱)

(۱) سیرت حلبیہ ج ۳، ص ۹۶، دار الکتب العلمیہ

"اللہ کا نام لے کر لڑو! اللہ کے راستے میں کافروں سے دھوکہ مت کرو! خیانت مت کرو! بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارو! اپنے عبادت خانے میں جانے والے کو نہ مارو! اور پھل دار درخت کو نہ کاٹو! اور کسی عمارت کو تباہ مت کرو"۔

لشکر "معان" نامی جگہ پر پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر صحابہ کرام کو اطلاع ملی کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ ہے جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ مشورہ ہوا کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی جائے، کیونکہ ان کا تو گمان بھی نہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد ہوگی۔ ابھی یہ بات چیت جاری تھی کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ مسلمانو! ہم تعداد کی بنیاد پر نہیں لڑتے، بلکہ دین حق لے کر چلے ہیں اور ہمارا اللہ کی ذات پر یقین ہے۔ یہ تقریر سن کر سب جوش میں آ گئے اور لشکر "معان" سے نکل کر "موتہ" کے میدان میں اُتر آیا۔

رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھے تھے، اللہ نے موتہ کا میدان آپ کے سامنے کر دیا تھا، آپ وحی سے مسلمانوں کو جنگ کے حالات بتا رہے تھے کہ مسلمانوں کا جھنڈا اب زید بن حارثہ نے اٹھا لیا ہے، وہ شہید ہو گئے اور جھنڈا اب جعفر نے تھام لیا ہے اور ان کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے، انہوں نے دوسرے ہاتھ میں جھنڈا اٹھا لیا ہے، وہ بھی کاٹ دیا گیا ہے، اب انہوں نے سینے پر اٹھا لیا ہے، آخر ان کو شہید کر دیا گیا، ان کے بعد جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے اٹھا لیا ہے اور وہ بھی شہید ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آنکھوں دیکھا یہ سارا منظر مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد جھنڈا صحابی رسول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور کہا کہ مسلمانو! جلدی سے اپنا امیر منتخب

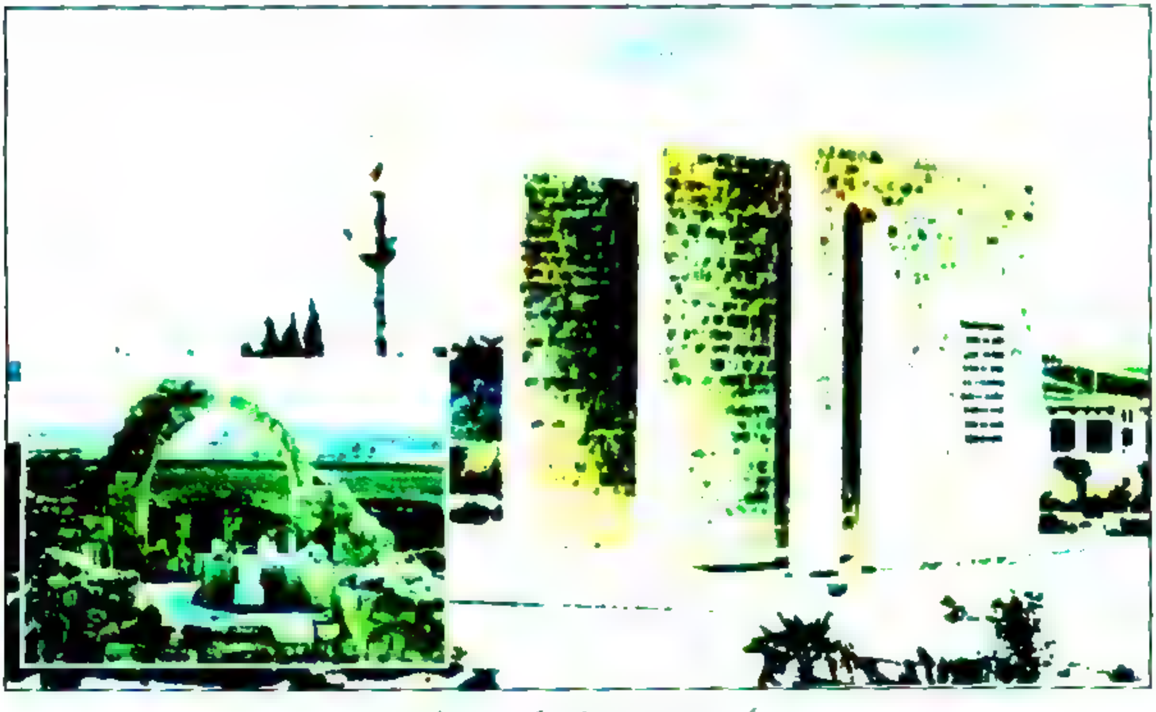

معرکہ موتہ کا میدان جہاں اب شہداء کے نام لکھ دیئے گئے ہیں

کرلو! کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو تین امیر مقرر کئے تھے وہ شہید ہو گئے ہیں، سب نے کہا کہ آپ ہی ہمارے امیر ہیں، لیکن انہوں نے کہا کہ کسی اور کو منتخب کرو! آخر کار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا اٹھالیا ہے، خوب جنگ ہوئی، مسلمانوں کا قلیل لشکر رومیوں کے کثیر لشکر پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن گھمسان کے رن میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگلا دن بہت سخت ہوگا، رومیوں کی تعداد بہت زیادہ اور مسلمان بہت کم ہیں، لہٰذا انہوں نے حکمت عملی کے تحت لشکر اسلام کو از سرِ نو منظم کیا، اور آگے والوں کو پیچھے، پیچھے والوں کو آگے، دائیں والوں کو بائیں، بائیں والوں کو دائیں صفوں میں لا کھڑا کیا، اگلے دن معرکہ شروع ہوا تو رومیوں کو نئے نئے چہرے نظر آنے لگے، وہ گھبرا گئے کہ شاید مسلمانوں کے تازہ دم دستے آپہنچے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی چال کے تحت لشکر کو پیچھے کی جانب لانے لگے، رومی سمجھے کہ یہ ہمیں کسی وادی میں گھیر کر برے طریقے سے مارنا چاہتے ہیں، وہ ڈر گئے اور اپنی جگہ پر رک گئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو صحیح سلامت بچا کر واپس لے آئے، اس پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بھی کہا کہ "اَنْتُمُ الْفَرَّارُوْنَ" لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ" تم واپس پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو، غزوہ موتہ سے روم کا دروازہ کھلا اور اسلامی حکومت روم تک پھیل گئی۔ (۱)

سریہ ذات السلاسل، جمادی الاولیٰ:

جب رسول اللہ ﷺ موتہ کی جانب لشکر روانہ کر رہے تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ "مَشَارِف" کے علاقے میں کچھ عرب قبائل ہیں جو رومیوں کا ساتھ دے سکتے ہیں، اس لئے آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ذات السلاسل کی جانب ایک دستہ روانہ کیا، بعد میں ان کی مدد کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک جماعت بھیجی جس میں حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے، ان حضرات نے ایک بڑے خطرے کو دور کر دیا۔ (۲)

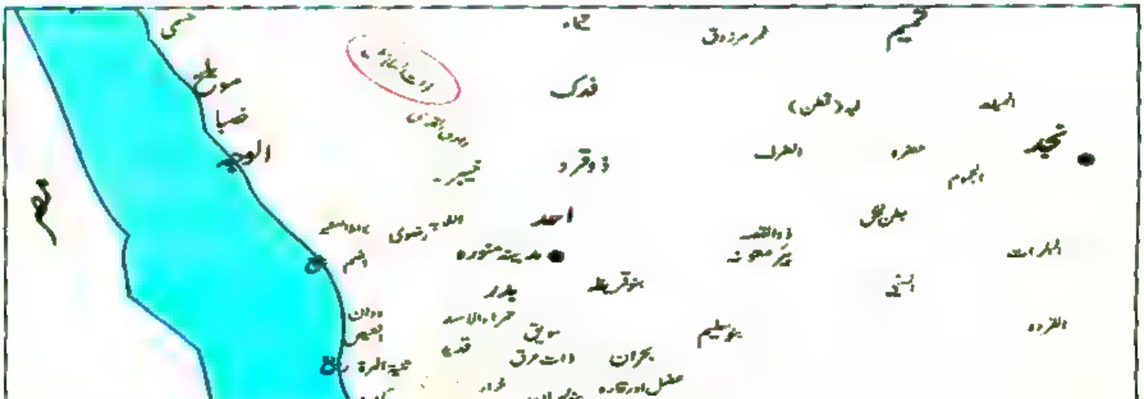

سریہ ذات السلاسل کا محل وقوع

درس نمبر:۸۰

فتح مکہ، رمضان ۸ھ :

صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ تھی کہ قبائل عرب کو مسلمانوں کا یا قریش کا حلیف بننے کا اختیار ہوگا چنانچہ اسی شق کے نتیجے میں بَنُوْ خُزَاعَۃ مسلمانوں کا اور بَنُوْ بَکْرْ کفار مکہ کا حلیف بن گیا۔ اور یہ امر طے پایا کہ ہر طرح جنگ بندی ہوگی اور ہر ایک دوسرے سے پر امن ہوگا۔ بنو بکر نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور پرانی دشمنی کا بدلہ اتارتے ہوئے بنو خزاعہ کے لوگوں پر شب خون مارا، رات کا وقت تھا، وہ لوگ ایک چشمے کے کنارے غافل سو رہے تھے بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے حرم میں گھس کر ان کو قتل کر ڈالا اور کفار مکہ نے ان کا ساتھ دیا۔ بنو خزاعہ نے مدینہ میں آپ ﷺ کو اس ظلم کی اطلاع دی اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ کے اس معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی گئی ہے اور حرم میں ہمارا خون بہایا گیا ہے۔ آپ ہماری مدد کریں، یہ سن کر غصے سے آپ ﷺ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا کہ ضرور تمہاری مدد کی جائے گی۔ پھر آپ نے مکہ والوں کو تین باتوں کا اختیار دیا:

۱۔ خون بہا ادا کرو ۲۔ قبیلہ بنو بکر سے تعلق توڑ دو ۳۔ معاہدہ ختم کرو

کفار مکہ نے تیسری شق کو اختیار کیا۔ بعد میں انہیں اپنے اس فیصلے پر ندامت ہوئی تو ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا۔ ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچا، اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا، جب رسول اللہ ﷺ کی چارپائی پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے پوچھا بیٹی! بستر کیوں لپیٹا؟ میں اس کے قابل نہیں یا یہ میرے قابل نہیں؟ بیٹی نے جواب دیا: "آپ اس کے قابل نہیں اس لئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا پاک بستر ہے اور آپ مشرک ہیں" ابوسفیان نے کہا: "خدا کی قسم! مجھ سے جدا ہونے کے بعد آپ کے اخلاق وہ نہیں رہے" بیٹی نے جواب دیا: "نہیں بلکہ اللہ نے مجھے ایمان کا نور عطا کیا ہے"۔

پھر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ سے گفتگو کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا میں تمہارے لیے سفارش کروں گا، خدا کی قسم! اگر مجھے لکڑی کا ایک ٹکڑا بھی میسر ہو تو میں اس کے ذریعے تمہارے ساتھ جہاد کروں گا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما بھی وہیں موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک بات کا عزم کر لیا ہے، ہم تمہارے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ ابوسفیان نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، فاطمہ! آپ ایسا کریں کہ اس بچے کو بھیج دیں کہ یہ لوگوں میں امان کا اعلان کر دے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، نہیں، رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ جب ابوسفیان ہر طرف سے

مایوس ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: تم خلاصی کا کوئی راستہ بتا دو! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے لئے کوئی چیز بھی فائدہ مند نہیں دیکھتا البتہ تم مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر سب لوگوں کے سامنے امان کا اعلان کر دو اور واپس لوٹ جاؤ! ابوسفیان نے اسی طرح کیا اور اپنی سواری پر بیٹھ کر واپس لوٹ گیا۔ ابوسفیان جب قریش کے پاس پہنچا تو قریش نے حال دریافت کیا۔ ابوسفیان نے کہا۔ میں محمد (ﷺ) ابوبکر اور عمر کے پاس گیا لیکن ناامید ہوا، پھر میں علی کے پاس گیا تو اس نے مجھے ایک رائے دی، میں اس پر عمل کر کے واپس لوٹا ہوں، قریش نے کہا: کیا محمد (ﷺ) نے تیری امان کی تائید کی؟ اس نے جواب دیا: نہیں تو قریش نے کہا، تیرے لئے ہلاکت ہو، علی نے محض تیرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی قسم! اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ (۱)

ابوسفیان کے لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیدیا۔ اور یہ تاکید فرمائی کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ دی جائے کہ ہم مکہ کی طرف جا رہے ہیں بلکہ معاملے کو بالکل پوشیدہ رکھا جائے۔ اسی دوران ایک صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مکہ والوں کو ایک خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف آ رہے ہیں اور یہ خط مخفی طور پر ایک عورت کے حوالے کر دیا اور اجرت دے کر اسے مکہ روانہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی، آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور فرمایا: جاؤ رَوْضَةُ خَاخٍ میں تمہیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہو گا وہ اس سے لے آو! یہ تینوں وہاں پہنچے اور اس عورت کو پکڑ لیا، اس کی تلاشی لی لیکن خط کہیں نہ ملا صحابہ نے اس عورت سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ خط تمہارے ہی پاس ہے، تم شرافت سے وہ خط ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تلاشی کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں، وہ عورت گھبرا گئی اور اپنے بالوں سے وہ خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا، اس خط کا مضمون یہ تھا:

"اے قریشیو! یقیناً محمد ﷺ تمہاری طرف ایک ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو رات کی مانند ہو گا اور سیلاب کی طرح بہ رہا ہو گا، خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ تنہا بھی تمہاری طرف آئے تو اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا اور ان کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے گا، پس تم اب اپنے انجام کو سوچ لو! والسلام۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور معاملہ دریافت کیا، حضرت حاطب نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں، میں منافق نہیں ہوا ہوں، اصل بات یہ ہے کہ میرا اہل و عیال مکہ میں ہے اور وہاں میرا کوئی قرابت دار نہیں جو ان کا حامی و مددگار ہو، ان مہاجرین کے قرابت دار وہاں موجود ہیں، اس وجہ سے ان کے اہل کو کوئی اندیشہ نہیں، میں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کروں تاکہ میرے اہل و عیال محفوظ رہیں، خدا کی قسم! میں بالکل پکا

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۳ تلخیصا، عیون الاثر ۲ / ۲۱۱ تا ۲۲۳

مسلمان ہوں"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حاطب سچ کہتا ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! یہ منافق ہوگیا ہے، اسے میرے حوالے کردیں تاکہ میں اس کی گردن اڑادوں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حاطب بدری صحابی ہے اور اللہ نے بدر والوں کی تمام غلطیاں معاف کردی ہیں"۔ (۱)

مدینہ منورہ سے روانگی:

دس رمضان کو مقام ذوالحلیفہ سے لشکر روانہ ہوا۔ جحفہ کے مقام پر پہنچا۔ یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اہل وعیال کو مدینہ بھیج دیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوگئے۔ (۲) لشکر مقام "گدید" پہنچا یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کیا اور صحابہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں روزہ افطار کر دیا۔ (۳)

درس نمبر: ۹۷

مرالظہران میں پڑاؤ:

لشکر "مَرُّ الظَّهْرَان" پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت عملی کے طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ اپنے لیے آگ روشن کرے۔ اس طرح مکہ کے گرد دس ہزار شعلے بلند ہوئے۔ اس ناگہاں اور اچانک خطرے کو اپنے پڑوس میں دیکھ کر اہل مکہ گھبرا گئے اور ان کا اجلاس شروع ہوا لیکن اس میں دو آدمیوں کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کی جو اب اسلام کی صف میں شامل ہو چکے تھے۔ کفار نے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ تو طے پایا کہ

اسلامی لشکر کا راستہ اور پڑاؤ کی جگہ مرالظہران جہاں آج مسجد جموم واقع ہے۔

(۱) صحیح بخاری باب غزوۃ الفتح (۲) سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۸۵ ملخصاً (۳) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۳

ابوسفیان، بدیل بن ورقہ اور حکیم بن حزام جائزہ لینے جائیں، یہ تینوں وہاں پہنچے تو ابوسفیان نے پوچھا یہ آگ کیسی ہے؟ بدیل نے کہا: خزاعہ کی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: خزاعہ کی تعداد قلیل ہے، یہ وہ نہیں۔

ابوسفیان کی گرفتاری:

ان میں آپس میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پہریداروں نے انہیں گرفتار کرلیا، انہوں نے پہریداروں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے، اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خچر پر سوار گشت کرتے ہوئے اس طرف آنکلے، ابوسفیان کی آواز سن کر فرمایا، ابوسفیان! یہ رسول اللہ ﷺ کا لشکر ہے، تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ سے امن طلب کرلو! ابوسفیان نے کہا اب رہائی کی کیا صورت ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو خچر پر سوار کرلیا تاکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے لیے امان حاصل کرسکیں، راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر آواز لگائی: "ابوسفیان! اللہ اور اس کے رسول کا دشمن"۔ اور اس کے پیچھے دوڑے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے، اجازت دیں کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں! حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے پناہ دی ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ابھی اسے لے جاؤ اور صبح لے کر آنا"۔ صبح کو ابوسفیان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تمام لشکر اٹھ کر تیاری میں مصروف ہے اور خاصی چہل پہل ہے، ابوسفیان کو حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی موت کا واقعہ یاد آگیا اور وہ سمجھا کہ آج مجھے بھی ان کی طرح سولی پر چڑھا دیا جائے گا، گھبرا کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ابوالفضل! (حضرت عباس کی کنیت ہے) یہ کس چیز کی تیاری ہو رہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز فجر کی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، ابوسفیان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دس ہزار کے لشکر کو ایک ساتھ رکوع میں جاتے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا رہا، اس ایمان افروز منظر کا ابوسفیان کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا۔

ابوسفیان دربار نبوت میں:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: افسوس! ابوسفیان اب تک توحید تمہاری سمجھ میں نہیں آئی؟ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نہایت حلیم ہیں، واقعی ہمارے بتوں نے ہمارا کچھ ساتھ نہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا اب وہ وقت نہیں کہ تو مجھے اللہ کا بھیجا ہوا رسول مان لے، ابوسفیان نے کہا: مجھے اس میں ذرا تردد ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی سمجھایا، آخر ابوسفیان مطمئن ہو کر مشرف با اسلام ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ابوسفیان کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ! تاکہ وہ مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ سکے۔ ابوسفیان نے جب اسلامی لشکر کے اس منظر کو دیکھا تو بول اٹھا: اے ابوالفضل! تمہارے بھتیجے کی تو بڑی بادشاہت ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ شانِ نبوت ہے بادشاہت نہیں۔ (۱)

درس نمبر: ۸۰

مکہ مکرمہ میں داخلہ:

لشکر اسلام میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ حضرت سعد نے ابوسفیان کو دیکھ کر جوش میں فرمایا: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَۃ "آج لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ میں قتل حلال ہو جائیگا"۔ رسول اللہ ﷺ جب ابوسفیان کے سامنے سے گزرے تو ابوسفیان نے پوچھا: کیا سعد کو مکہ میں قتل و غارت کا حکم آپ نے دیا ہے؟ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نعرہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یَا اَبَا سُفْیَانَ! اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃِ یُعِزُّ اللہُ فِیْہِ قُرَیْشًا "اے ابوسفیان! آج رحم کرنے کا دن ہے، ایسا دن جس میں اللہ تعالیٰ قریش کو عزت دے گا"۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، گویا جھنڈا اُن کے ہاتھ سے نکلا نہیں لیکن غلطی پر تنبیہ ہوگئی۔ ایک لشکر کی قیادت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان سے فرمایا کہ اعلان کر دو:

"جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے اور جو کعبہ میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان ہے"۔ ابوسفیان نے مکہ میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے امان کا اعلان سنایا۔

مکہ میں داخلے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے کئی حصے بنائے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو "مِسفَلَۃ" کی جانب سے داخل ہونے کا حکم دیا اور فرمایا اگر کسی نے رکاوٹ ڈالی تو تم اس کا مقابلہ کرنا، ورنہ کسی کو کچھ نہ کہنا اور "مُعَلّٰی" سے زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کو داخل ہونے کا حکم دیا۔ مغرب سے انصار کا ایک دستہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں داخل ہوا، شمال سے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور خود رسول اللہ ﷺ مقام کداء کی جانب سے داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے نہایت عاجزی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اُم ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ پہلے ہی شعب ابی طالب میں نصب کر دیا گیا تھا۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ (شعب ابی طالب وہی جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کو تین سال محصور رکھا گیا تھا)

(۱) سیرت احمد مجتبیٰ ج۲ ص۲۸۸ تا ۲۹۴

حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جب مسفلہ کے مقام سے آرہے تھے تو بنو بکر، بنو حارث اور بنو ہذیل گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کر کے ان کو شکست دے دی۔ جس سے کچھ تو قتل ہوئے اور کچھ بھاگ گئے۔ ابو سفیان نے یہ دیکھ کر پکارا: "جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے اور جو اپنا ہاتھ روک لے وہ بھی امان میں ہے"۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقابلے کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ حضرت خالد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "ان قبائل نے مقابلے میں پہل کی تھی" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید اللہ نے اسی میں خیر رکھی ہو۔ (۱)

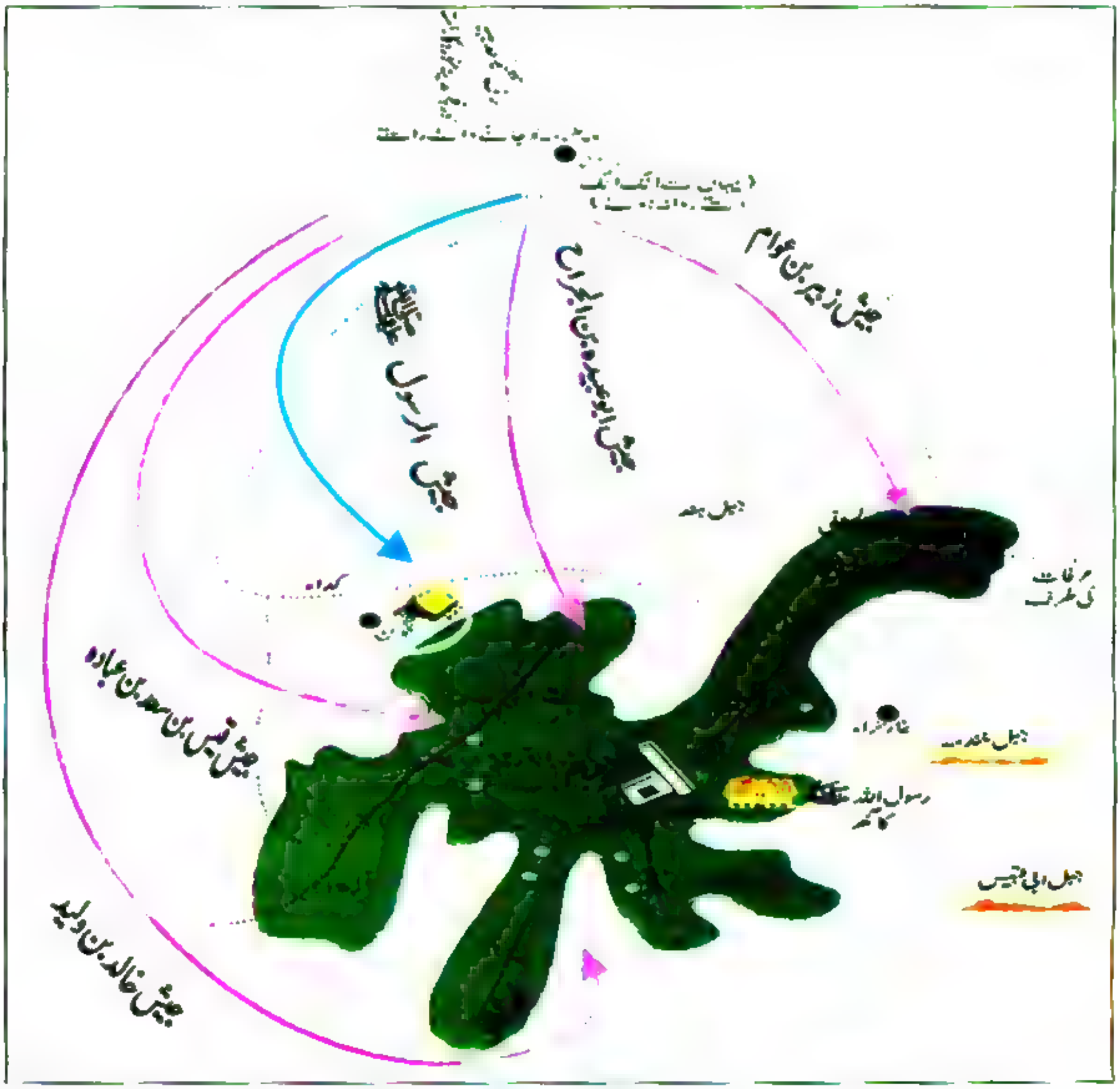

فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر جن مواقع سے داخل ہوئے ان کی وضاحت

(۱) سیرت مصطفیٰ ج ۲ ص ۴۳

رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں:

مکہ فتح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور طواف کیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بتوں کی جانب چھڑی سے اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ اور بت یکے بعد دیگرے گرتے جاتے تھے۔ پھر عثمان ابن ابی طلحہ کو بلا کر ان سے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور کعبہ کھلوایا اور اس میں موجود تصویروں کے مٹانے حکم دیا۔ کعبہ کو آب زمزم سے دھلوایا اور باہر تشریف لائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ مسجد حرام لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔

۲۰ رمضان کو رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلُّ مَأْثَرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدَّعٰى وَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ. يَامَعْشَرِ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعْظِيمَهَا بِالْآبَاءِ. النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ ثُمَّ قَالَ يَامَعْشَرِ قُرَيْشٍ! مَا تَرَوْنَ إِنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ، قَالُوا: خَيْرًا! أَخٌ كَرِيمٌ ابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ. قَالَ: فَإِنِّي أَقُولُ لَكُمْ كَمَا قَالَ يُوسُفُ لِإِخْوَتِهِ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (۱)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور دشمنوں کی تمام جماعتوں کو اس نے تنہا شکست دی۔ آگاہ رہو! دور جاہلیت کے معاملات خواہ جانی ہوں یا مالی ہوں جس کا دعویٰ کیا جا سکے، وہ سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ (سب لغو اور باطل ہیں) مگر بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم کا پانی پلانا، یہ نیک کام حسب معمول برقرار رہیں گی۔ خبردار! جو شخص خطاً قتل کیا جائے کوڑے سے یا لاٹھی سے اس کا خون بہا سو اونٹ ہوں گے۔ جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ اے قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی نخوت اور غرور اور آباء و اجداد پر فخر کرنے کو باطل قرار دیا ہے۔ سب لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو شاخوں اور خاندانوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو! درحقیقت تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس ہو۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے"۔ پھر یہ ارشاد فرمایا: "اے قریشیو! تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟" لوگوں نے کہا: "بھلائی کا۔ آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم پر آج کوئی عتاب اور ملامت نہیں، جاؤ خوش رہو! تم سب آزاد ہو"۔

(۱) سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۹

درس نمبر: ۸۱

فتح کے بعد

دربارِ نبوت کے مؤذن:

خطبے سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ مسجدِ حرام میں بیٹھ گئے اور ظہر کا وقت ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر اذان دیں، سردارانِ قریش یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ یہ وہی بلال ہے جو ابتدائے اسلام میں اسلام کے لئے مکے کی تپتی زمین پر لٹا دیئے جاتے، اوپر سے سینے پر پتھر رکھ دیا جاتا مگر بلال نیچے سے کراہتی ہوئی آواز میں اللہ کی وحدانیت کی صدائیں لگاتے رہتے تھے، آج بلال کعبے کی چھت پر چڑھ کر سب کے سامنے بلند آواز میں توحید کی صدا لگا رہے ہیں، اللہ اکبر! اللہ حالات کو کیسے پلٹا دیتے ہیں۔

جس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دے رہے تھے تو ابو محذورہ چند نوجوانوں کے ساتھ بطورِ مذاق اس کی نقل اُتار رہے تھے آپ ﷺ کو آواز پہنچ گئی، طلب فرمایا، گھبرا گئے کہ شاید سزا ملے گی، آپ نے فرمایا: اذان دو، آپ ﷺ کے سامنے ایمان کے بغیر وہ الفاظ دہرا دیئے، آپ ﷺ نے دراہم کی ایک تھیلی عنایت فرمائی اور ان کے سر، پیشانی اور سینے پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی، ابو محذورہ کا بیان ہے کہ جس وقت آپ نے ہاتھ پھیرا اللہ تعالیٰ نے وہ ساری نفرت یکلخت بدل دی اور ایمان کا نور میرے دل میں داخل ہو گیا، یہی ابو محذورہ ہیں جو وفات تک مکہ میں مسجدِ حرام کے مؤذن رہے، جس طرح مدینے میں حضرت بلال مؤذن تھے۔

انصار کا اندیشہ اور دربارِ نبوت سے تمغہ:

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا کی، انصار کا مجمع جمع تھا، خوشی کے اس موقع پر بعض کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کا شہر مکہ مکرمہ فتح کرا دیا، اب آپ ﷺ یہیں رہ جائیں گے اور مدینہ واپس نہیں جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فوراً بذریعہ وحی اس بارے میں اطلاع دے دی، دعا سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! کیا تم نے یہ بات کی؟'' انہوں نے عرض کیا، جی ہاں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ہوتا، میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہی ہے'' یہ الفاظ سن کر خوشی سے انصار کے آنسو رواں ہو گئے

کوہِ صفا پر بیعتِ عام:

آج صفا کی پہاڑی پر عجیب منظر ہے، ایک وہ وقت تھا جب آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر تنہا کھڑے ہوئے تھے اور اہلِ مکہ کی طرف سے آپ کو برا بھلا کہا جا رہا تھا، آج آپ صفا کی پہاڑی پر بیٹھے ہیں تو ماننے والوں کا تانتا بندھ گیا ہے، اللہ ضرور حق کی

مدد کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ صفا پر بیٹھ گئے اور لوگوں سے بیعت کرنے لگے، رش کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عورتوں کے مجمع میں آپ کی آواز پہنچانے لگے اور ان سے بیعت لینے لگے، مکہ کے گھروں سے بتوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور کتنے عرصے بعد اللہ کے مقدس گھر اور شہر کو اس کی امانت توحید واپس کر دی گئی۔

اشتہاری مجرم:

رسول اللہ ﷺ نے عام معافی کے اعلان کے ساتھ پندرہ آدمیوں کو اشتہاری مجرم قرار دے کر ان کے قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ وَحْشِیْ بِنْ حَرْبٍ ۲۔ هِنْد بِنْتِ عُتْبَهْ ۳۔ کَعْب بِنْ زُهَیْر ۴۔ عِکْرَمَه بِنْ أَبِی جَهْل

۵۔ عبدُاللہ بن سعد ۶۔ هُبَیْرہ بن وَهَبْ ۷۔ هَبَّار بن الأَسْوَد ۸۔ عبداللہ بن زِبِعْرٰی

۹۔ سارہ ۱۰۔ فَرْتَنٰی ۱۱۔ حُوَیرِث بن نُقَیْد ۱۲۔ حارث بن طَلاطِل ۱۳۔ عبدالعُزّٰی بن خَطَل

۱۴۔ قُرَیْبَه ۱۵۔ مَقِیْس بن صَبَابه۔

ان میں سے شروع کے دس افراد نے توبہ کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ آخر تک ان کا اسلام اچھا رہا جبکہ آخر کے پانچ قتل کر دیئے گئے۔

قانون توہین رسالت:

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ افراد جن کے قتل کا حکم کیا گیا تھا ان کا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے اشتہاری مجرم قرار پائے؟

اس بات کا جواب یہ ہے کہ ان کے قتل کا حکم اس لئے ہوا تھا کہ یہ سب گستاخانِ رسول تھے، اور گستاخانِ رسول کی سزا قتل ہے، یہی دین اور عقل سلیم کا فیصلہ ہے۔

توہین رسالت اور قرآن کریم:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (۱)

"جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں۔ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں"

تشریح: اس آیت کریمہ میں ہمیں اہل کتاب سے لڑنے کا حکم کیا گیا یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص علانیہ ہمارے منہ پر نبی کریم ﷺ کو گالی دے، برملا ہمارے رب کو برا بھلا کہے اور ہمارے دین پر طعنہ زنی کا

(۱) سورۃ التوبہ:۲۹

مرتکب ہو تو ایسا شخص ذلیل نہیں، اس لئے کہ صاغر ذلیل اور حقیر کو کہتے ہیں اور جو یہ کام کر رہا ہے وہ متکبر ہے اور ہمیں ذلیل کر رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (۱)

"بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے"

تشریح: اس آیت سے ظاہر ہے کہ اذیت رسول، اذیت الٰہی بھی ہے اور اس کے لئے رسوا کن عذاب کا اعلان ہے۔ دنیا میں خدائے ذوالجلال نے یہ دردناک سزا خود دی جبکہ حکومت الٰہی قائم نہیں ہوئی تھی اور تکمیل دین کا کام ہو رہا تھا اور یہ مکی دور تھا اس لئے یہ سورتیں بھی مکی دور کی ہیں۔ جب خلافت الٰہیہ قائم ہو گئی تو تنقیص، تضحیک، اور اہانت رسول کی سزا اسلامی حکومت میں بطور حد سزائے موت قرار پائی اور تکمیل دین کے بعد ساری امت کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ توہین رسالت کا سد باب کرے۔ (۲)

توہین رسالت اور عقل سلیم:

توہین رسالت اتنا سنگین جرم اس وجہ سے ہے کہ اس کے ساتھ بہت سے حقوق وابستہ ہیں۔

۱۔۔۔۔۔۔ اللہ کا حق وابستہ ہے کہ اس میں اللہ کے انتخاب پر اعتراض ہے۔

۲۔۔۔۔۔۔ اللہ کے دین اور وحی پر طعن ہے۔

۳۔۔۔۔۔۔ رسول کا حق متعلق ہے کہ اس کی ذات کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

۴۔۔۔۔۔۔ پوری زمین پر بسنے والے مؤمنین کا بھی حق ہے۔

ہارون الرشید رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے گستاخ رسول کے بارے میں سوال کیا، امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: مَا بَقَاءُ الْأُمَّةِ بَعْدَ شَتْمِ نَبِيِّهَا یعنی اس امت کی کیا حیثیت رہے گی جس کے پیغمبر کو گالیاں دی جائیں۔

شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانے میں ایک نصرانی نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چھ سو صفحات کی ایک کتاب "اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی شَاتِمِ الرَّسُوْلِ" اس موضوع پر لکھ ڈالی اور دلائل قاطعہ سے گستاخ رسول کا واجب القتل ہونا ثابت کیا۔

(۱) سورۃ الاحزاب: ۵۷ (۲) احکام القرآن قرطبی بحوالہ قانون رسالت ص ۹۹

بت خانوں کی بربادی:

مکہ مکرمہ سے بتوں کی صفائی کے بعد پڑوس میں دیگر بڑے بڑے بت جن کی خدائی کا سکہ چلتا تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاتمے اور ان بت خانوں کی بربادی کا پروگرام بنایا چنانچہ:

۱......حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کے ساتھ "عزّٰی" نامی بت کے توڑنے کے لئے مقام "نَخْلَة" کی طرف روانہ فرمایا۔

۲......حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو "سُوَاع" نامی بت کو گرانے کے لئے "یَنْبُوْع" کی طرف روانہ کیا۔

۳......حضرت سعد ابن زید رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں سمیت "مَنَات" نامی بت کے گرانے کے لئے مقام "مُشَلَّل" کی طرف روانہ کیا۔(۱)

تینوں اپنا اپنا کام پورا کر کے آئے۔ بتوں کے مجاوروں نے روکنے اور ڈرانے کی کوشش کی لیکن جاہلیت کا عقیدہ توحید کے نور کے سامنے اپنا کوئی اثر نہ دکھا سکا اور یہ تینوں حضرات ان بتوں کو توڑ کر اور اس جگہ کو ویران کر کے واپس ہوئے۔ ان میں عزّٰی اور منات کو توڑنے کے بعد وہاں سے پراگندہ شکل میں کچھ خطرناک عورتیں نمودار ہوئیں۔ ان حضرات نے لپک کر ان کے دو ٹکڑے کر دیئے اور چلے آئے۔

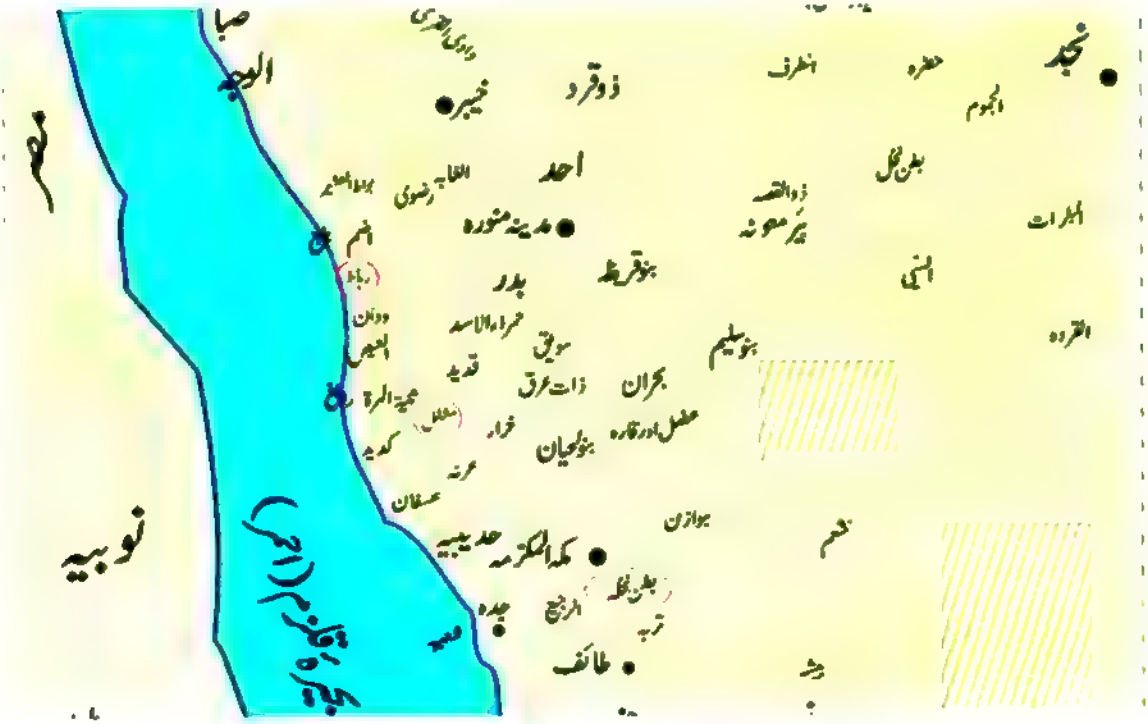

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کو توڑنے کے لئے صحابہ کو روانہ فرمایا ان مقامات کی نشاندہی

(۱) سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۴۷۱ السیرۃ النبویۃ للسیوطی ۲/ ۵۰۹ تا ۵۵۵ عیون الاثر ۲/ ۲۲۳ تا ۲۵۰

تیسرا مرحلہ: فتح

- غزوۂ حنین
- غزوۂ تبوک
- عام الوفود
- حجۃ الوداع
- سفرِ آخرت

تیسرا مرحلہ: فتح کی تکمیل

یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا آخری مرحلہ ہے، اسلام کی حقانیت واضح ہو چکی۔ آپ ﷺ مکہ کو فتح کر چکے جس نے عرب کے سارے شکوک وشبہات ختم کر دیئے کہ مکہ کو باطل فتح نہیں کر سکتا۔ ابرہہ کا قصہ ان کے دماغوں پر گہرے نقوش چھوڑ چکا تھا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ، کفر کے بڑے بڑے سرغنوں کی شکست اور بتانِ باطلہ کی بربادی نے جاہلیت کا پردہ چاک کر دیا تھا۔ اسلام روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا۔ یہ مرحلہ دو حصوں میں تقسیم ہے:

۱۔ کفر کی بقیہ قوتوں کے ساتھ جہادی معرکے۔

۲۔ لوگوں کا فوج در فوج اسلام میں داخلہ۔

یوں طاغوت کی خدائی ختم ہوئی اور اللہ عزوجل کی خدائی ثابت ہوئی۔ اللہ کے آخری رسول جس مشن کی تکمیل کے لئے بھیجے گئے تھے وہ پورا ہو چکا، اللہ کی مدد آ چکی اور لوگ کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام اور توحید کی روشنی میں جوق در جوق داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اپنا مشن پورا کر کے اس دنیا کو الوداع کہہ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

درس نمبر: ۸۲

غزوۂ حنین، ماہ رمضان ۸ ھ:

فتحِ مکہ کے بعد قبیلہ "ھَوَازِنْ" اور "ثَقِیْف" کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ مسلمان اب ان پر حملہ کر دیں گے۔ اس خیال سے انہوں نے مشورہ کیا اور طے پایا کہ مسلمانوں کے حملہ آور ہونے سے قبل ہم ہی ان پر حملہ آور ہو جائیں۔

یہ سوچ کر مالک بن عوف نصری بیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اور اس بات کی تاکید کی کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر روانہ ہو، تاکہ اہل وعیال کی وجہ سے کوئی بھاگ نہ سکے اور ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ قوم کے تجربہ کار اور جہاندیدہ بوڑھے دُرید بن صمہ کو بھی ساتھ لیا تاکہ ضرورت کے وقت اس سے مشورہ لیا جاسکے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم دیا اور ۸ شوال کو اتوار کے دن بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے، جن میں دس ہزار تو وہ صحابہ تھے جو مدینہ سے آئے تھے، دو ہزار مکہ سے شامل ہو گئے۔ جب یہ لشکر روانہ ہوا تو بعض صحابہ کی زبان سے یہ نکلا لَنْ نُّغْلَبَ الْیَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ "آج ہمارے قلیل ہونے کی وجہ سے کوئی ہم پر غالب نہ آسکے گا" یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئے۔

عوف ابن مالک اپنے لشکر کو لے کر حنین کی وادی میں چھپ گیا، اسلامی لشکر جب وہاں پہنچا تو انہوں نے تیروں کی بارش کر دی اور تلواروں سے حملہ کر دیا، اس اچانک حملے کے نتیجے میں اسلامی لشکر بکھر گیا اور صرف چند آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ گئے، جن میں حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عباس بن عبدالمطلب، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام اور ابوسفیان بن حارث رکاب تھامے کھڑے تھے، رسول اللہ ﷺ نے تین بار بلند آواز سے فرمایا:

''اے لوگو! یہاں آؤ! میں اللہ کا رسول محمد بن عبداللہ ہوں!''

اور یہ شعر پڑھا

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

''میں اللہ کا سچا نبی ہوں! اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انصار اور مہاجرین کو آواز دیں، حضرت عباس نے بلند آواز سے صدا لگائی:

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ! یَا اَصْحَابَ السَّمُرَةِ!

''اے انصاریو! اے کیکر کے نیچے بیعت کرنے والو!''

صحابہ رضی اللہ عنہم سمٹ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے لگے اور پھر رسول اللہ ﷺ نے یک بارگی مشرکین پر حملہ کرنے کا حکم فرمایا اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ''ان کے چہرے سیاہ ہوں'' یہ مٹی ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی اور فرشتے آسمان سے نازل ہونے لگے، دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے، مالک بن عوف طائف کی طرف بھاگ گیا اور درید ابن صمہ نے ''اوطاس'' میں جا کر پناہ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں اور غنیمت کو مال جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر طائف روانہ ہو گئے۔

فتح اوطاس:

رسول اللہ ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ اوطاس روانہ کیا انہوں نے جا کر اوطاس والوں کا مقابلہ کیا، درید ابن صمہ حضرت ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن اس میں ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر لگا جس سے وہ شہید ہوئے۔

محاصرۂ طائف:

رسول اللہ ﷺ خود طائف کی طرف روانہ ہوئے اور طائف کا محاصرہ کر لیا، منجنیق نصب کر کے قلعے پر پتھر برسائے، طائف والوں نے تیر اندازوں کو فصیل پر بٹھا دیا اور وہ لشکرِ اسلام پر برابر تیر برساتے رہے، انہوں نے کئی سال کا غلہ پہلے سے قلعے میں

جمع کرلیا تھا۔ جب کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اہل طائف یہ دیکھ کر اللہ کا اور قرابت داری کا واسطہ دینے لگے کہ ہمارے درخت نہ کاٹیں، رسول اللہ ﷺ نے درختوں کو کاٹنے سے منع کر دیا اور یہ اعلان کر دیا: "جو غلام قلعے سے باہر آجائے وہ آزاد ہے" اس اعلان کے بعد بارہ غلام باہر آگئے۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ ایک دودھ کا پیالہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے لایا گیا، مرغ نے آکر اس میں چونچ ماری جس سے وہ گر گیا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس کی تعبیر پوچھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قلعہ ابھی ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا، رسول اللہ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا اور رخصت ہوتے وقت دعا کی:

اللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأْتِ بِهِمْ مُسْلِمِيْنَ

"اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور اسے اسلام کی حالت میں میرے پاس لے آ"

تقسیم غنائم:

طائف سے فارغ ہو کر پانچ ذی قعدہ کو رسول اللہ ﷺ "جِعِرَّانَہ" پہنچے، جہاں حنین سے حاصل شدہ مال غنیمت جمع کیا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے کچھ انتظار کیا کہ ہوسکتا ہے بنو ہوازن اپنے اہل کو چھڑانے آجائیں، جب وہ نہ آئے تو آپ نے مالِ غنیمت کو تقسیم فرما دیا۔ تقسیم کے بعد ہوازن کا وفد حاضر ہوا، اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا مال اور قیدی واپس کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تمہارا انتظار کیا تھا لیکن تم نہیں آئے، اب تو سب کچھ تقسیم ہو چکا ہے، اب تمہاری مرضی ہے قیدیوں کو اختیار کرتے ہو یا مال کو" انہوں نے عرض کیا ہمیں قیدی واپس کر دیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں اپنے حصے کے اور بنو ہاشم و عبد المطلب کے حصے کے قیدی تمہیں دیتا ہوں، باقی مسلمانوں کے حصے کے قیدیوں کی درخواست تم ظہر کی نماز کے بعد مسلمانوں سے ہی کرنا البتہ میں تمہاری سفارش ضرور کروں گا" ظہر کی نماز کے بعد انہوں نے مسلمانوں سے قیدیوں کے بارے میں درخواست کی، پھر رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور ان کی سفارش کی کہ جو دل کی خوشی سے آزاد کرے تو بہتر ہے اور جو آزاد نہ کر سکے وہ ہم سے معاوضہ لے لے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوشی سے چھ ہزار قیدی آزاد کر دیئے۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن "شَیْمَا" بھی انہیں قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئی تھی، صحابہ کرام سے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں، لوگ انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے علامت دریافت کی تو شیما نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ کے دانت سے کاٹنے کی نشانی جو اب تک موجود تھی بتائی، رسول اللہ ﷺ کو اپنا ماضی یاد آیا اور آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے، ان کے لیے چادر بچھائی، پھر آپ نے شیما کو اختیار دیا کہ چاہو تو میرے پاس رہو اور چاہو تو اپنے قبیلے میں لوٹ جاؤ! شیما نے کہا: میں اپنی قوم کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں! اور مسلمان ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو

(۱) سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۸۵

اونٹ، بکریاں، تین غلام اور تین باندیاں دے کر عزت و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔(۱)

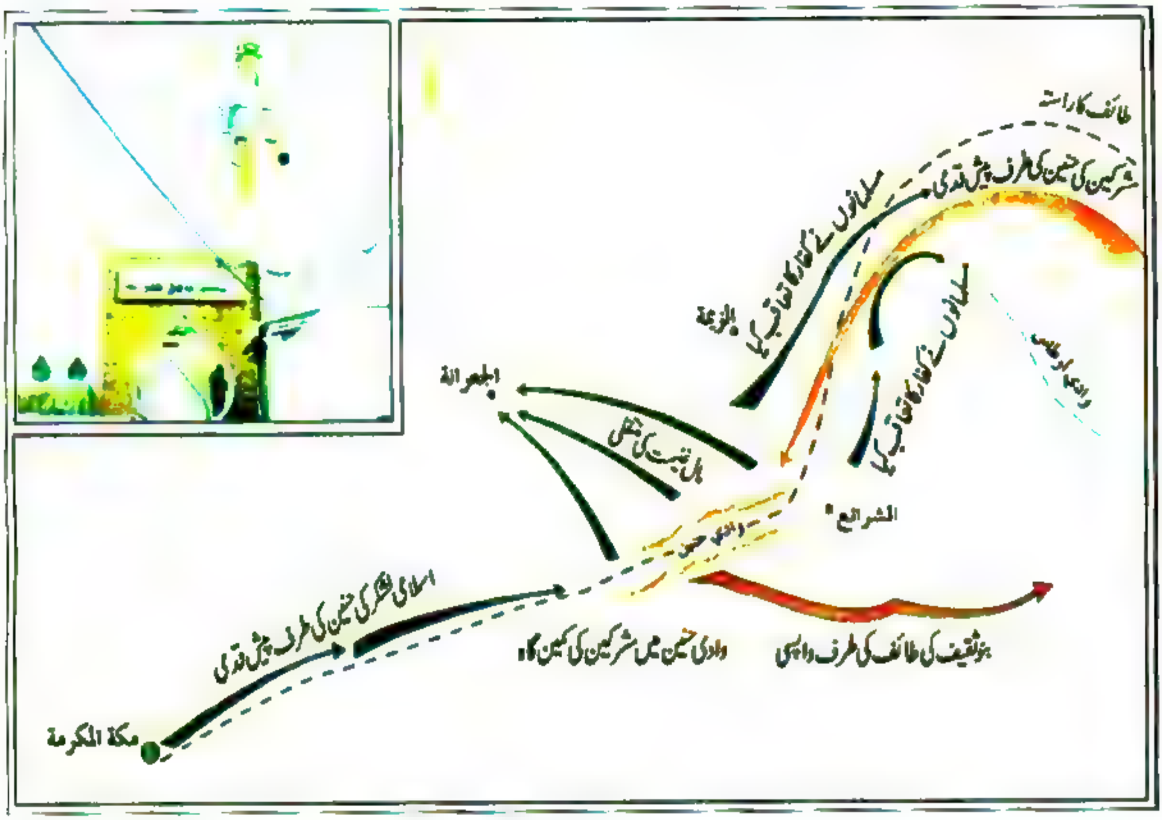

غزوۂ حنین اور عمرۂ جعرانہ کے سفر کا نقشہ

فتح مکہ کے بعد قریش کے بعض سرداروں کے دلوں میں اسلام پوری طرح داخل نہیں ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں مانوس کرنے کے لیے مال غنیمت میں سے ان کو سینکڑوں جانور دیئے اور انعامات سے نوازا جبکہ انصار کو حنین کے مال غنیمت سے کچھ نہیں دیا، یہ دیکھ کر بعض نوجوان انصار کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو تو سب کچھ دیدیا اور ہمیں کچھ نہیں دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو جمع کر کے ان سے یوں ارشاد فرمایا: اے میرے انصار! میں کیا سن رہا ہوں، انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بات ہمارے بعض نوجوانوں نے کی ہے، ہم میں سے کسی ذمہ دار نے نہیں کہی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم گمراہ نہ تھے؟ اللہ نے میرے ذریعے تمہیں ہدایت دی، تم آپس میں دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تم میں محبت ڈالی، تم خالی ہاتھ تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں مال دیا، انصار نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کی ہر بات سچ ہے، اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر بہت سارے احسانات ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں تم میرے جواب میں یہ کہنے کا حق رکھتے ہو کہ ہم نے اس وقت تصدیق کی جب سارے لوگ آپ کو جھٹلا رہے تھے اور آپ کی مدد کی جب لوگ آپ کے مخالف تھے، اور آپ کو ٹھکانا دیا جب آپ کے پاس ٹھکانا نہ تھا،

(۱) سیرت المصطفیٰ ج ۲ ص ۱۸۶

اب کیا تم لوگ صرف اس وجہ سے خفا ہو کہ میں نے تمہیں مالِ غنیمت میں سے کچھ حصہ نہ دیا، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر گھروں کو واپس ہوں اور تم اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر جاؤ! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار سے ہوتا، اگر لوگ ایک گھاٹی کو چلیں اور انصار دوسری گھاٹی کو تو میں انصار کی گھاٹی کو اختیار کروں گا، اے اللہ ! تو انصار اور ان کی اولاد پر رحم فرما۔

یہ سن کر انصار کی چیخیں نکل گئیں اور روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے: ہم صدقِ دل سے اس بات پر راضی ہیں اور پھر مجلس برخواست ہو گئی۔

عمرہ جعرانہ:

یہاں سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے گیارہ ذیقعدہ کو "جعرانہ" سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ کی جانب روانہ ہو گئے، عمرہ ادا فرمایا اور "عَتَّابْ بن اَسِیْد" کو مکہ کا والی بنا کر دو ماہ سولہ دن کے بعد ۲۷ ذیقعدہ کو مدینہ واپس پہنچ گئے۔(۱)

[درس نمبر:۸۳]

سنہ ۹ھ

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ:

فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب کے اندر اسلام کے خلاف سازشوں کا تقریباً خاتمہ ہو گیا، فتح مکہ سے بہت سے لوگوں کے شکوک و شبہات کا بھی ازالہ ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے لیکن ضد میں پڑے بعض لوگوں نے بیرونی طاقتوں کی مدد سے اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور اسی سلسلے میں غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا۔

واقعہ کا سبب:

عرب کے نصاریٰ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو ایک خط کے ذریعے اطلاع بھیجی کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور عرب پر حملہ کر کے پورے جزیرۃ العرب پر قبضہ کر لو، روم کے بادشاہ نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا اور چالیس ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے نکلا، زیتون کا تیل فروخت کرنے کے لیے شام سے ایک تجارتی قافلہ آیا کرتا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ ہرقل کا لشکر بلقا کے مقام پر پہنچ چکا ہے اور مسلمانوں سے جنگ کے ارادے سے آگے بڑھ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے تبوک جانے کا اعلان کر دیا تاکہ رومیوں سے انہیں کی سرحد پر مقابلہ کیا جائے اور جزیرۃ العرب کا ماحول دوبارہ خراب نہ ہو۔ مزید یہ کہ اس سے قبل یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا کہ غسان کے گورنر نے مسلمانوں کے سفیر کو شہید کر دیا جو کہ ایک بڑا جرم تھا اور اخلاق کے بھی خلاف تھا۔

(۱) السیرۃ النبویۃ للصلابی ۲/۲۴۴

یہ دو سبب تھے جن کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف نکلے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو اس بات کو مخفی رکھتے کہ کہاں جانا ہے؟ لیکن اس دفعہ رسول اللہ ﷺ نے صاف بتا دیا کہ تبوک جانا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات:

مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ کھجوریں پکنے کو تیار تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے تیاری کا حکم دیدیا۔ منافقین یہ دیکھ کر گھبرا گئے اور لوگوں سے کہنے لگے لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ "گرمی میں مت نکلو" لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم فوراً تیار ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا کل اثاثہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لا کر پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "گھر میں کیا چھوڑا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اسکے رسول کا نام چھوڑ کر آیا ہوں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کا نصف سامان اُٹھا لائے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے دو سو اوقیہ چاندی دی۔ حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ ساز و سامان کے ساتھ حاضر خدمت کر دیئے اور ایک ہزار دینار نقد پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ خوش ہو کر دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

"اس عمل کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں آپ بھی ان سے راضی ہو جائیں"۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا، انہوں نے ایک یہودی کے باغ میں پورا دن مزدوری کی اور رات کو معاوضے میں جو کھجوریں ملیں وہ یہ کھجوریں آپ علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے ان کھجوروں کو مسجد نبوی میں لگے ڈھیر پر ڈال دیا۔

مدینے سے روانگی:

بالآخر رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے شامل تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور حضرت علی کو اہل و عیال کے پاس چھوڑا۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں" تو آپ ﷺ سے فرمایا:

"کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ وہ نسبت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

اس حدیث سے اہل تشیع حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے کمزور ہے:

۱.....حضرت علی کو صرف اہل و عیال کی نگرانی کے لیے چھوڑا تھا، وفات کے بعد خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۲...... اس غزوہ میں مدینہ کا گورنر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔اگر یہ استدلال ٹھیک ہے تو پھر ان کی خلافت بلافصل بھی ثابت ہوتی ہے۔

۳...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام غزوات میں مدینہ کے اندر اپنا قائم مقام بنا کر جاتے تھے۔اگر یہ استدلال ٹھیک ہے تو ان تمام حضرات کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے۔

۴...... جہاں تک حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ کا تعلق ہے تو بدر کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تشبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تشبیہ حضرت نوح اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دی گئی تھی اور وہ تشبیہ اس سے کہیں زیادہ بالا و برتر ہے۔

تبوک کے راستے میں:

جب لشکر "مَدائِنِ صالِح" سے گزرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سر جھکائے ہوئے تضرع و عاجزی کی کیفیت میں تیزی سے گزرو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے سر پر کپڑا ڈال لیا اور لشکر کو یہاں کا پانی استعمال کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ یہاں قوم ثمود رہتی تھی، ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا اور ایسے مقامات عبرت کی جگہیں ہیں، ایسی جگہوں کو تماشہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ ایسے مقامات کو دیکھ کر توبہ کی کیفیت پیدا ہونی چاہیے۔(۱)

آگے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا: کل تم ایک چشمے پر گزرو گے لیکن تم میں سے کوئی شخص اس چشمے کے قریب نہ جائے۔ جب اس چشمے پر پہنچے تو اس چشمے سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا، ایک برتن میں اس کا پانی جمع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے اس میں ہاتھ منہ دھویا اور اس پانی کو دوبارہ چشمے میں ڈالنے کا حکم دیا، جب اسے ڈالا گیا تو چشمے کا پانی جوش مار کر نکلنے لگا اور پورے لشکر کے لیے کافی ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے معاذ! اگر تم زندہ رہے تو اس جگہ ایک باغ دیکھو گے۔"

اسلامی لشکر تبوک میں:

لشکر تبوک پہنچ گیا، رومیوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے سوچا کہ "موتہ" کے موقع پر تین ہزار مسلمان دو لاکھ کی فوج سے ٹکرا گئے تھے، آج کیا نتیجہ نکلے گا؟ ان کے دلوں میں رعب پیدا ہو گیا اور وہ جنگ کیے بغیر لوٹ گئے، ان کے لوٹنے سے آس پاس کے قبائل بھی مرعوب ہو گئے اور انہوں نے اسلامی حکومت کو ٹیکس دینا قبول کر لیا، شام کے بارڈر پر تین علاقے "جَرْبَاءُ" "اَذْرُحْ" اور "اَيْلَةُ" واقع تھے، ان کے گورنروں نے آ کر صلح کی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

(۱) سیرت مصطفیٰ ۲/ ۲۱۰،۲۱۰

دومۃ الجندل کی مہم:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دومۃ الجندل کے گورنر "اُکَیدَر" کی طرف چار سو بیس سواروں کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ اکیدر کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ، اگر مقابلہ کرے تو قتل کر دو، وہ تمہیں نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے ملے گا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ پہنچے تو وہ واقعی نیل گائے کے شکار پر نکلا ہوا تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے گرفتار کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا، اکیدر جزیہ دینے پر راضی ہو گیا اور دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔ (۱)

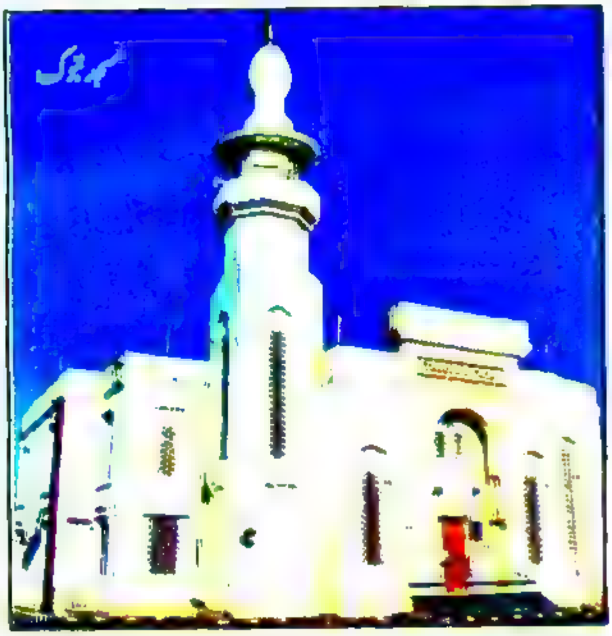

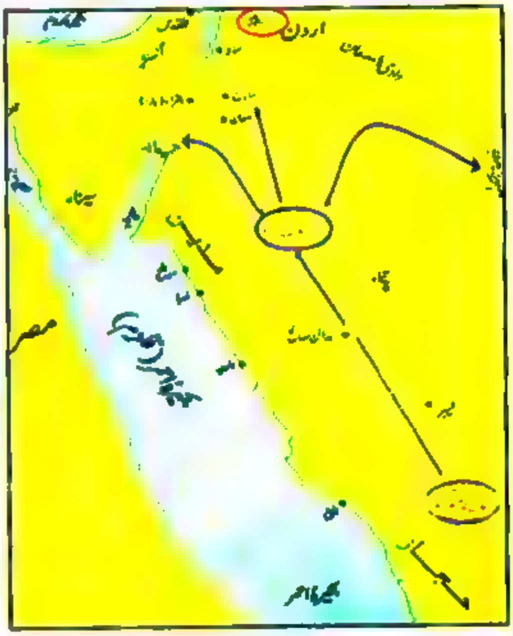

تبوک کی طرف سفر کا راستہ اور مقام تبوک میں بنائی گئی مسجد

تبوک سے واپسی اور منافقین کی سازش:

تبوک میں بیس روز قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے، راستے میں آپ حذیفہ بن الیمان اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک تنگ درے سے گزر رہے تھے اور باقی لشکر نشیبی علاقے میں تھا کہ کچھ منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بھگا دیا، اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام بتائے جس کی وجہ سے ان کا لقب صاحب سر رسول اللہ "راز دار رسول" پڑ گیا۔

مسجد ضرار:

واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذِی آوان پہنچے تو آپ علیہ السلام نے دو صحابی مالک ابن دخشم اور معن ابن عدی رضی اللہ عنہما کو

(۱) الرحیق المختوم ص ۵۸۵ تا ۵۸۷ ۔

مسجد ضرار ڈھانے کے لیے بھیجا، یہ مسجد منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے لیے بنائی تھی، تبوک کے سفر سے قبل منافقین نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ہم نے معذور افراد کے لئے ایک مسجد بنائی ہے، آپ اس میں نماز پڑھا کر افتتاح کر دیجئے، آپ نے واپسی کا وقت دیا، بذریعہ وحی آپ کو اطلاع مل چکی تھی کہ نام مسجد کا ہے لیکن مقاصد کچھ اور ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مسجد ڈھانے اور اس کے نشانات مٹانے کا حکم دیا، اسی ضمن میں قرآنِ کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (۱)

"وہ لوگ جنہوں نے مسلمانوں کو ضرر پہنچانے، ان میں پھوٹ ڈالنے اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو مورچہ فراہم کرنے کے لیے مسجد بنائی"۔

مدینہ منورہ واپسی:

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچے تو اہل مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے نکل آئے اور بچیاں خوشی سے یہ گیت گا رہی تھیں:

(۱)	طَلَعَ	الْبَدْرُ	عَلَيْنَا	مِنْ	ثَنِيَّةِ		الْوَدَاعِ
(۲)	وَجَبَ	الشُّكْرُ	عَلَيْنَا	مَا	دَعَا	لِلّٰهِ	دَاعٍ
(۳)	أَيُّهَا	الْمَبْعُوثُ	فِينَا	جِئْتَ	بِالْأَمْرِ		الْمُطَاعِ
(۴)	جِئْتَ	شَرَّفْتَ	الْمَدِينَةَ	مَرْحَبًا	يَا	خَيْرَ	دَاعٍ

جب مدینہ کی بستی نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ طیبہ ہے" اور جبل احد کو دیکھ کر فرمایا "هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ"۔ سب سے پہلے مسجد نبوی تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا کی، لوگ خیر خیریت اور سفر کے حالات معلوم کرنے آگئے، پھر رسول اللہ ﷺ آرام کے لئے گھر تشریف لے گئے۔ (۲)

غزوۂ تبوک میں نہ جانے والوں کا معاملہ:

مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے، بعض ان میں معذور تھے اور بعض غیر معذور، غیر معذور میں کچھ منافقین تھے اور کچھ مخلص مومنین۔ منافقین تو جھوٹے عذر بہانے اور جھوٹی قسمیں کھا کر رسول اللہ ﷺ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ پوری صورت حال سے واقف ہونے کے باوجود سکوت اور خاموشی اختیار فرماتے، کیونکہ ان لوگوں سے ایسا ہی متوقع تھا۔

(۱) توبہ: ۱۰۷ (۲) سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۱۶، السیرۃ النبویۃ للصلابی ۹۵۲ / ۹۳۹

حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم سچے اور مخلص مسلمان تھے جو جانے سے رہ گئے تھے، انہوں نے صاف صاف سچ بتلا دیا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ اپنا قصہ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اس وقت میرے پاس تازہ اونٹنی تھی۔ میں نے سوچا کہ ایک دو دن میں جا کر آپ سے مل جاؤں گا۔ یہی سوچتے سوچتے میں رہ گیا حتیٰ کہ آپ واپس تشریف لے آئے۔ منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے جان چھڑانے لگے۔ میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ غزوہ سے پیچھے رہ جانے کے بعد مزید گناہ کر کے اب جھوٹ بھی بولوں۔ میں نے حاضر ہو کر سچ بتلا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا معاملہ اللہ کے حوالے ہے" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کوئی تم میں سے ان سے بات چیت کرے اور نہ ہی کسی قسم کا تعلق رکھے۔ چالیس دن گزرنے کے بعد نیا حکم آیا کہ ان کی بیویاں بھی ان سے الگ ہو جائیں۔ پچاس دن تک ہم تین آدمیوں سے کسی نے کوئی کلام نہ کیا حتیٰ کہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ہم پر تنگ ہوگئی۔ پچاس دن بعد "جبل سلع" سے ایک منادی نے پکار کر کہا: یا کعب بن مالک! ابشر" کعب ابن مالک! تمہیں مبارک ہو" تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آ کر خوشخبریاں دینے اور گلے ملنے لگے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ قبول ہونے کی مبارک باد دی۔ یقیناً یہ دن حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا دن تھا۔ (۱)

غزوۂ تبوک کے نتائج:

جزیرۃ العرب کے اندر بچی کچھی طاقتیں جو دوسروں کے سہارے کچھ پر امید تھیں، غزوۂ تبوک سے ان کی امیدیں بھی دم توڑ گئیں اس لئے اس غزوے کے بعد منافقین کے حوالے سے صاف صاف ہدایات آگئیں۔ ان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہونے سے صاف طور منع کر دیا گیا اور منافقین کی علامات اور نشانیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ اب ان کے لئے چھپ کر رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

درس نمبر: ۸۴

سنہ ۹ ھ عام الوفود

ایک وقت تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا دین حق کی دعوت لے کر اُٹھے، صفا کی پہاڑی، مکہ کے بازار اور طائف کے پتھر آپ کی قربانیوں کی داستان کے اہم باب ہیں، فتح مکہ فیصلہ کن مرحلہ ثابت ہوا، قریش کی اطاعت حق و باطل کی کسوٹی بن گئی، تبوک سے کامیاب واپسی نے قبائل عرب کو تذبذب کی کیفیت سے نکال کر فیصلہ کے دوراہے پر لا کھڑا کیا، اب یا اسلام قبول کرنے کا راستہ تھا یا مرکز اسلام سے مصالحت کا راستہ۔ چنانچہ ہر طرف سے وفود آنے کا سلسلہ شروع ہوا، لوگ اسلام میں فوج در فوج

(۱) سیرت احمد مجتبیٰ ج ۳ ص ۳۸۴ تا ۳۹۰، عیون الاثر ۲/ ۲۹۲ تا ۳۰۱

داخل ہونے لگے اور ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا﴾ کی تعبیر کھل کر سامنے آنے لگی۔

وفود تو ۸ ہجری سے آنے شروع ہو گئے تھے لیکن مستقل آمد اور کثرت ۹ اور ۱۰ ہجری میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ ان وفود کا اکرام فرماتے، مسجد نبوی میں ایک ستون خاص وفود کی ملاقات کے لئے تھا۔ آپ وہاں بیٹھ کر وفود سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے جسے "اُسْطُوَانَةُ الْوُفُوْد" کہتے ہیں، ان مہمانوں کا کھانا اہل مدینہ کے گھروں سے آتا، مسجد نبوی کے صحن میں ان کے لئے خیمے لگائے جاتے تاکہ مسجد نبوی کا ماحول دیکھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ادب، اور عمل کا مشاہدہ کریں، اس نورانی اور پاکیزہ ماحول سے متأثر ہو کر ان کی اکثریت مسلمان ہو جاتی۔ (۱)

مختلف علاقوں سے مدینہ وفود آئے جن میں بَحْرَیْن، مَکَّہ، عَدَن، مَآرِب، صَنْعَاءِ یَمَن، حَضْرَمَوْت، ظَنِی مَعَان، تَیْمَہ، عَقَبَہ، بَنُوْ اَسَد، نَجْرَان، بَنُوْ حَنِیْفَہ اور بَنُوْ ثَعْلَبَہ وغیرہ شامل ہیں۔

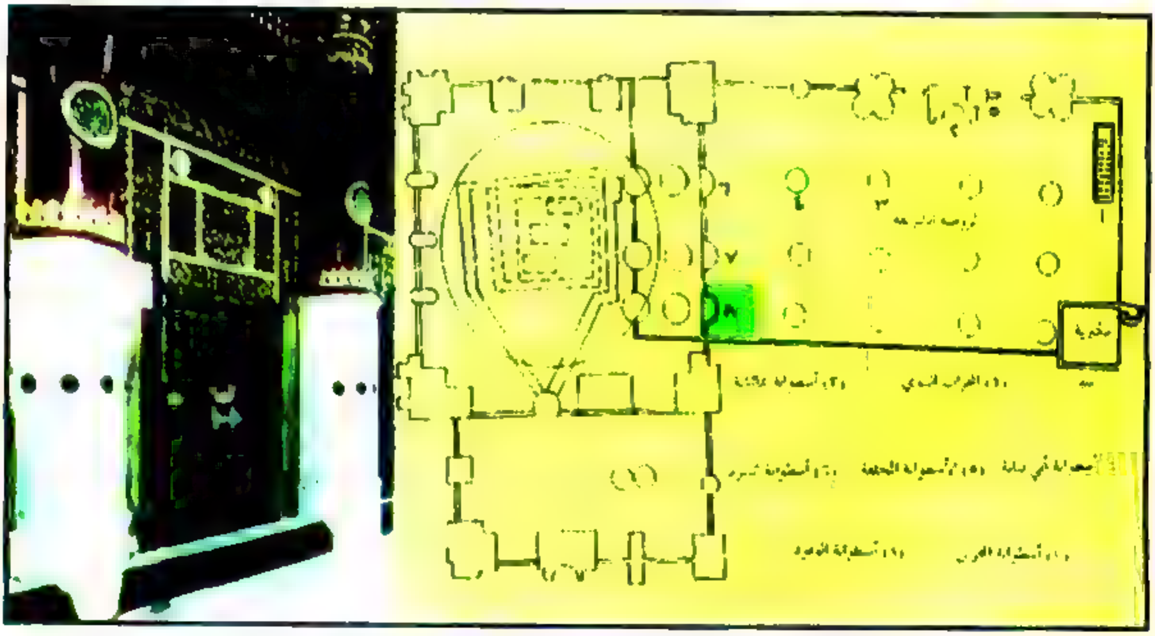

آٹھ نمبر پر اسطوانۃ الوفود ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفود سے ملاقاتیں کیا کرتے تھے

وفد نجران:

نجران یمن کا ایک علاقہ ہے، اس علاقے سے ساٹھ افراد پر مشتمل وفد آیا جن میں چودہ آدمی سرکردہ قسم کے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے پر مناظرہ کیا، انہیں کے جواب میں سورۂ آل عمران کا ایک حصہ نازل ہوا، جس میں عقل اور نقل سے ثابت کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر اسلام کو پیش کیا انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں، آپ نے فرمایا:

(۱) سیرت احمد مجتبیٰ ۳/۹۰۵، السیرۃ النبویۃ للصلابی ۲/۹۴۵ تا ۹۴۷

تمہارا اسلام کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ تم اللہ کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہو. جب انہوں نے لاجواب ہونے کے باوجود حق کو قبول نہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مباہلہ کی پیش کش کی اور اگلے روز آپ ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ. داماد علی اور ان کے بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے. انہوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مباہلے سے انکار کیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گئے. ان کے دو فریق تھے: امیین اور نصاریٰ. واپسی پر ان کا پہلا فریق مسلمان ہو گیا اور دوسرا اپنی بات پر قائم رہا.

وفد بنو حنیفہ:

بنو حنیفہ کا وفد یمامہ کے علاقے سے آیا. اس وفد میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا. یہ بدبخت مدینہ تو آیا لیکن رسول اللہ ﷺ سے ملاقات اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر نہ ہوا. رسول اللہ ﷺ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر خود اس کے پاس گئے. مسیلمہ نے کہا: "میں اس وقت بیعت کروں گا جب رسول اللہ ﷺ اپنے بعد مجھے اپنی خلافت عطا کریں اور اپنا قائم مقام مقرر کریں" رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کھجوروں کی ایک چھڑی تھی اشارہ کر کے فرمایا: "اگر تو مجھ سے یہ بھی مانگے تو نہ دوں گا اور تو وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھلا دیا گیا ہے".

آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے جن سے میں گھبرا گیا. خواب میں مجھے

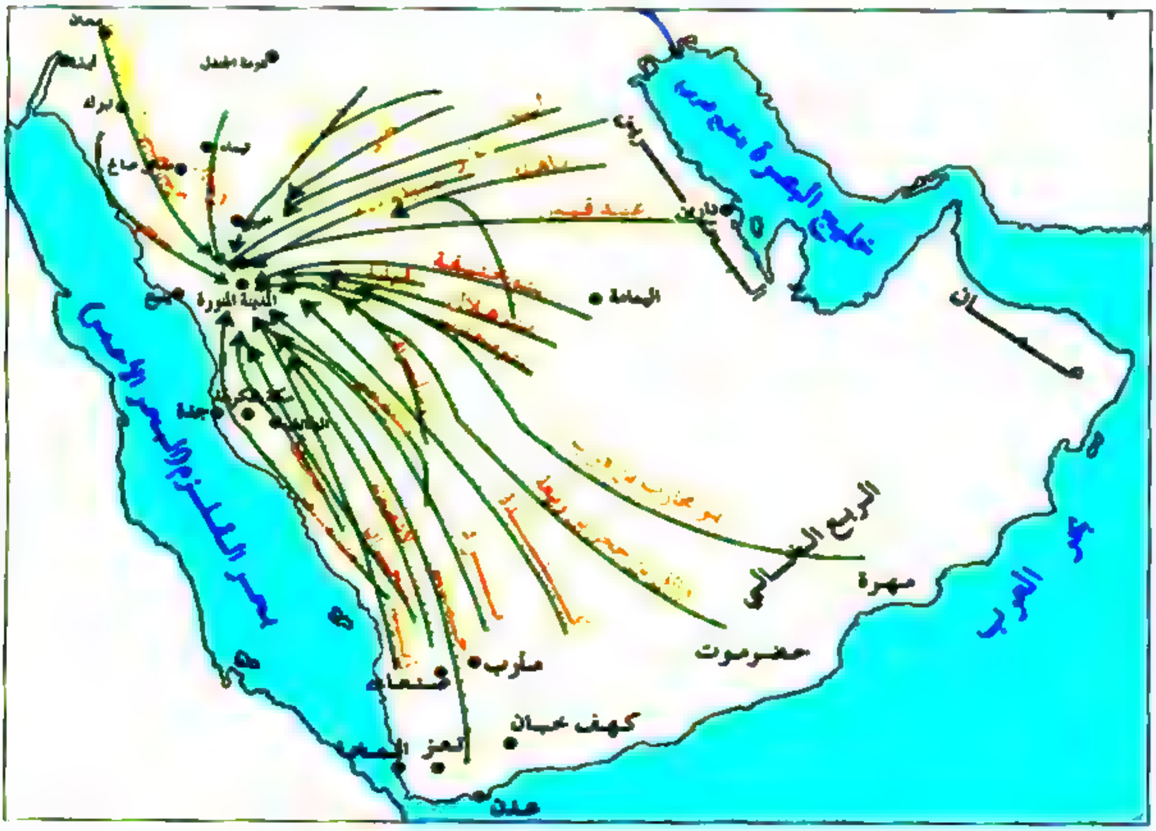

وفد جو فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے کے لیے آئے

کہا گیا ان کو پھونک مارو! میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔

اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے بعد دو جھوٹے شخص ظاہر ہوں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے ایک اَسْوَدْ عَنْسِی تھا جو رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا مُسَیْلَمَہ کَذَّاب تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ (۱)

درس نمبر: ۸۵

پہلا حج، ذی قعدہ ۹ھ:

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر تین سو آدمی آپ کے ہمراہ بھیج دیئے اور ان کے ذمے چند کام لگائے:

۱۔ لوگوں کو حج کا طریقہ سکھائیں۔

۲۔ حج میں جاہلی طریقوں کے خاتمے کا اعلان کریں، مثلاً آئندہ کوئی مشرک حج کے لئے نہ آئے، کوئی ننگا طواف نہ کرے۔

۳۔ مشرکین کے ساتھ معاہدات کی وضاحت کریں کہ جن کے ساتھ معاہدے کی مدت متعین ہے، ان کے ساتھ اس وقت کے لئے معاہدہ برقرار ہے، جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں یا معاہدہ تو ہے لیکن اس کی مدت متعین نہیں ایسے لوگوں کو چار مہینے کی مہلت ہے وہ اس مدت کے اندر اندر اپنا کوئی اور ٹھکانہ بنالیں، چار مہینے کے بعد ان کے قتل کا حکم ہے (کیونکہ جس سے معاہدہ نہیں یا معاہدہ ختم ہو چکا وہ حربی کافر ہے)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے بعد اس آخری اعلان کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کیونکہ عرب کے دستور کے مطابق معاہدوں کے حوالے سے اعلان خاندان کے کسی فرد ہی ذریعے معتبر ہوتا تھا۔ (۲)

مقام "عَرْج" یا "وَادِیِ ضَجْنَان" پر حضرت علی رضی اللہ عنہ جا کر ملے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر بن کر آئے ہو یا مامور، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا مامور بن کر آیا ہوں، پھر پوری جماعت حج کے لئے روانہ ہوگئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا، حج کے خطبات دیئے، معاہدوں کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلانات کئے، ان کی معاونت کے لئے اور لوگ مقرر کئے گئے۔ ان اعلانات کے ذریعے جزیرۃ العرب سے بت پرستی کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

(۱) فتح الباری ۸/ ۲۲۱ (۲) الرحیق المختوم ص ۵۹۲، عیون الاثر ۲/ ۳۱۳، السیرۃ النبویۃ للصلابی ۲/ ۶۶۳

درس نمبر: ۸۶

سنہ ۱۰ھ

حجۃ الوداع

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آچکی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو چکے، اسلام کامل ہو چکا، کفر و شرک اور جاہلیت کے مراسم کا خاتمہ ہو چکا، ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیج کر حج میں جاہلی طریقوں اور مشرکین کے ساتھ معاہدوں کی وضاحت کی جا چکی، اب وقت آچکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس فریضہ حج کی ادائیگی کریں تاکہ لوگوں کے سامنے حج کا طریقہ آجائے اور قیامت تک کے لئے یہ طریقہ محفوظ ہو جائے۔

مدینہ منورہ سے روانگی:

رسول اللہ ﷺ نے حج کا قصد و ارادہ فرمایا، اطراف و اکناف میں اعلان کر دیا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جوق در جوق آنے لگے اور ایک لاکھ چودہ ہزار یا اس سے زیادہ کا مجمع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمع ہو گیا، آپ کے ساتھ آپ کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے اور پھر وہ وہاں سے آملے، ۲۵ ذیقعدہ بروز ہفتہ ظہر اور عصر کے درمیان رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے۔

راستے کے حالات:

مدینہ منورہ سے نکل کر آپ "ذُوالْحُلَیْفَة" کے مقام پر پہنچے (یہ مدینہ سے چھ میل یعنی ۹ کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ ہے) یہاں رسول اللہ ﷺ نے رات گزاری اور پانچ نمازیں پڑھیں، اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو خوشبو لگائی، رسول اللہ ﷺ احرام باندھ کر باہر تشریف لائے اور تلبیہ پڑھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے لگے اور پورا علاقہ "لَبَّیْك" کی صداؤں سے گونج اٹھا، پھر ذوالحلیفہ سے روانہ ہوئے، راستے میں مختلف واقعات پیش آئے۔ جب "سرف" کے مقام پر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماہواری ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تسلی دی کہ حج کے تمام ارکان ادا کرتی رہو اور عمرہ کا انتظام بھی حج کے بعد ہو جائے گا، یہاں سے چل کر ۷ ذی الحجہ کو ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے، ہفتہ کی رات گزاری اور صبح کی نماز ادا کی، پھر غسل فرما کر روانہ ہوئے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ:

اور ۴ ذی الحجہ کو بروز اتوار چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ "کَدَاء" کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے، مکہ میں چونکہ چاروں طرف پہاڑ ہیں اور ان کے بیچ میں وادی "بَطْحَا" ہے جو مُعَلّٰی اور مِسْفَلَة پر مشتمل ہے بالائی علاقے سے کداء

حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلے اور واپسی کا راستہ

نچلے علاقے سے "کُدَی" آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کدا سے داخل ہوئے اور کدی سے واپسی ہوئی. جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہوئے۔

(بعض کتب میں باب بنی شیبہ لکھا ہے)

پھر طواف کیا پہلے تین چکروں میں رمل کیا. رسول اللہ ﷺ کا کندھا برہنہ تھا۔ پھر مقام ابراہیم میں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی اور زمزم کا پانی پیا۔ اس کے بعد صفا مروہ پر سعی کی. جو صحابہ رضی اللہ عنہم قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو احرام سے حلال ہونے کا حکم دیا (سر منڈوا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں) اور خود احرام ہی کی حالت میں رہے اور چار دن معلیٰ کے مقام پر مقیم رہے۔

درس نمبر: ۸۷

حج کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ نے حج کے افعال اور مناسک اس ترتیب اور طریقے سے ادا کئے:

وقوفِ منیٰ:

۸ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور ظہر سے قبل منیٰ پہنچے، وقوف کیا یہ دن اور ۹ تاریخ کی رات یہیں گزاری اور فجر تک پانچ نمازیں ادا کیں، اس دوران کثرت سے تلبیہ پڑھتے رہے۔

وقوفِ عرفات:

۹ ذوالحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے اور مزدلفہ سے گزر کر عرفات چلے گئے، ظہر کے وقت وہاں پہنچے اور ظہر وعصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں ادا کیا اور عظیم الشان خطبہ دیا۔

خطبۂ عرفات:

رسول اللہ ﷺ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

"إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، أَلاَ كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعاً فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَوَّلُ رِباً أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لاَ يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَداً تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ.

اے لوگو! تمہاری جانیں اور مال آپس میں ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے۔ دورِ جاہلیت کے تمام رسم ورواج کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت میں کئے گئے تمام خون معاف کرتا ہوں، سب سے پہلے ربیعہ ابن حارث بن عبدالمطلب کا خون بنی ہذیل کو معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کا تمام سود باطل ہے اور صرف راس المال باقی ہے اور سب سے پہلے میں عباس ابن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو! ان کے تم پر حقوق اور تمہارے ان پر حقوق ہیں۔ میں تم میں قرآن اور سنت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں! اگر اسے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔

وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟" قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ. فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ، يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: "اللَّهُمَّ اشْهَدْ، اللَّهُمَّ اشْهَدْ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

"تم سے قیامت کے دن میرے بارے میں پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟"

مجمع نے جواب دیا:

"ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکامات ہم تک پہنچا دیے۔ رسالت و نبوت کا حق ادا کر دیا"

رسول اللہ ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار فرمایا:

اللّٰهُمَّ فَاشْهَدْ "اے اللہ! تو گواہ رہ" (۱)

خطبے کے بعد رسول اللہ ﷺ مغرب تک وہیں رہے اور امت کے لئے خوب دعائیں کیں اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (۲)

"آج میں نے تمہارے لئے اپنا دین اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا"۔

گویا غار حرا سے قرآن کے احکامات کا آغاز ہوا اور عرفات میں تکمیل ہوئی۔

مسئلہ: عرفات میں ظہر اور عصر جمع کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حاجی عرفہ پہنچ کر امام کے خطبے کو پالے اور جو نہ پا سکے وہ اپنے خیمے میں ظہر اور عصر کو اپنے وقت میں پڑھے گا۔ لیکن مزدلفہ میں دو آدمی بھی مغرب اور عشا کو جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

میدان عرفات جہاں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کا خطبہ دیا

(۱) صحیح مسلم کتاب الحج (۲) المائدہ: ۳

وقوف مزدلفہ:

عرفات میں امت کو حتمی ہدایات اور قانون الٰہی کا متن پیش کر کے رسول اللہ ﷺ مزدلفہ کی جانب روانہ ہوئے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ سواری پر سوار تھے، عرض کیا: یا رسول اللہ! مغرب کا وقت جا رہا ہے، آپ نے فرمایا: جانے دو، ہم مزدلفہ میں پڑھیں گے۔ جب مزدلفہ پہنچ گئے تو مغرب اور عشا کو جمع کیا، مزدلفہ میں رسول اللہ ﷺ نے رات گزاری اور اندھیرے میں فجر کی نماز ادا کی، اس کے بعد وقوف کیا اور خوب تضرع و عاجزی سے دعائیں کیں۔

وقوف منیٰ:

پھر اشراق کے بعد منیٰ روانہ ہوئے، آج ذوالحجہ کی دس تاریخ تھی، منیٰ پہنچ کر آپ نے بڑے شیطان کو کنکر مارے اور ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی جانب سے نحر کئے، اس کے بعد حلق کیا اور موئے مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرما دیئے۔

دس تاریخ کو منیٰ میں ہونے والے مناسک سے فارغ ہونے کے بعد آپ مسجد حرام روانہ ہوئے، طواف زیارت اور اس کے بعد سعی کی ادائیگی کی، اور پھر اسی دن زوال سے قبل واپس منیٰ چلے گئے، ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو منیٰ ہی میں رہے اور ان تین دنوں میں روزانہ تینوں شیطانوں کو کنکر مارے، انہی دنوں میں سورۃ النصر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی۔

مکہ مکرمہ سے رخصتی:

۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد مکہ مکرمہ آ گئے "مُحَصَّب" میں رات گزاری، رات کے وقت مسجد حرام تشریف لے گئے، ۱۴ ذی الحجہ کو سحری کے وقت طوافِ وداع کیا، مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ "کُدیٰ" سے رخصت ہوئے، اور مقام "ذِیْ طُوٰی" میں قیام کیا۔

غدیر خم پر خطبہ:

صبح کو مدینہ منورہ روانہ ہوئے، رابغ کے قریب "خُم" نامی مقام پر ایک تالاب پر بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلاوجہ کوئی شکایت کی تو، آپ ﷺ نے اس مقام پر ایک خطبہ دیا جس میں خاص طور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ یعنی جس کا میں دوست ہوں تو علی بھی اس کے دوست ہیں۔ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی اور ان کے بارے میں اپنے دلوں کو صاف رکھنے کی ہدایت تھی اور یہی مطلب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے لیا، سب کے دل صاف ہو گئے۔ اس حدیث کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت اور خلافت سے کوئی تعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد میں خلافت کے معاملات میں کسی نے اس حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ (۱)

(۱) سیرت المصطفیٰ ۳/ ۱۵۱

مدینہ منورہ میں داخلہ:

مزید اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب پہنچ گئے، رات کے وقت مدینہ میں داخل ہونے کی بجائے ذوالحلیفہ میں قیام کیا اور صبح کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔(۲)

رسول اللہ ﷺ کے حج اور عمرے:

رسول اللہ ﷺ نے ایک حج اور چار عمرے کئے ہیں، حج تو یہی ہے اور سارے عمرے ذی قعدہ میں ہوئے، پہلا عمرہ اَلْحُدَيْبِيَةُ، دوسرا عُمْرَةُ الْقَضَا، تیسرا عُمْرَةُ الْجِعِرَّانَةَ اور چوتھا عُمْرَةُ الْحَجِّ۔ ان میں آخری عمرہ تو ذی الحجہ میں ہوا لیکن اس کا احرام ۲۵ ذی قعدہ کو باندھا گیا اس لئے یہ بھی ذی قعدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

درس نمبر:۸۸

۱۱ھ

سفرِ آخرت

رسول اللہ کی اس دنیائے فانی سے رحلت کے اشارے مل چکے تھے، مثلاً ہمیشہ دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اس سال بیس دن کا اعتکاف کیا، پہلے جبریل علیہ السلام سال میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اس سال دو مرتبہ ہوا، حج کے موقع پر فرمایا: شاید کہ آئندہ اس مقام پر پھر ملاقات نہ ہوسکے، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور سورۃ النصر کا نزول، اور حج سے واپسی کے بعد بھی شہدائے احد اور جنت البقیع میں حاضری اور اس طرح کی دعائیں جیسے رخصت ہو رہے ہیں۔

بیماری کی ابتداء:

۲۹ صفر بروز پیر ایک جنازے کے ساتھ جنت البقیع تشریف لے گئے، واپس آرہے تھے کہ سر میں درد شروع ہوگیا، اہل وعیال اسے عام بیماری سمجھے لیکن یہ مرض الوفات کی ابتدا تھی، ایک ہفتے تک رسول اللہ ﷺ اسی بیماری میں ازواج مطہرات کے پاس ان کی باریوں کے مطابق جاتے رہے۔

(۱) سیرت احمد مجتبیٰ ۳/۶۶۶ تا ۶۷۹، الرحیق المختوم ۶۱۸ تا ۶۲۰، عیون الاثر ۲/۳۵۹، السیرۃ النبویہ للصلابی ۲/۶۲۲

بیماری میں شدت:

۵ ربیع الاول کو بیماری سخت ہوگئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ کا بخار جوش مار رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوتا ہے"۔

بیماری کی شدت میں آپ کے لئے ازواج مطہرات کے پاس جانا مشکل ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواجِ مطہرات کو جمع کر کے پوچھا کہ میں کل کس کے پاس رہوں گا؟ ازواجِ مطہرات آپ کا اشارہ سمجھ گئیں کہ آپ حضرت عائشہ کے پاس رہنا چاہتے ہیں۔ سب نے خوشی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں منتقل ہونے پر اتفاق کیا۔ چنانچہ وہاں آپ کو منتقل کر دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور کمزوری دن بدن شدت اختیار کرتی جاری تھی لیکن اس کے باوجود آپ مسجد نبوی میں آ کر نماز پڑھاتے رہے۔

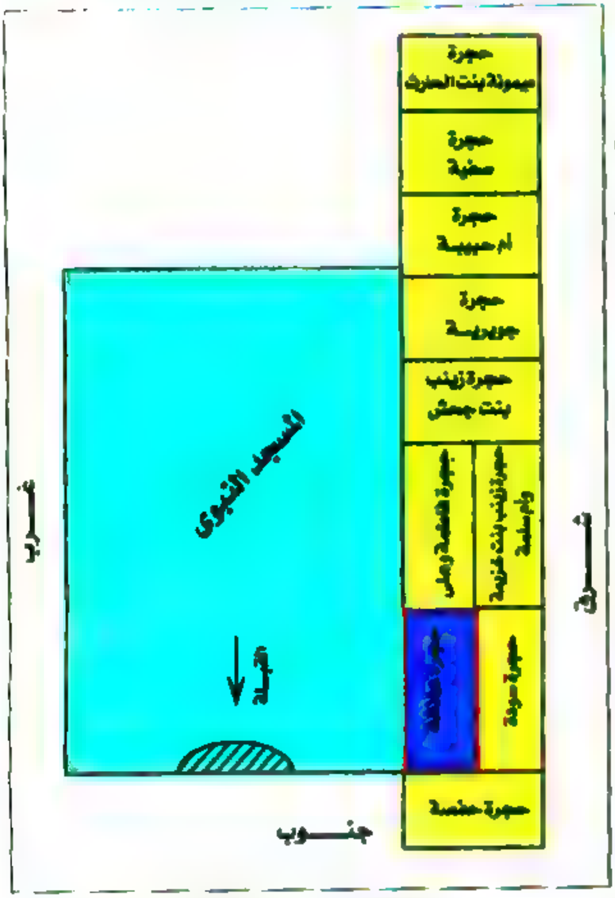

مسجد نبوی اور حجرات امہات المؤمنین

وفات سے پانچ دن پہلے:

وفات سے پانچ دن قبل مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر دو باتوں کی تلقین فرمائی:

۱۔ میرے بعد میری قبر کو میلے کی جگہ نہ بنانا، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔

۲۔ انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنا لوگ زیادہ ہوتے رہیں گے اور انصار کم ہوتے رہیں گے۔ ان سے درگزر کا معاملہ رکھنا۔ (۱)

اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے غمگین ہونے کی خبر پہنچی تھی کیونکہ وہ سوچ رہے تھے کہ آپ کے بعد ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ وصیت فرمائی۔

ایک وصیت عقیدے کی اصلاح سے متعلق ہے جبکہ دوسری معاشرت کی اصلاح سے متعلق ہے۔

(۱) الرحیق المختوم ص ۴۲۴

وفات سے چار دن پہلے:

وفات سے چار دن پہلے بروز جمعرات بیماری کی شدت میں صحابہ کرام آپ ﷺ کے حجرے میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا: قلم اور دوات لاؤ تاکہ تمہارے لئے وصیت لکھ دوں! اہل مجلس اختلاف کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ آپ بیماری میں تکلیف دینا مناسب نہیں، ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہم کو ہر قسم کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے، بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی اور بعض کا اصرار تھا کہ لکھنا چاہیئے، آپ ﷺ نے یہ شور دیکھ کر سب کو وہاں سے اُٹھوا دیا، پھر اسی روز آپ ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی:

۱)...... مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو!

۲)...... پورے جزیرے سے وفد آئیں گے ان کا اکرام کرو گے۔

۳)...... تیسری بات سے آپ ﷺ نے سکوت فرمایا یا راوی بھول گیا۔

بعض حضرات کی رائے ہے کہ تیسری بات قرآن سے علم اور عمل کے تعلق کی بات تھی یا جیش اسامہ کی روانگی تھی۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد ظہر کے وقت طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو فرمایا پانی کی سات مشکیں لاؤ، میرے سر پر بہاؤ تاکہ کچھ سکون حاصل ہو جائے، حکم کی تعمیل کی گئی، آپ نماز ظہر کے لئے باہر تشریف لائے، نماز پڑھائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے کہ میں سب کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ ان کے احسانات کا صلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دیں گے، اس خطبے میں آپ نے جیش اسامہ کی روانگی کا بھی حکم دیا اور فرمایا کہ بعض لوگوں کو ان کی امارت پر اعتراض ہے، اس سے قبل ان کے والد کی امارت پر بھی بعض لوگوں کو اعتراض ہوا تھا، اللہ کی قسم! اس کا باپ بھی امارت کا اہل تھا اور یہ بھی اہل ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں سے میں ہے۔

بعض لوگ خصوصاً روافض نے اس واقعے سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ اس تحریر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں رکاوٹ بن گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارادہ اس تحریر سے کیا تھا؟ اٹکل چلانے سے بہتر ہے کہ واقعے کی تحقیق کی جائے، دلالت اور صراحت دونوں اعتبار سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ خلافت کا اشارہ دے چکے تھے۔

جہاں تک دلالت کا تعلق ہے تو زندگی میں اپنے مصلّٰی پر امام بنا کر اور حج میں امیر بنا کر آپ نے ان کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

رہی بات تصریح کی تو مسند احمد میں روایت ہے کہ

"ابن ابی ملیکہ نے حضرت عائشہ سے رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کا مرض الوفات شروع ہوا تو اس مرض میں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلاؤ (تاکہ تحریر لکھ لی جائے) کہیں یہ بات نہ ہو کہ کوئی خلافت کا حریص ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معاملے میں طمع کرے، اس کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کو رد کر دیں گے اور اہل ایمان بھی (ایسا ہونے نہیں دیں گے)

درس نمبر: ۸۹

مسجد نبوی میں آخری امامت:

جمعرات کے دن مسجد نبوی میں آ کر رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی، جس میں سورہ مرسلات کی تلاوت کی، عشاء کے وقت بیماری کی شدت تھی، بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی، بار بار پانی ڈالا گیا لیکن ہمت جواب دے گئی، ارشاد فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھا دے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہے وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ وہی حکم دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، انہوں نے شب جمعہ سے نماز پڑھانے کی ابتداء کی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک سترہ نمازیں پڑھائیں۔

وفات سے دو دن پہلے:

وفات سے دو دن پہلے رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھانے لگے، رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ سے روک دیا اور سہارا دینے والوں سے فرمایا کہ مجھے ان کے دائیں طرف بٹھا دو! چنانچہ آپ ان کے دائیں طرف بیٹھ گئے اور نماز پڑھانے لگے، ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبر کی حیثیت سے آواز پہنچانے لگے۔

ایک دن پہلے:

وفات سے ایک دن پہلے حکم دیا کہ گھر میں جو مال موجود ہے اسے خرچ کر دو اور غلاموں کو آزاد کر دو۔

آخری دن:

آخری دن فجر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھایا لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، امت کو نماز کی حالت میں دیکھ کر خوش ہوئے اور پردہ گرا دیا۔

نزع کی ابتداء:

بیماری لحہ بہ لحہ شدت اختیار کر رہی تھی اور اس زہر کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے جو خیبر میں یہود نے آپ کو کھانے

میں دیا تھا، انہی حالات میں آپ نے امت کو وصیت فرمائی:

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (۱)

"نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا"

چاشت کے وقت نزع کی کیفیت شروع ہوگئی، سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھا تھا، حضرت عبدالرحمن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ مسواک کی طرف دیکھنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ مسواک کرنا چاہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسواک لے کر نرم کی، پھر آپ کے دندان مبارک پر لگائی، آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا، آپ اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ (۲)

"لا الٰہ الا اللہ، بے شک موت کی سختیاں ہیں"

آخری الفاظ:

مسواک سے فارغ ہوئے، آپ نے انگلی اٹھائی، چھت پر نظر ڈالی اور ہونٹ حرکت کرنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کان لگایا تو یہ فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (۳)

"اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے"

یہ الفاظ زبان اقدس سے نکلے، ہاتھ جھک گیا اور روح پرواز کر گئی۔

تاریخ اور وقت وفات:

تیرہ یا چودہ روز کی علالت اور بیماری کے بعد ۱۲ ربیع الاول بروز پیر چاشت کے وقت رسول اللہ ﷺ خالق حقیقی سے جا ملے۔

وفات کی خبر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ خبر بجلی بن کر گری، غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، مدینے کی فضا پر غم کی چادر تن گئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مدینہ کی تاریخ میں ایک دن سب سے زیادہ خوشی کا اور ایک دن سب سے زیادہ غم کا آیا، خوشی کا دن وہ تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے اور غم کا دن وہ تھا جب رسول اللہ ﷺ داغِ فراق دے کر رخصت ہو گئے تھے، سارے صحابہ غم سے نڈھال مسجد نبوی کی طرف دوڑے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوش میں کھڑے فرما رہے تھے کچھ منافقین کا یہ گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کر گئے ہیں، آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ اللہ سے ملاقات کیلئے گئے ہیں اور واپس آ کر ان لوگوں

(۱) کتاب الادب باب فی حق المملوک (۲) بخاری کتاب المغازی (۳) بخاری کتاب المغازی

کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گم سم چلتے پھرتے تھے، باتوں سے رہ گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ ہی بیٹھے رہ گئے۔(۱)

اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمت اور ذمہ داری کا مظاہرہ کیا، یہ عوالی کے مقام پر اپنے مکان میں تھے، جب ان کو اطلاع ملی تو مسجد نبوی آ گئے، سیدھے حجرے میں گئے جہاں رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر ایک یمنی کپڑے میں ڈھانک دیا گیا تھا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

"آپ کی زندگی بھی پاک اور آپ کی موت بھی پاک ہے"

پھر باہر آئے، صحابہ غم سے نڈھال تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا:

"جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ اللہ زندہ ہے، اسے موت کبھی نہیں آئے گی" پھر یہ آیت پڑھی ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم یہ سمجھے کہ یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس بروقت خطبے سے صحابہ کرام کے حوصلے بحال ہوئے۔(۲)

درس نمبر: ۹۰

غسل تکفین و تجہیز: ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ

حضرت عباس، علی، فضل، اسامہ، اوس بن خولی، اور شعران رضی اللہ عنہم نے غسل دیا، ۱۲ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ کی تکفین ہوئی اور تین یمنی کپڑوں میں آپ کو کفنایا گیا۔

نماز جنازہ: ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں فرمایا تھا کہ "پیغمبر کی قبر وہیں ہوتی ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے" چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ چھوٹا تھا اس وجہ سے انتظامات میں ایک دن لگ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں ۱۳ ربیع الاول کو نماز جنازہ ہوئی، پہلے مرد ٹولیوں کی شکل میں آئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھی، پھر عورتوں نے اور پھر بچوں نے پڑھی۔

خلافت کا مسئلہ:

اسی دوران خلافت کا مسئلہ بھی پیش آیا اور خلافت چونکہ ایک اہم اور ضروری چیز ہے، امت مسلمہ کبھی بھی خلافت کے بغیر نہیں رہ سکتی، آج دنیا میں ۵۷ مسلم ممالک ہیں، لیکن خلافت کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے سارے مسلمان کمزور ہیں۔

(۱) سیرت حلبیہ ۳/۵۰۰ (۲) بخاری کتاب المغازی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہوا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں نماز اور حج کا امیر مقرر فرمایا تھا اور یہ دونوں اجتماعی عبادات ہیں۔ اس میں اشارہ تھا کہ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی مسلمانوں کے امیر ہوں گے۔

تدفین: ۱۴ ربیع الاول ۱۱ھ

مدینہ میں دو صحابی تھے۔ ایک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو لحد بنایا کرتے تھے دوسرے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو شق بنایا کرتے تھے۔ ان دونوں کو بلایا گیا تھا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آ گئے اور لحد والی قبر بنائی۔ ۱۴ ربیع الاول بدھ کی شب رسول اللہ ﷺ کی تدفین کی گئی۔

[illegible]

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں اس عظیم اور آخری پیغمبر پر جس نے ضلالت وگمراہی کے اندھیروں اور تیز و تند ہواؤں میں اللہ کا پیغام پہنچایا، جو صفا کی پہاڑی پر تنہا کھڑا ہوا اور تئیس سال کے مختصر عرصے میں عرفات کے میدان میں لاکھ سے اوپر جانثاروں کے سامنے اپنی کارگزاری پر ان کو گواہ اور اس پیغام کا داعی بنا کر رخصت ہو گیا

اے اللہ! ہمارے اس عظیم محسن کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرما اور اپنے خاص فضل اور توفیق سے ہم سب کو اس کے نقش قدم پر چلا دے، اس کا مشن ہمارا مشن بنا دے، اس کا عمل ہمارا عمل بنا دے!

اے اللہ! اس کے دین پر ہم کو زندہ رکھ، اسی پر موت دے، قیامت کے دن اس کے ساتھ ہمارا حشر فرما دے اور جنت میں اس کی رفاقت نصیب فرما دے!

آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ، صَلٰوةً سَرْمَدِيَّةً اَبَدِيَّةً خَالِدَةً بَاقِيَةً
بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَعَدَدِ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ.

زیر طبع کتابیں

تفسیر قرآن

قرآن کریم کے مضامین، سورتوں کے موضوعات

اور خلاصے اور مشکلات قرآن کی وضاحت

علوم القرآن

قرآن کریم کے تعارف کے حوالے سے کچھ مباحث

قرآن کریم کی تعریف، نزول، حفاظت ترجمہ وتفسیر کے اُصول

تاریخ خلافت راشدہ

خلفائے راشدین کے حالات اور ان کے دور خلافت کی تفصیلات

خاص طور پر مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تفصیلی گفتگو

القرطبہ للنشر والتوزیع

القرطبه للنشر والتوزيع

دینی، اصلاحی اور درسی کتابوں کا مرکز

ہر قسم کی دینی اور درسی کتب کے علاوہ

تلاوت، تفسیر، سیرت و تاریخ، خطبات جمعہ اور

علماء و مشائخ کے بیانات کی CD's دستیاب ہیں

کھکشاں، کلفٹن بلاک 1، کراچی

محمد فہد 0333-3488096

ای میل: alqurtubant@gmail.com

سیرتِ طیبہ

قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے ستون ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کے سر چشمے ہیں، ایک علم کا سرچشمہ اور دوسرا عمل کا سرچشمہ ان دونوں سرچشموں سے وابستگی زندگی کو تر وتازہ رکھنے کا سبب ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ان دونوں سے وابستہ ہوئے تو سب کچھ بن گئے، لوگوں کے رہبر ورہنما بن گئے۔ آج بھی ضرورت ہے کہ ان دو سرچشموں سے مضبوط تعلق قائم کر کے اور بگڑی کو بنایا جائے اور ڈوبتی کو سہارا دیا جائے۔

الحمد للہ مختلف طبقات میں تدریس کا، خاص طور پر تفسیر اور سیرت طیبہ پڑھانے کا بار بار موقع ملا۔

تفسیر میں سورتوں کے مضامین اور خلاصوں کی طرف خاص توجہ رہی جس سے خود کو بھی اور شرکاء کو بھی خاصہ فائدہ پہنچا، سیرت کی تدریس میں ہمیشہ یہ مشکل رہی کہ واقعہ پڑھ لینے کے بعد وہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ واقعے کا جغرافیہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کہاں پیش آیا تھا، زمینی حقائق کیا تھے، کبھی کبھار واقعے کو سمجھنے کے لئے خود اپنی طرف سے ایک نقشہ بنایا اور اس کے ذریعے واقعے کو ذہن میں اتارنے کی کوشش کی گئی، سلسلہ اسی طرح چلتا رہا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مزید ذہن کھولا، جدید آلات کمپیوٹر اور پروجیکٹر کی طرف ذہن گیا، سیرت کے واقعات کے ساتھ متعلقہ نقشے، اور مقامات کی تصاویر لگادی گئیں، کمپیوٹر کی مدد سے سیرت کی کلاسیں تیار کی گئیں اور پروجیکٹر کے ذریعے مجمع کے سامنے ان کو پیش کیا گیا، خود ذاتی طور پر بندے کو بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں اور شرکاء میں ایسی کیفیات محسوس کی گئیں بلکہ انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اس سلسلے کو مزید وسعت دینے کے لئے دو کام کئے گئے۔

۱)....ان بیانات کو نقشوں اور مناظر کے ساتھ محفوظ کر کے سی ڈیز کی شکل میں منظر عام پر لایا گیا۔

۲)....ان بیانات کو نقشوں اور تصاویر کے ساتھ کتابی شکل میں منظر عام پر لایا گیا۔

یہ آپ کے سامنے وہی کتاب ہے.... کتاب ہذا میں تین باتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے:

۱)....واقعات کے دوران جن مقامات کا تذکرہ آیا نقشے کی مدد سے ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور ان کی تصاویر قدیم یا آج کی موجودہ بھی واقعات کے ساتھ لگادی گئی ہیں۔

۲)....واقعات سے جو دروس اور عبرتیں علماء نے اخذ کی ہیں وہ بھی ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔

۳)....مکمل سیرت کو دروس کی شکل میں تقسیم کردیا گیا ہے، کل ۹۰ دروس ہیں، اگر کوئی درس کی شکل میں سیرتِ طیبہ کو بیان کرنا چاہے تو یہ دروس تیار ہیں، اگر روزانہ ایک درس ہو تو ہفتہ وار چھٹیوں کے ساتھ تقریباً چار ماہ میں پوری سیرت ختم ہو سکتی ہے۔

مولانا الطاف الرحمن عباسی